کامل
تین حصے

احکام اسلام
عقل کی نظر میں

جس میں تمام شرعی احکام کی عقلی حکمتیں اور مصلحتیں احکام الٰہیہ کے اسرار و فلاسفی ظاہر کی گئی ہے
اور ثابت کیا ہے کہ تمام احکام شریعت عین عقل کے مطابق ہیں۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ عمر فاروق

کامل تین حصے

جس میں تمام شرعی احکام کی عقلی حکمتیں اور مصلحتیں
احکام الٰہیہ کے اسرار و فلاسفی ظاہر کی گئی ہے اور ثابت کیا
ہے کہ تمام احکام شریعت عین عقل کے مطابق ہیں۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345
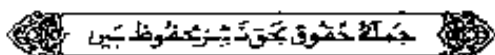
اللهم صل على محمد النبي
الأمي وعلى آله وسلم تسليما

فہرست عنوانات احکام اسلام عقل کی نظر میں

کتاب النکاح

باب الطلاق

المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ

یعنی

احکام اسلام عقل کی نظر میں

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ احقر مدعا نگار ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں جنکے بعد انکے امتثال اور قبول کرنے میں ان میں کسی مصلحت وحکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا یقین حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے جس طرح دنیوی سلطنتوں کے قوانین کی وجوہ واسباب اگر کسی کو معلوم نہ ہوں اور وہ اس معلوم نہ ہونے کے سبب ان قوانین کو نہ مانے اور یہ عذر کردے کہ بدون وجہ معلوم کئے ہوئے میں اسکو نہیں مان سکتا تو کیا اس کے باغی ہونے میں کوئی عاقل شبہ کر سکتا ہے تو کیا احکام شرعیہ کا مالک ان سلاطین دنیا سے بھی کم ہو گیا۔ غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں لیکن اسی طرح اسمیں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی ان احکام میں بہت سے مصالح اور اسرار بھی ہیں اور گو مدار ثبوت احکام کا ان پر نہ ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن ان میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لئے ان کا معلوم ہو جانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لئے ایک درجہ میں معین ضرور ہے گو اہل یقین راسخ کو اسکی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کیلئے تسلی بخش وقوت بخش بھی ہے (اور اس وقت ایسی طبائع کی کثرت ہے) اسی راز کے سبب بہت سے اکابر وعلماء مثل امام غزالی وخطابی وابن عبد السلام وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کے لطائف ومعانی مذکور بھی پائے جاتے ہیں۔ چونکہ ہمارے زمانہ میں

تعلیم جدید سے نشاء سے جو آزادی طبائع میں آگئی ہے اس سے بہت سے لوگوں میں ان مصالح کی تحقیق کا شوق اور مذاق پیدا ہو گیا ہے اور گو اس کا اصل علاج تو یہی تھا کہ انکو اس سے روکا جائے (چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے) لیکن تجربہ سے اس میں باستثناء طالبین صادقین کے عام لوگوں کو اس سے روکنے کے مشورہ دینے میں کامیابی متوقع نہیں تھی اس لئے تسہیلا للعامہ و تیسیرا علی العامہ بعض اہل علم بھی جستہ جستہ اس میں تحریر و تقریر کرنے لگے ہیں اور اگر ان تقریرات و تحریرات میں حدود شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی تو ان کو کافی سمجھ کر کسی نئے مجموعہ کی ضرورت نہ ہوتی مگر علوم حقہ و اتباع علوم حقہ کی قلت اور آراء فاسدہ اور اتباع اہواء مختلفہ کی کثرت کے سبب بکثرت ان میں تجاوز عن الحدود سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اس وقت بھی ایک ایسی ہی کتاب جسکو کسی صاحب قلم نے لکھا ہے مگر علم و عمل کی کمی کے سبب تمام تر رطب و یابس رطب و یابس سے پر ہے ایک دوست کی بھیجی ہوئی میرے پاس دیکھنے کی غرض سے آئی ہوئی رکھی ہے اسکو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی کتابوں کا دیکھنا تو عامہ کو مضر ہے مگر عام مذاق کے بدل جانے کے سبب بدون اسکے کہ اسکا دوسرا بدل لوگوں کو بتلایا جاوے اس کے مطالعہ سے روکنا خارج عن القدرۃ ہے۔ اس لئے اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا جو ان مفاسد سے مبرا ہو ایسے لوگوں کیلئے مہیا کیا جاوے تاکہ اگر کسی کو ایسا شوق ہو تو وہ اسکو دیکھ لیا کرے کہ اگر صورت منافع نہ ہوگا تو واقع مضار تو ہوگا (البتہ جس طبیعت میں مصالح کے علم سے احکام الٰہیہ کی عظمت و وقعت کم ہو جاوے یا وہ ان کو مدار احکام سمجھنے لگے کہ ان کے انتفاء سے احکام کو منتفی اعتقاد کرے یا انکو مقصود بالذات سمجھ کر دوسرے طریق سے انکی تحصیل کو بجائے اقامت احکام کے قرار دے لے جیسا کہ اوپر بھی ان مفاسد کی طرف اجمالاً اس قول میں اشارہ بھی کیا گیا ہے "چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے۔" سو ایسے طبائع والوں کو ہرگز اس کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہے۔ بہر حال وہ ذخیرہ یہی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ احقر نے غایت بے تعصبی سے اسمیں بہت سے مضامین کتاب مذکور بالا سے بھی جو کہ موصوف بصحت تھے لے

لئے ہیں اور اس میں احکام مشہورہ کی کچھ تھوڑی سی مصلحتیں مذکور ہوں گی جو اصول شرعیہ سے بعید نہ ہوں۔ اور افہام عامہ سے قریب ہوں۔ مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں۔ نہ سب مدار احکام ہیں اور نہ ان میں انحصار ہے فقط ایک نمونہ ہے۔ اس بحث میں ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں سنا ہے کہ ترجمہ اسکا بھی ہو چکا ہے مگر عوام کو اسکا مطالعہ مناسب نہیں کہ نا عقل زیادہ ہے اور اس ہمارے زمانہ میں بھی ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی اعلیٰ امدرس بامدرسۃ الخدیویہ نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام اسرار الشریعۃ ہے اور جو ۱۳۲۸ھ میں مصر کے مطبع الواعظ میں چھپی ہے اور اسکے قبل ایک رسالہ حمیدیہ شائع ہو چکا ہے مگر یہ دونوں نئی کتابیں عربی زبان میں ہیں جن میں سے حمیدیہ کا ترجمہ اردو تو کئی سال ہوئے شائع ہو چکا ہے اور اس دوسری کتاب اسرار الشریعۃ کا ترجمہ کاندھلہ میں مولوی حافظ محمد اسماعیل صاحب کر رہے ہیں۔ میرے اس مجموعہ کے ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ کرنا معلومات میں ترقی دے گا۔ اور چونکہ طرز ہر ایک کا جدا ہے اس لئے ایک کو دوسرے سے مغنی نہ سمجھا گیا میں نے ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مصلحت سے بھی کیا ہے اور اس لئے بھی کہ میرے اس عمل کو تفرد نہ سمجھا جائے اور اس تفرد کے شبہ کو صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے بھی خطبہ میں اسکی اصل کو کتاب وسنت کے اشارات واضحہ سے نکال کر رفع فرمایا ہے اور بطور مثال کے اسکے بعض ماخذ کو بھی بیان فرمایا ہے اور نام اسکا المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ رکھتا ہوں حق تعالی اسکو اسکے موضوع میں نافع اور ترددات شکوک فی الاحکام کا دافع فرماوے۔ والسلام

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

یکم رجب یوم الخمیس ۱۳۳۳ھ

باب الوضوء

اسرار وضوء

طہارت کے چار مراتب ہیں۔ مرتبہ اول ظاہر کو ناپاکیوں اور پلیدیوں سے پاک کرنا۔ مرتبہ دوم اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچانا۔ مرتبہ سوم دل کو اخلاق مذمومہ ورذائل سے صاف کرنا۔ مرتبہ چہارم۔ اپنے ضمیر کو ماسوٰی اللہ سے صاف کرنا۔ یعنی جب تک انسان مقصد کو مقاصد و سے اپنے دل کو پاک وصاف نہ کرے تب تک وہ ان احادیث نبویہ الطھور شطر الایمان ونصف الایمان کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایمان کو دل سے تعلق ہے پس جب تک دل خباثتوں سے پاک نہ ہو جائے تب تک طہارت ناقص ہے۔

یہ ایمان کے مقامات ہیں اور ہر ایک مقام کا ایک طبقہ ہے جو شخص ادنیٰ طبقہ سے نہ گذرے وہ اعلیٰ کو نہیں پہنچ سکتا۔ طہارت کے سر کو کوئی نہیں پہنچ سکتا جبتک دل کو اخلاق مذمومہ سے پاک کر کے اخلاق محمودہ سے معمور نہ کرلے اور اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اعضاء کو گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے پاک کر کے عبادات وطاعات الٰہی سے معمور نہ کرلے۔

جو شخص اپنے اوقات عزیزہ کو استنجا وشست وشوئے دھن ودست و پاورستی لباس وصفائی ظاہر وطلب آب جاری میں صرف کرتا اور اپنے باطن کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا وہ وسوسہ شیطان ومرض مالیخولیا میں مبتلا ہے بلکہ طہارت ظاہر محض صفائی باطن کی دلالت کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ شست وشوئے رو ودست وپا تحریک دل کیلئے ہے۔ ہمارے تمام ظاہری اقوال وافعال حرکات وسکنات کا اثر ہمارے قلب پر بالضرور پڑتا ہے یا یوں کہو کہ جو کچھ ہمارے باطن میں مرکوز ہے حرکات ظاہری ہی اسکی آئینہ دار ہیں۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ ظاہر ضروری نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ظاہر کے ساتھ باطن بھی ضروری ہے۔

احکام الٰہی میں وجوہ واغراض متعددہ ہونے کی حکمتیں: یہ بات ثابت ومسلم ہے

کہ خدا نے پیدا کیا وہ لاوجہ نہیں مصالح و اغراض متعدد وابستہ ہیں اسی طرح اسکے احکام میں بھی متعدد حکمتیں و اسرار و رموز ہیں۔ چنانچہ ایک ایک جزئی دنیاوی اور دوا میں اس نے صدہا اوصاف و خواص رکھے ہیں حتیٰ کہ ایک ہی دوا سے کئی کئی امراض کا ذریعہ ہو جاتا ہے لہٰذا بطور اختصار ذیل میں جس قدر وضو کی حکمتیں و اسرار ہم بیان کریں گے وہ سب اس میں پائی جاتی ہیں بعد اور بھی بہت سی حکمتیں اس میں اور دوسرے احکام میں ایسی بھی ہیں۔ جہاں تک ہمارا علم نہیں پہنچا۔

اوّل حکمت وضو ترک غفلت: اب ہم ترتیب وار وضو کی حکمتیں آیات قرآنی و احادیث نبویہ و کتب علم الابدان سے لیکر بطور خلاصہ لکھتے ہیں لہٰذا واضح ہو کہ وضو انسان کو ظاہری و باطنی گناہوں اور غفلت ترک کرنے پر آمادہ کرتا ہے اگر نماز بغیر وضو کے پڑھنی شروع ہوتی تو انسان اسی طرح پردہ غفلت میں سرشار رہتا ہے اور خلاف نماز میں داخل ہو جاتا دنیاوی رسوم و شواغل میں پڑکر نشئے آدمی کی طرح ہو جاتا ہے لہٰذا اس نشہ غفلت کو اتارنے کیلئے وضو مشروع ہوا ہے تاکہ انسان باخبر و باحضور ہو کر خدا کے آگے کھڑا ہو۔

دوم حکمت وضو حفظ ما تقدم: مشاہدہ و طبی تجارب اس امر کے شاہد ہیں کہ انسان کے اندرونی جسم کے زہریلے مواد اطراف بدن سے خارج ہوتے رہتے ہیں اور وہ ہاتھ پاؤں یا اطراف متعدد پر آکر ٹھہر جاتے ہیں اور مختلف اقسام کے زہریلے پھوڑے پھنسیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اطراف بدن کو دھونے سے وہ گندے مواد رفع ہوتے رہتے ہیں۔ یا تو جسم کے اندرونیات کا جوش پانی سے تھم جاتا ہے یا خارج ہوتا رہتا ہے۔

سوم حکمت وضو حصول حب الٰہی: بہ نیت اطاعت الٰہی ظاہری و باطنی نظافت کا پابند خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین. ترجمہ:۔ یعنی خدا تعالیٰ باطنی و ظاہری طہارت و صفائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ جس جس صفت سے انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بننے کا شرف عطا ہو لازم ہے کہ اس سے

متصف رہے۔

چہارم حکمت وضو غلبہ ملکیت پر بہیمیت: جب طہارت کی کیفیت نفس میں راسخ ہو جاتی ہے تو ہمیشہ کیلئے نور ملکی کا ایک شعبہ اس میں ٹھہر جاتا ہے اور بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

پنجم حکمت وضو ازدیاد عقل: طہارت سے طبیعت میں عقل کا مادہ بڑھتا رہتا ہے اور جہاں عقل تام ہوگی وہاں حضور الٰہی بھی تام ہوگا۔

ششم حکمت وضو عود نور و سرور: گناہوں اور کسل کے باعث جو روحانی نور و سرور اعضاء سے سلب ہو چکا تھا وضو کرنے سے دوبارہ ان میں عود کر آتا ہے۔ یہی روحانی نور قیامت میں اعضاء وضو میں نمایاں طور پر درخشاں ظاہر ہوگا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں **ان امتی یاتون یوم القیامة غرا محجلین من آثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرته فلیفعل**۔ ترجمہ:۔ یعنی قیامت کے دن میری امت جب آوے گی تو وضو کے آثار سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے روشن ہوں گے اسلئے تم میں سے جو کوئی اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھائے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے **تبلغ الحلیة من المؤمن حیث یبلغ الوضوء** ترجمہ:۔ یعنی جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جائیگا۔

ہفتم حکمت وضو قرب ملائکہ: طہارت کی وجہ سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ قرب واتصال ہو جاتا ہے لہٰذا وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں اسکو شرف باریابی عطا ہو۔ کیونکہ طہارت کی وجہ سے انسان کو شیاطین سے بعد ہو جاتا ہے۔

ہشتم حکمت وضو شعائر الٰہی میں بطہارت داخل ہونا:۔ چونکہ نماز عظیم الشان

شعار اللہ میں سے ہے۔ لہٰذا شعار الٰہی میں داخل ہونے کیلئے وضو لازم ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مفتاح الصلوٰۃ الطھور یعنی نماز کی کنجی وضو ہے۔

نہم حکمت وضو عرض حال: رعایا کو بغرض عرض مطلب وحال اور احکام شاہانہ سننے کیلئے دربار شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وجہ سے تمام آداب و تعظیمات جو وقت حضوری دربار بجالاتے ہیں وہ سوال ہی کی مد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر جیسے عرض مطلب کے لئے زبان اور حکم سننے کیلئے کان چاہئیں۔ ایسا ہی حضور دربار کیلئے ہاتھ منہ پاؤں کا دھونا اور درستی لباس کی ضرورت ہے اور یہ سب کچھ مد سوال و عرض حال ہی میں شمار کئے جاتے ہیں پس جب امراء وسلاطین کے حضور میں جاتے یا کسی عمدہ یا پاکیزہ کام کا قصد کرتے ہیں تو ان اعضاء وضو کو دھو لیتے ہیں کیونکہ ان پر اکثر گرد و غبار میل کچیل کا اثر بوجہ ان کی برہنگی کے ہوتا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں۔

دہم حکمت وضو حصول تقویت وبیداری اعضائے رئیسہ: تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے اور منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے اور اعضائے رئیسہ میں تقویت وبیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ غفلت اور خواب اور نہایت بے ہوشی اس فعل سے دور ہو جاتی ہے۔ اس تجربہ کی تصدیق حاذق اطباء سے ہو سکتی ہے کیونکہ جس کو غشی ہو یا زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی فصد لی گئی ہو اسکے اعضاء مذکور پر پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قریشی نے اپنی کتاب موجز میں اور دیگر اطباء نے بھی لکھا ہے فانہ ینعش الحرارۃ العزیزۃ ویقویھا وینفع الغشی الحادث عن الکرب الحماصی وغیرہ۔ ترجمہ:۔ یعنی منہ ہاتھ پاؤں پر پانی چھڑکنا حرارت عزیزہ تازہ کو تازہ اور قوی کر دیتا ہے اور حمام وغیرہ کی تکلیف سے جو بے ہوشی پیدا ہو اس میں یہ امر نافع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو امر ہوا کہ اپنے نفس کی کاہلی اور پژمردگی و سستی و کثافت کو بذریعہ وضو دور کرے تاکہ خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہونے کے

لائق ہو سکے کیونکہ وہ ہمیشہ ہوشیار و بیدار ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے لا تاخذہ سنۃ ولا نوم. یعنی خدا تعالیٰ کو غفلت و نیند نہیں پکڑتی۔ پس غافل و کاہل اس کے حضور میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نشہ و مستی کی حالت میں نماز پڑھنا مشروع نہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری. ترجمہ۔ نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔

کسی نشہ باز کو کسی ظاہری حاکم و بادشاہ کے دربار میں حالت نشہ جانے کی اجازت نہیں دی جاتی پس جب کہ نشہ باز و شرابی بحالت نشہ و غفلت ایک دنیاوی حاکم کے دربار میں باریاب نہیں ہو سکتا تو جو شخص نشہ باز و غافل جیسی حالت بنائے ہوئے ہو اسکو احکم الحاکمین کے دربار میں کب شرف باریابی عطا ہو سکتا ہے۔ نشہ کی حالت میں نماز اسی لئے ممنوع ہوئی کہ نشہ باز کو حالت نشہ معلوم نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا کہہ رہا ہے اور اسکے دل میں کیا گذر رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے حتی تعلموا ما تقولون. یعنی نماز اس حالت میں پڑھو کہ تمہارے دل کو معلوم ہو جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہو۔ یعنی ان کلمات سے تمہارے دل کا واقف ہونا ضروری ہے جو تمہارے منہ سے نکل رہے ہیں اور جن کو تم اپنی زبان سے پڑھ رہے ہو۔

اختتام وضو پر دعائے توبہ پڑھنے کا راز : وضو میں ساتوں اندامون کو دھونا سات قسم کے گناہوں کو ترک کرنے کی طرف ایماء اور رجوع الی اللہ کی صورت اور عقلی ظاہر و باطن کی استدعاء اور زبان حال کی دعا ہے اور اسکے بعد دعائے توبہ کو زبان قال سے پڑھنا رحمت الہٰی کو جذب کرنے کیلئے بہت ہی مناسب و مؤکد دعا ہے کیونکہ جب انسان کا ظاہر پانی سے پاک ہو جاتا ہے تو یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اسکا دل بھی اسی طرح پاک و صاف ہو جاوے مگر وہاں تو دست قدرت الہٰی کے سوا کسی اور کی دسترس نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے اس مقصد کے حصول کے لئے اسی کے آگے دست سوال پھیلایا جاتا ہے۔

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین۔ ترجمہ :۔ یعنی اے خدا مجھے تائبین اور پاکیزہ دلوں کے گروہ میں کیجیو۔

جواب اس سوال کا کہ وضو کی ترتیب کیوں مامور بہ ہے : وضو کی ترتیب منصوص کا خلاف اس لئے ناجائز ہے کہ انسان سے احکام الٰہی کی مخالفت وگناہ کا ظہور اسی ترتیب سے ہوتا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ لہٰذا اعضائے وضو کو بترتیب منصوص دھونا ان کو گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں سے دھونے اور تائب کرنے کی طرف اشارہ ہے مثلاً جس اندام کے ذریعہ سے انسان سے اولاً گناہ سرزد ہوا اس کو سب سے پہلے دھونا سب سے پہلے اسکے ترک گناہ اور توبہ کی طرف ایماء ہے۔

خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے چہرے کے دھونے کا امر فرمایا۔ جس میں منہ' ناک' آنکھیں شامل ہیں۔ پہلے کلی کے ذریعہ زبان کو صاف کیا جاتا ہے جس میں توبہ زبان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انسان کی زبان مخالفت احکام الٰہی میں سارے اندا موں سے سبقت لیجاتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اکثر خطایاابن ادم فی لسانہ یعنی بنی آدم سے اکثر گناہ اس کی زبان کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں اسی سے الفاظ کفر وغیبت وتہمت وسب وشتم اور صدہا قسم کے لاطائل اور بیجا کلمات نکلتے ہیں پھر ناک میں پانی ڈال کر اس کو صاف کیا جاتا ہے جو کہ مشمومات ممنوعہ اور دماغی کبروغرور سے توبہ کرنے کی علامت ہے پھر سارے چہرے کو مع دونوں آنکھوں وپیشانی کے دھویا جاتا ہے جو کہ مواجہ کے سارے گناہوں اور آنکھوں کی بد نظری کے چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے پھر دونوں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے۔ جو ہاتھوں کے ترک ذنوب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب انسان باتیں کرتا اور آنکھیں دیکھتی ہیں تو ہاتھ پکڑتے یا چھوتے ہیں۔ پھر سر کا مسح کیا جاتا ہے اور اسکو دھویا نہیں جاتا۔ کیونکہ سر سے بذاتہ کوئی مخالفت صادر نہیں ہوتی بلکہ باتباع زبان اور آنکھ اور انکی مجاورت کے باعث ہوتی ہے لہٰذا سر کیلئے ایسا حکم ملا جو دھوتے اور تہ

دھونے کے درمیان ہوا اور وہ مسح ہے اور پھر کانوں کا مسح کیا جاتا ہے کیونکہ اکثر اوقات انسان کے کانوں میں بلا اختیار بغیر قصد آواز آپڑتی ہے۔ لہٰذا ان کیلئے بھی دھونے اور نہ دھونے کے درمیان یعنی مسلح کا حکم ملا اور ایسا ہی مسح گردن کو سمجھو۔

ان ہر سہ اندامہائے ممسوحہ یعنی سر کان گردن کے مسح میں سرکشی گردن کشی اور عدم سماعت حق کے قبیح اعمال سے توبہ کی طرف ایماء ہے۔ دوسری وجہ ان مذکورہ بالا اندامون کے مسح کرنے کی یہ ہے کہ اگر ان کو دھونے کا امر ہوتا تو بڑا حرج ہوتا اور لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہوتے کیونکہ جس شخص کو پانچوں نمازوں میں پانچ بار وضو کی حاجت ہوتی اور اس کو سر پر پانچ بار پانی ڈالنا پڑتا تو بلا شبہ یہ فعل اس کیلئے سخت حرج میں داخل ہے حالانکہ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج. یعنی خداتعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی حرج ڈالے۔

پھر پاؤں کو دھویا جاتا ہے کیونکہ آنکھیں دیکھتی اور زبان بات کرتی اور ہاتھ حرکت کرتے اور کان سنتے ہیں اور سب کے بعد پاؤں چلتے ہیں لہٰذا پاؤں کو دھونا سب سے آخر ٹھہرا کیونکہ ان سے مخالفت الٰہی سے حرکت سب سے آخر میں سرزد ہوتی ہے۔ پس سب سے آخر ان کی توبہ کی نیت آئی ہے۔ اور تین بار ہر اندام کو دھونا توبہ کے ارکان ثلاثہ ندامت بر گناہ و ترک اور آئندہ گناہ کو ترک کرنے کیلئے عزم بالجزم کی طرف ایماء ہے۔

حکمت طہارت صغریٰ و کبریٰ بطور اختصار: طہارت اس لئے کی جاتی ہے کہ باطن منور ہو جائے اور انس و سرور پیدا ہو اور افکار ردیہ دور ہو جاویں۔ اور تشویشات و پراگندگی اور پریشانی و افکار رک جائیں۔ پس طہارت کی روح نور باطن و سرور دل و اطمینان خواطر ہے۔

سر اور کانوں کے مسح کیلئے جدید پانی لینے کی حکمت: وضو میں مسح سر و کانوں کے لئے جدید پانی لینا اندامہائے ممسوح کی تجدید توبہ کی طرف ایماء ہے۔

مٹی اور پانی سے طہارت مشروع ہونے کا راز: مٹی و پانی سے طہارت کا مشروع ہونا

فطرت مستقیمہ و عقول سلیمہ کے موافق ہے۔ (۱) خداتعالیٰ نے پانی اور مٹی کے درمیان قدرۃً وشرعاً اخوت ڈالی لہٰذا ان دونوں کو طہارت کیلئے جمع کیا۔ وجہ یہ ہے کہ آدم اور اسکی اولاد کو خداتعالیٰ نے ان ہی سے پیدا کیا۔ گویا ہمارے والدین اور اگی ذریت کیلئے مٹی اور پانی والدین ہیں۔ (۲) خداتعالیٰ نے ہر زندہ چیز کی زندگی پانی اور مٹی سے ٹھہرائی لہٰذا ان ہی سے بنی آدم اور چرندوں' پرندوں' درندوں کی قوت رہائی کیونکہ مٹی اور پانی کا وجود عام ہے ہر جگہ مل سکتے ہیں۔ (۳) منہ کا مٹی سے آلودہ کرنا خداتعالیٰ کو پسند آتا ہے چونکہ ان دونوں اشیاء کا عقد آپس میں قدرتی طور پر محکم اور قوی ہے لہٰذا شرعاً بھی انکا آپس میں عقد ٹھہرانا خوب و مناسب تر ہے۔

بطور استحباب وضو کا باقی پانی پینے کا راز: وضو کا بچا ہوا پانی پینے میں یہ راز ہے کہ جس طرح انسان اپنے ظاہری انداموں پر پانی ڈال کر ظاہری اندا موں کے گناہوں سے تائب اور طالب مغفرت ہوتا ہے ایسا ہی متوضی کی طرف سے وضو کا بقیہ پانی سے یہ ایما ہوتا ہے کہ اے میرے خدا جس طرح تو نے میرے ظاہر کو پاک کیا ایسا ہی میرے باطن کو پاک و صاف کر۔

وضو کیلئے سات اندام مخصوص ہونے کی وجہ: (۱) انسان کی بناوٹ اور وضع پر غور کرو تو تم پر واضح ہوگا کہ اس کے سات اخلاقی اعضاء جن پر تمام شرائع و قوانین کا دارومدار ہے وہ ذو وجہین وذو قوتین یعنی دور سے اور دوہری قوتوں والے ہیں۔ اور وہ مندرجہ ذیل ہیں زبان' آنکھ' کان' دماغ' سر جس میں ناک بھی شامل ہے۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ شرمگاہ۔ یہی اعضاء ہیں جنکے ساتھ اخلاق شریعت بلحہ قوانین معاش و معاد کا تعلق ہے۔ اور وہ ذو وجہین اس طرح ہیں کہ ان ہی سے تو انسان خداتعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوکر اپنے لئے سات دوزخ کی راہ بناتا ہے اور ان ہی کے وسیلے سے خداتعالیٰ کی فرمانبرداری و اطاعت کر کے سات بہشت اپنے اعمال حسنہ کے بدلہ میں اور ایک زائد بطور انعام و اکرام پاتا ہے۔ کیونکہ کریم کا یہ طریق ہے کہ وہ اپنی خوشی و رضا کے اظہار میں حق موعود سے بڑھ کر اجرت دیا کرتا ہے۔

(۲) وضو میں سات اندامون کو دھونا ساتوں قسم کے اصول جرائم سے تائب ہونے کی طرف ایما ہے۔ چنانچہ آیت ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین میں ہر طہارت کے تعدد کو باطنی پاکیزگی وصفائی اور اطاعت الی اللہ اور ترک گناہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ نیز سات اندامون کے لیے وضو کا مخصوص ہونا انکو ساتوں قسم کے گناہوں سے دھونے اور سیئات سے دست بردار ہونے کی طرف اشارہ ہے تاکہ انسان آتش دوزخ سے نجات پائے اور قابل دخول بہشت ہو۔ اسی امر کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مامنکم من احد یتوضأ فیسبغ الوضوء ثم یقول اللھم اجعلنی من التوابین وجعلنی من المتطھرین الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من ایھا شاء۔ ترجمہ:۔ یعنی تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو پورا پورا وضو کرے اور پھر اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین پڑھے مگر اس کیلئے آٹھوں بہشتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کا تقرر تحلیل اور وجوہ کے تزکیہ وصفائی دل کیلئے بھی ہے اور ساتوں اندامون کا دھونا اسی وجہ سے ہے کہ یہی اعضا درکات جہنم اور یہی اعضا درجات بہشت کے راستے ہیں۔

راہ جنت بار وایں اعضائے تست ہرچہ کاری بد روی بد رائے تست

یہی سات اعضاء ہیں جس کے ذریعے سے نفس امارہ کی تاپاک وناجائز حرکات کا صدور ہوتا ہے ۔ قصہ نفس از پری اے پسر قصہ دوزخ تحوّل با ہفت سر

(۳) خدا تعالیٰ نے انسان کو اسکی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ جو کچھ آنکھ سے دیکھتا ہے کان سے سنتا ہے ناک سے سونگھتا ہے زبان سے چکھتا ہے ہاتھ سے چھوتا ہے اس کا اثر اس کے دل پر پہنچتا ہے اور ایک خیال اس میں پیدا ہوتا ہے جو اسکے اخلاق پر اثر کرتا ہے انسان کے دل کے اندر سے نکلنے والی چیزوں کی بہ نسبت وہ چیزیں زیادہ ہیں جو باہر سے اس کے دل کے اندر جاتی ہے۔ بلکہ ٹھیک ٹھیک یوں کہنا چاہیے کہ جو کچھ انسان کے دل سے نکلتا ہے وہ وہی ہے جو باہر سے اسکے دل

مل جاتا ہے پس مذکورہ ولی کیلئے ان اعضا جسد کا دھونا مفید ہے جن کا اثر نفسانیات کے اندر دل میں جاکر پیدا ہوتا ہے کیونکہ جیسا کہ ظاہری اندامول کو دھونے سے ان میں نشاط و سرور پیدا ہوتا ہے ایسا ہی دل میں بھی اثر ہوتا ہے۔

ہر اندام وضو کو تین بار دھونے کا راز: (۱) ہر اندام وضو کو تین بار دھونا۔ تین ارکان توبہ کی طرف ایما ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

موجودہ حالت گناہ سے نکلنا۔ ندامت کرنا۔ آئندہ کے لئے ترک گناہ کا عزم بالجزم۔

(۲) ہر اندام وضو کا تین بار تک دھونا اس لئے مقرر ہوا کہ تین سے کم دھونے میں نفس پر پورا پورا اثر نہیں پیدا ہوتا اور یہ امر تفریط میں داخل ہے اور زیادہ دھونے میں افراط و اسراف ہے کیونکہ اگر دھونے کیلئے ایک حد معین نہ ہوتی تو کئی لوگ وہمی انسان سارا دن ہاتھ پاؤں ہی دھوتے رہتے اور ان کی نماز کا وقت گذر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے۔ فرمایا نعم ولو کنت علی ضفة نھر جار۔ ترجمہ:۔ ہاں بیشک وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے خواہ تم نہر جاری کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرو۔

اور گو بعض صورتوں میں اندامول پر بار بار پانی ڈالنے سے پانی تو ضائع نہیں ہوتا مگر متوضی کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہے اور وقت کا ضائع کرنا بھاری اسراف ہے۔

اسلام میں مسواک کرنے کی حکمت: (۱) یوں تو بالعموم دانتوں کو صاف کرنا اور اجلا بنانا بڑے بڑے فوائد پر مبنی ہے مگر ساتھ ہی اسکے یہ بات بھی نہایت ہی انسب اور عمدہ ہے کہ جب کسی عالیشان دربار میں جانا ہو تو قبل از حضور دربار ظاہری شکل و شباہت کا سنوارنا اور دانتوں کو صاف کرنا بھی بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ بات چیت کرتے وقت دانتوں کی زردی اور میل نظر پڑنے سے طبائع سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے پس احکم الحاکمین رب العالمین سے بڑھ کر کس کا دربار عالیشان

ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے یہ اہتمام کیا جائے کیونکہ ان اللہ جمیل یحب الجمال. یعنی خدا
تعالیٰ خوب ہے اور خوبی کو پسند کرتا ہے سو جبکہ یہ بات ظاہری تو دانتوں کے میل اور بو سے بدن
کو وہ کب پسند کر سکتا ہے اسی وجہ سے اعظم شعائر اللہ یعنی نماز پڑھنے سے پہلے جیسا کہ دیگر
نجاستوں اور میل کچیل کو صاف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے ایسا ہی دانتوں کے میل اور
مسوڑھوں کی عفونت کو رفع کرنا بھی مستحسن ہے یہی وجہ ہے کہ نماز سے پہلے مسواک کا استعمال
کیا جاتا ہے کیونکہ تعظیم شعائر اللہ کے لئے جو امور بجا لائے جاتے ہیں ان سے جسمانی فوائد حاصل
ہونے کے علاوہ اخروی اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔

(۲) اگر بہت دنوں تک مسواک نہ کی جائے تو مسوڑھوں اور دانتوں میں بقیہ غذا کے رہنے اور میل
جم جانے سے منہ میں تعفن اور بدبو ہو جاتی ہے اور جب انسان مسجد کے اندر نمازیوں میں جا کر کھڑا
ہوتا ہے تو اس کی بو سے ان کو اور ارواح طیبہ ملائکۃ اللہ کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ امر عند اللہ و عند الناس
معیوب و مکروہ ہے۔

وضو خدا کے نام سے شروع کرنے کا راز: جب کہ طہارت نماز حسب فرمودہ
خداوند کریم مقرر ہوئی تو لازم ہے کہ اسی کے نام و نیت سے شروع بھی ہو تا کہ ثواب ہو انما
الاعمال بالنیات۔

سید الاعمال بالنیات گفت
نیت خیر ست مے گل ہا شگفت

کیونکہ اگر وضو محض حسب عادت بحالت غفلت کیا جاوے اور اس میں اطاعت امر الٰہی
و قربت الی اللہ کا خیال نہ ہو تو اس پر ثواب مترتب نہیں ہوتا اس لئے وضو باسم اللہ مقرر ہوا تا کہ
نماز و نیاز قربت الٰہی و اطاعت الی اللہ کا خیال دل میں پیدا ہو اور انسان حجاب غفلت سے باہر ہو۔ یہی
وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ. یعنی
جس نے وضو کرنے میں خدا کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ)

جواب اس سوال کا کہ جبکہ منہ ہاتھ پاؤں کو تین تین بار دھویا جاتا ہے تو سر اور کانوں کا مسح تین تین بار کیوں نہ مشروع ہوا: دراصل جیسا کہ دیگر انداموں کا دھونا تین تین بار مشروع ہوا ہے ایسا ہی سر اور کانوں کا مسح بھی تین تین بار تھا مگر بوجہ رفع حرج دو بار معاف اور ایک بار باقی رہا۔ شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۲۱۹ اور ۲۸۰ ملاحظہ ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ در حقیقت سر اور کانوں کو نہ دھونا اور ان کا مسح کرنا رفع حرج کیلئے مقرر ہوا ہے اور اگر ان کے دھونے میں بھی تثلیث ہوتی تو رفع حرج کی حکمت ضائع ہو جاتی کیونکہ جس اندام پر تین بار ہاتھ پھیرے جائیں وہ قریباً سارا تر ہو جاتا ہے۔

سخت سرد ممالک میں سر اور کانوں کو سردی سے بچانے کیلئے بڑا اہتمام کیا جاتا ہے پس جو ایسے ممالک میں پانچ بار روزمرہ سر اور کانوں کو دھونا پڑتا ان کیلئے یہ امر باعث ہلاکت یا مرض تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ بطور احتیاط و حفظ ماتقدم سر اور کانوں کا مسح ایک ایک بار مشروع رہا۔

وضو میں ہر داہنے عضو کو پہلے دھونے کی وجہ اور استنجا اور ناک جھاڑنے کا بائیں ہاتھ سے مخصوص ہونے کا راز: (۱) وضو کو ہر داہنے عضو سے شروع کرنا اس واسطے ٹھہرا ہے کہ ہر داہنے عضو کو بائیں پر فضیلت ہے اور فضیلت کا کام پہلے فضیلت والے کو ہی دیا جاتا ہے کہ دار و فضیلت ہمیں بر سیار۔ لہٰذا جو چیزیں دونوں جانب مستعمل ہیں ان میں تو دائیں عضو کو مقدم رکھا اور جو ایک جانب مستعمل ہیں اگر وہ محاسن اور طیبات کی قسم سے ہوں تو ان کے ساتھ داہنی طرف کو خاص کرنا مناسب ہے یہی قانون خدا تعالیٰ کے ہاں جاری ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے ویؤت کل ذی فضلٍ فضلہ (پارہ ۱۱ سورہ ہود) یعنی خدا تعالیٰ فضیلت والی چیز کو اس کی فضیلت عطا فرماتا ہے۔

(۲) جس کو ہر جگہ عدالت و انصاف کی ورزش مقصود ہوتی ہے وہ ہر چیز اور ہر کام کا حق عطا کرتا ہے کھانے پینے اور پہننے وغیرہ میں داہنے ہاتھ کو اور نجاست دور کرنے کے لیے بائیں ہاتھ کو خاص کرتا ہے کنز العمال میں ہے عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحب التيامن في الطهور و ترجله و في انتعاله اذا انتعل ترجمہ: حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام داہنی طرف سے وضو شروع کرنا، کنگھا کرنا اور پاپوش پہننا پسند فرماتے تھے۔ شریعت محمدی نے بھی ان امور کی وجہ سے کیفیت شرافت بیان کی ہے۔

(۳) جب کہ یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ انسان کے ہر فعل مناسب و نامناسب کا اثر انسان ہی کے دل پر پڑتا ہے تو اس سے واضح ہوا کہ جس فعل کو اپنے مناسب طریق سے پھیر کر غیر مناسب طور پر کیا جاوے اس کا اثر بھی دل میں غیر مناسب ہی پیدا ہوگا یہی وجہ ہے کہ دست راست سے استنجا کرنا ناک چھنکنا اور دست چپ سے بغیر عذر کے کھانا پینا وغیرہ خلاف قاعدہ اور موجب قساوت قلب ہے۔

وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا راز: (۱) تقویت و تفریح قوت دل و جگر کے لئے ہاتھوں کا دھونا مفید ہے چنانچہ حاذق اطباء پر یہ امر مخفی نہیں ہے اور یہ امر بوجہ احسن اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ ہاتھوں کی وہ تمام رگیں جو بواسطہ اور بغیر واسطہ دل اور جگر کو پہنچتی ہیں وہ دھونے میں شامل ہو جائیں اور جو رگیں دل و جگر تک پہنچتی ہیں وہ چونکہ ہاتھ کی انگلیوں سے اور کچھ کف دست و ساعد سے اور کچھ کہنیوں سے شروع ہوتی ہیں اسی وجہ سے کہنیوں تک ہاتھ کا دھونا مقرر ہوا تاکہ تمام رگیں دھونے میں داخل ہو جائیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہاتھوں کے اور منہ کے دھونے سے دل اور جگر کو تقویت پہنچتی ہے اور پانی کا اثر رگوں کے ذریعے سے اندر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں وایدیکم الی المرافق آیا ہے یعنی وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا چاہئے جو لوگ فن سرجری و جراحی میں ماہر ہیں وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ اکحل رگ

کھانے پینے اور حرام باتیں منہ سے نکالنے کی طہارت کو ملحوظ رکھے یعنی ایسے اقوال کو منہ سے نکالنے اور ایسی اشیاء کے کھانے کو اپنے منہ سے نفی کرنے کیلئے مستعد رہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اسکا منہ روحانی نجاست سے آلودہ ہو کر مستحق لعنت بنے اور ایسی چیزوں کے کھانے پینے اور ایسے اقوال منہ سے نکالنے کیلئے تیار ہے جس سے اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملے اور ملاء اعلیٰ میں مستحق صفت ثنا ہو۔

طہارت بینی (ناک): جب ناک کو پاک کرنے کیلئے ناک میں پانی ڈالے تو خیر اور بھلائی کی خوشبو سونگھنے کیلئے آمادہ ہو اور بدی اور شرارت کی بو کو پھینک دے ناک کی طہارت میں ننگ و خود بینی سے پاک رہنے کو غور کر کیونکہ ننگ و خود بینی عار ایسے امور ہیں جن سے انسان میں اپنے ہی بنی نوع پر بلندی اور بڑائی چاہنے کا اور نافرمانی الٰہی کا خیال زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

طہارت چہرہ: اپنا چہرہ دھونے کے وقت ماسوائے الٰہی سے اپنی تمام امیدیں اور توجہات ایسے اعمال بجالانے سے منقطع کر دے جن کا رخ و رجوع خدا تعالیٰ کی طرف نہ ہو اور اپنے منہ پر آب شرم ڈالے اور بے شرمی سے پردہ شرم کو خدا تعالیٰ اور لوگوں کے آگے سے نہ اٹھاوے اور اپنی آبرو کو غیر اللہ کے لئے صرف نہ کرے۔

طہارت گردن: مسح گردن کے وقت حرص و ہوائے نفسانی سے اپنی گردن کو چھڑانے پر اور خدا تعالیٰ کے احکام کی فرماں برداری و اطاعت کا حق ادا کرنے پر اور گردن کشی کا خیال چھوڑنے پر آمادہ ہو تاکہ ایسی اشیاء کے حلقہ اطاعت سے اپنی گردن چھڑا کر آزاد ہو جائے۔ جو حضور الٰہی سے مانع ہیں۔

طہارت پشت: پیٹھ دھونے کے وقت تکیہ بر ماسوی اللہ سے اور کسی حق گو و عادل کو غیبت

کرنے سے دست برداری کو مد نظر رکھے۔

طہارت سینہ : سینہ دھونے کے وقت اپنے سینہ سے مخلوق الٰہی کے ساتھ کینہ کے کرنے کے اور ان کو دھوکا دینے کے خیالات کو نکال ڈالے۔

طہارت شکم : اپنے شکم دھونے کے وقت اشیاء حرام و مشتبہ کھانے اور پینے سے طہارت شکم کو مد نظر رکھ کر ایسی نجاستوں سے اپنے شکم کو پاک رکھے۔

طہارت شرمگاہ وران : شرمگاہ وران دھونے کے وقت تمام امور مستورہ کیلئے تجھنے اور اٹھنے سے اپنے آپکو بچائے۔

طہارت قدم : پاؤں دھونے کے وقت حرص و ہوائے نفسانی کیلئے چلنے اور ایسے امور کی طرف قدم زنی کرنے سے اپنے قدموں کو بچائے جو اس کے دین میں مضر ہوں اور جن سے کسی مخلوق الٰہی کو ضرر پہنچے۔ خدا را اں ہمہ وحشا ئشے ست ۔ کہ خلق از وجود ش در آسائشے ست

باب التیمم

تیمم کو خلیفہ وضو و غسل ٹھہرانے کی وجہ

(۱) خداتعالیٰ کی عادت یوں جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ ان پر آسان و سہل کر دیتا ہے اور آسانی کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس کام کے کرنے میں دقت ہو اسکو ساقط کر کے اسکا بدل کر دیا جاوے تاکہ اس بدل سے ان کے دل ٹھکانے رہیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے تھے دفعتہً اس کے ترک کر دینے سے جبکہ بدل نہ ہو تا ان کے دل متردد اور پریشان نہ ہوں اور ترک طہارت کے عادی نہ ہو جائیں لہذا خداتعالیٰ نے بموقع ضرورت تیمم کو خلیفہ وضو و غسل ٹھہرایا اور منجملہ طہارت کے تیمم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھہر گیا۔

وضوء و غسل کے تیمم میں فرق نہ ہونے کی وجہ: علامہ ابن قیم اس امر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ واما کون تیمم الجنب کیتمم المحدث فلما سقط مسح الراس والرجلین بالتراب عن المحدث سقط مسح البدن کلہ بالتراب عنہ بطریق الاولی اذفی ذالک من المشقۃ والحرج والعسر ماینا فی رخصۃ التیمم ویدخل اکرم المخلوقات علی اللہ فی شبہ البھائم اذا تمرغ فی التراب فالذی جاءت بہ الشریعۃ لا مزید فی الحسن والحکمۃ والعدل علیہ وللہ الحمد۔ ترجمہ:۔ یعنی جنبی اور بے وضو کا تیمم یکساں ہونے میں یہ حکمت ہے کہ جب کہ بے وضو آدمی کے لئے تیمم میں ہاتھ اور منہ پر مسح کرنے کے بعد سر اور پاؤں کا مسح ساقط ہو گیا تو ان ہی اعضا یعنی ہاتھ اور منہ پر مسح کرنے کے بعد جنبی کیلئے سارے بدن کا مسح بدرجہ اولی ساقط ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ سارے بدن کے مسح کرنے میں تکلیف اور حرج ہے جو رخصت تیمم کیلئے منافی و متناقض ہے اور سارے بدن پر مٹی کو ملنے میں خدا تعالی کی افضل مخلوقات یعنی انسان کو خاک میں لوٹنے میں بہائم کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے پس جو کچھ شریعت حقہ نے مقرر کیا ہے حسن اور خوبی اور عدل میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

مٹی سے تخصیص تیمم کی وجہ: حضرت علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العلمین میں مٹی سے تخصیص تیمم کے سوال پر کچھ جوابات لکھے ہیں جنکا خلاصہ ترجمہ ہم یہاں اردو میں لکھتے ہیں۔

سوال: تیمم ایک وجہ سے خلاف عقل ہے کیونکہ مٹی خود آلودہ ہے وہ نہ پلیدی اور میل کو دور کرتی ہے اور نہ بدن اور کپڑے کو پاک کر سکتی ہے۔

جواب: اللہ تعالی نے اس عالم کی ہر چیز کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا۔ ہماری سرشت کی اصل بھی

دونوں چیزیں ہیں جن سے ہمارا نشوونما ہماری تقویت وغذا ہوتی ہے جس کو ہم کو مشاہدہ ہو رہا ہے پس جب کہ خدا نے اس مٹی اور پانی کو ہمارے نشو نماو تقویت غذا کے اسباب ٹھیرائے تو ہمارے پاک اور ستھرے ہونے کے لئے اور عبادات میں مدد لینے کیلئے بھی انہیں کو وضع فرمایا وجہ یہ کہ مٹی وہ اصل چیز ہے جس سے بنی آدم وغیرہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ ادھر پانی ہر چیز کی زندگی کا باعث ہے۔ الغرض اس عالم کی تمام اشیاء کی پیدائش کی اصل یہی دونوں چیزیں ہیں مٹی اور پانی جن سے خدا نے اس عالم کو مرکب کیا ہے پس جب کہ ہماری ابتدائی پیدائش اور تقویت اور نشوونما مٹی اور پانی سے ہوئی ہے تو جسمانی روحانی پاکی کیلئے بھی انہیں کو خدا نے ٹھہرالیا۔

(۲) عادۃً پلیدی وگندگی کو زائل کرنے کا رواج پانی سے بکثرت ہے اور جب حالت مرض وعدم وجود آب عذر لاحق ہو جاوے تو طہارت کیلئے پانی کے دوسرے ساتھی اور ہمسر یعنی مٹی کو بہ نسبت کسی دوسری چیز کے مقرر کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(۳) تیمم کے لئے زمین اس واسطے خاص کی گئی ہے کہ زمین کہیں بھی ناپید اور مفقود نہیں ہوتی تو ایسی چیز اس قابل ہو سکتی ہے جس سے لوگوں کی وقت رفع ہو سکے۔

(۴) منہ کو خاک آلود بنانا کسر نفس وانکسار وعاجزی پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کو بہت پسند ہے سو تیمم کیلئے مٹی استعمال کرنے میں یہ خاکساری اور ذلت پائی جاتی ہے اور ذلت کی شان طلب عفو کی مناسب ہے یہی وجہ ہے کہ سجدہ کرنے میں اپنے منہ کو مٹی سے نہ بچانا پسندیدہ اور مستحب ٹھہرایا گیا ہے۔

تیمم میں دواندا موں کے مخصوص ہونے کیوجہ اور پاؤں اور سر پر مسح تیمم مشروع نہ ہونے کا راز :

تیمم دواندا موں ہاتھوں اور منہ کیساتھ مخصوص ہونا اور پاؤں اور سر پر تیمم مشروع نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ مٹی کا سر پر ڈالنا ناپسندیدہ ومکروہ امر شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مٹی کا سر پر ڈالنا مصائب اور تکالیف کے وقت لوگوں میں مروج ہے اس وجہ سے سر پر مٹی

ملنا مشروع نہیں ہوا کیونکہ یہ امر حد اعتدال و عند الناس مکروہ و ناپسند ہے اور تیمم میں چہرہ و ہاتھ پر ہاتھ پھیرنے کا اس لئے حکم نہیں دیا گیا کہ یہ تو خود ہی گرد و غبار سے آلودہ رہتے ہیں اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو تاکہ نفس میں اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جاوے۔ حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ تیمم کے دو اندامول کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:۔ واما كونه في عضوين ففي غاية الموافقة للقياس والحكمة فان وضع التراب على الرؤس مكروه في العادات وانما يفعل عند المصائب والنوائب والرجلان محل ملابسة التراب في اغلب الاحوال وفي تتريب الوجه من الخضوع والتعظيم لله والذل له والانكسار لله ما هو من احب العبادات اليه وانفعها للعبد. (اس عبارت کا اکثر ترجمہ اوپر لکھا جا چکا ہے)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ تیمم صرف دو ایسے مغسول اندامول میں مشروع ہے جو وضو کرنے میں عام دھوئے جاتے ہیں اور دو ممسوح اندامول کو تو ساقط ہی کر دینا مناسب ہے کیونکہ پاؤں پر موزے پہن کر اور سر پر ہر حال میں مسح ہوتا ہے پس جبکہ دو مغسول اندامول کیلئے صرف مسح پر اکتفا کیا گیا تو دو ممسوح اندامول کو تو ساقط ہی کر دینا مناسب ہے کیونکہ اگر ان پر بھی مٹی سے مسح مشروع ہوتا تو اس سے خدمت سہولت و آسانی میں فرق آتا جو مصلحت الٰہی کے برخلاف ہے۔

باب الغسل

حائض و جنبی کے مسجد میں داخل نہ ہونے کی وجہ

جنبی اور حائض کو مسجد کے اندر جانا اس لیے ناجائز ہوا کہ مسجد نماز اور ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے اور شعائر الٰہی میں سے ہے اور کعبہ کا ایک نمونہ ہے اس لئے اس کے اندر جانا ایسی ناپاک حالت میں ناجائز ہوا۔ ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب.

جس مکان میں کتا یا جنبی یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتوں کے نہ آنے کی وجہ

آنے کی وجہ: آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ لا یدخل الملائکة بیتا فیہ صورة ولا کلب ولا جنب۔ یعنی جس مکان میں تصویر ہوتی ہے نہ اس میں فرشتے آتے ہیں اور نہ جس میں کتا ہو اور نہ جس میں جنبی آدمی ہو اس سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں سے فرشتوں کو نفرت ہے کیونکہ فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں یعنی تقدس اور نجاست ظاہری و معنوی حسن سے پرہیز اور اس کے مقدمات سے نفرت یہ سب چیزیں ان صفات کی اضداد کی حامل ہیں اس لئے ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

کافر کے مسلمان ہونے کیوقت اسکے لیے غسل کرنے وجہ: ایک شخص اسلام لایا تو اس کو آنحضرت ﷺ نے نہانے کا امر فرمایا اور دوسرے شخص کو ارشاد کیا کہ کفر کی علامت کو اپنے آپ سے دور کر دے یعنی سر منڈا دے اس میں بھید یہ ہے کہ اس شخص کو ظاہر میں بھی ایک بری چیز سے باہر آجانا متمثل ہو جاوے اور تیز احساس کا ہو کیونکہ جیسا وہ اپنے ظاہر بدن کو غسل دیتا ہے ایسا ہی اپنے باطن کو بھی تمام سابقہ عقائد باطلہ سے دھوڈالے۔

طہارت حیض کے بعد غسل واجب ہونے کی وجہ: حیض کے خون کو خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں اذی یعنی گندگی فرمایا ہے پس جس گندگی سے بار بار جسم آلودہ ہو اس سے نفس انسانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسرا جریان خون سے لطیف پٹھوں کو ضعف پہنچتا ہے اور جب غسل کیا جاوے تو ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے اور پٹھے تروتازہ ہو جاتے ہیں اور ان میں دوبارہ قوت عود کر آتی ہے۔

اسی گندگی کے سبب خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں عورت کے حیض حالت کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن ترجمہ: یعنی حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کرو اور ان کے نزدیک مت جاؤ یعنی ان سے صحبت نہ کرو جب تک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہولیں۔

جنبی و حائض کیلئے قرآن کریم اور نماز پڑھنا ناجائز ہونے کی وجہ: جنابت اور حیض دونوں ایسی حالتیں ہیں جن کو قرب الٰہی کے ساتھ منافات اور ان میں نجاست سے اختلاط ہے اور تلاوت قرآن کریم کا پڑھنا خدا سے ہمکلام ہونے کا مرتبہ ہے اور خدا ہی کا اس کے شرف سے انسان جب ہی مشرف ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کی نجاستوں سے پاک و مطہر ہو کیونکہ پاک ہی پاک کلام پڑھنے کی قدرت ہے۔

منی نکلنے سے غسل واجب ہونے کی وجہ اور بول و براز سے عدم وجوب غسل کا راز

غسل کا راز: (۱) خروج منی سے غسل کا واجب و لازم ہونا اور بول سے واجب نہ ہونا شریعت اسلامیہ کی بڑی خوبیوں سے اور رحمت و حکمت و مصلحت الٰہیہ سے ہے کیونکہ منی سارے بدن سے نکلتی ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے منی کا نام سلالہ رکھا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین۔ یعنی ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے کھینچے ہوئے جوہر سے صراح میں لکھا ہے سلالہ یعنی آنچہ بیرون کشیدہ شود از چیزے و آب پشت مردم یعنی منی انسان کے سارے بدن کا ست ہوتا ہے جو بدن سے رواں ہو کر بال آخر پشت کے راستے سے نیچے آتی اور عضو تناسل سے خارج ہوتی ہے اس کے نکلنے سے بدن کو بہت ضعف پہنچتا ہے اور بول و براز صرف کھانے پانی کے فضلے ہوتے ہیں جو مثانہ و معدہ میں جمع رہتے ہیں اسلئے منی کے نکلنے سے بہ نسبت خروج بول و براز کے جسم کو بہت کمزوری لاحق ہوتی ہے اور پانی کے استعمال سے وہ کمزوری نہیں رہتی۔

(۲) جنابت سے جسم میں گرانی و کاہلی و کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت و نشاط و سرور اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غسل جنابت کے بعد میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا میرے اوپر سے ایک پہاڑ اتار دیا یہ ایسا امر ہے جس کو ہر ایک سلیم طبع اور صحیح فطرت والا جانتا ہے۔

(۳) جنابت سے انسان کو ارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے بعد و دوری پیدا ہوتی ہے اور جب غسل

کرتا ہے تو وہ بعد اور دوری ہٹ جاتی ہے اس لئے بہت سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے اگر پاک ہو تو اس کو سجدہ کرنے کا امر ہوتا ہے اور اگر جنابت میں ہو تو اس کو سجدہ کا اذن نہیں دیا جاتا یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جنبی جب سونے لگے تو وضو کر لے۔

(۴) جب انسان مجامعت سے فارغ ہوتا ہے تو اسکا دل انقباض اور تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر تنگی اور غم سا طاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپکو نہایت تنگی اور گھٹن میں پاتا ہے اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب اسکی تنگی دور ہو جاتی ہے اور جائے اسکے بہت خوشی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی حالت کو حدث اور دوسری کو طہارت کہتے ہیں۔

(۵) حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن روح کیلئے نہایت نافع اور مفید ہے اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا بدن روح کیلئے سخت مضر ہے اس امر کی خوبی پر عقل و فطرت سلیمہ کافی گواہ ہیں نیز اگر شارع علیہ السلام خروج بول و براز سے غسل کرنا لازم ٹھہراتے لوگوں کو سخت حرج ہوتا اور محنت اور مشقت میں پڑ جاتے جو کہ حکمت اور رحمت و مصلحت الٰہی کیخلاف ہے۔

(۶) جماع میں تلذذ ہوتا ہے اور اس سے ذکر الٰہی میں غفلت ضرور ہو جاتی ہے اس لئے اسکی تلافی کیلئے غسل کیا جاتا ہے۔

(۷) منی کے نکلنے سے بدن کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں اور کبھی ان سے پسینہ نکلتا ہے اور پسینہ کے ساتھ اندرونی حصہ بدن کے گندے مواد بھی خارج ہوتے ہیں جو کہ مسامات پر آکر ٹھہر جاتے ہیں اگر ان کو دھویا نہ جاوے تو خطرناک امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

باب نواقض الوضو والتیمم

خروج بول وبراز وریح سے امر وضو کی وجہ

خروج ریح وبول وبراز کی وجہ سے تمام روحانی وصفات نفس کو ایک قسم کی نجاست و یبوست وضعف لاحق ہوتا اور ملائکہ سے بعد ہو جاتا ہے اور شیاطین وجنات اس کو گھیر لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خروج ریح وبول وبراز کے وقت اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث اور غفرانک پڑھنے کا امر فرمایا یعنی اے میرے خدا میں نجاستوں اور جنوں اور جنیوں وشیاطین سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور تیری مغفرت چاہتا ہوں۔ پس اسی کے بعد امر وضو کا ہوا کیونکہ وضو سے نجاست ویبوست وضعف دور ہوتا اور ملائکہ سے قرب اور شیاطین وخبائث سے دوری حاصل ہوتی ہے۔

بول وبراز اور جماع کرنے کے وقت خانہ کعبہ کی طرف پشت اور منہ کرنا منع ہونے کی حکمت: ( ) خانہ کعبہ خدا تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے پس خانہ کعبہ کی تعظیم خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اسی میں کی خدا تعالیٰ کی تعظیم مضمر کی ہے۔ اسی لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہو گیا اور اس کی تعظیم کا حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اس کا طواف نہ کیا کریں نماز میں اس کے سامنے کھڑے ہوں ضرورت بشری یعنی بول وبراز جماع کے وقت اس کے سامنے نہ ہوں نہ اس کی طرف پشت کریں کیونکہ یہ سر بے ادبی میں داخل ہے وجہ یہ کہ جس سے بے ادبی سرزد ہوتی ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کی اس سخت دلی کا اثر اس کے متعلقین واقارب پر بھی سرایت کرتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد : بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے شعائر کی تعظیم و

اب گویا ان لوگوں کا کام ہے جنکے دلوں میں تقویٰ ہے سو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا یعنی جب تم بہر فراغت میں آؤ تو قبلہ کو نہ منہ کرو اور نہ اسکو پشت کرو۔

(۳) اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو پایا جانا ضروری ہے۔ پس قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیم قلبی اور یاد الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام مقرر ہوا۔ قائم مقام ہونے کی یہ شرط ہے کہ یہ ہیئت تعظیم الٰہی کے لئے مخصوص رہے پس جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اس کی ضد ہے یعنی حاجت پاخانہ پیشاب ہے ان کی حالتوں میں قبلہ کو نہ منہ کیا جاوے نہ پشت کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

نیند سے وضو ٹوٹنے کی وجہ: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں العینان وکاء السہ فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ یعنی سرین کا بند آنکھیں ہیں کیونکہ جب آدمی لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے۔

پاخانہ جانے اور اس سے نکلنے کے وقت اعوذ، غفرانک پڑھنے کی وجہ: پاخانہ کو جانے کے وقت اعوذ باللہ من الخبث والخبائث پڑھنا اس لئے مستحب ہے کہ اس جگہ شیاطین رہا کرتے ہیں اس لئے کہ انکو نجاست بھاتی ہے اور پاخانہ سے نکلنے کے وقت غفرانک کہے کیونکہ پاخانہ میں ذکر الٰہی ترک ہو جاتا ہے اور شیاطین سے مخالطت کا وقت ہوتا ہے اس سے مغفرت مانگنی مناسب ہے۔

تین ڈھیلوں سے امر استنجا کی وجہ اور گوبر اور ہڈیوں سے منع استنجا کا راز:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انما انا لکم مثل الوالد لولدہ اعلمکم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا وامر بثلاثۃ احجار ونہی عن الروثۃ

والمرمة و نہی ان لیطیب الرجل بیمینہ ترجمہ:۔ یعنی حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں تم کو آداب سکھاتا ہوں جب تم پاخانے کو جاؤ تو قبلہ رو اور قبلہ پشت ہو کر نہ بیٹھو اور استنجا کرنے کو منع فرمایا سو قضا حاجت کے وقت قبلہ رو ہو کر نہ بیٹھنے اور داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرنے کی وجہ کا ذکر تو قبل ازیں لکھ گیا ہے اب بقیہ اجزاء حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) استنجا کے لئے تین ڈھیلے اس لئے مقرر فرمائے کہ صفائی کے لئے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری تھا ورنہ وہمی آدمی سارا سارا دن استنجا ہی کرتے میں گذار دیتے باوجود اس قدر تاکید شدید کے ہم بعض بیوقوف لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی استنجا کے لئے ڈھیلوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور پانی کے کئی کئی مٹکے خالی کر دیتے ہیں اور تین سے کم ڈھیلوں میں خوبی صفائی اور پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی اور تین میں صفائی ہو جاتی ہے اور تین سے زیادہ میں تضیع اوقات اور وہم کا بڑھنا ہے اور گوبر و ہڈیوں سے استنجا اس لئے منع ہوا کہ ان میں اکثر موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ اور بعض قسم کے کاٹنے والے کیڑے بیٹھے رہتے ہیں لہذا آنحضرت ﷺ نے بنظر شفقت و رحمت اپنی امت کو ان سے استنجا کرنا منع فرمایا تاکہ استنجا کرنے والے کو کوئی موذی جانور نہ کاٹے اور ایذا نہ پہنچائے وجہ یہ ہے کہ اکثر ہوام اور موذی جانور سانپ بچھو ہزار پا وغیرہ کی پیدائش گوبر اور ہڈیوں میں سے ہوتی ہے اور انہی سے ان کی خوراک و پرورش ہوتی ہے اور ان کے سوراخ دار حصوں میں ایسے جانور چھپے رہتے ہیں اسلئے کہ جہاں کسی چیز کی پیدائش و خوراک کا سامان ہو وہاں اسکا اکثر قیام رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سے استنجا کرنا منع ہوا تاکہ انکے اندر سے نکل کر کوئی زہریلا جانور استنجا کرنے والے کو ایذا نہ پہنچائے۔

(۲) گوبر ہڈیوں سے استنجا کرنا موجب امراض شدیدہ ہے کیونکہ ان میں زہریلے حشرات کے اور ہوائے متعفن کے سمی اور قاتل آثار ہر وقت موجود رہتے ہیں اگرچہ ان میں کسی وقت کیڑے نہ بھی موجود ہوں لہذا آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لوگوں کو محض بنظر شفقت و مرحمت ان

ضرروں سے بچنے کیلئے گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرنا منع فرمایا ہے اور ہڈیوں کے بارے میں ایک اور حدیث بھی وارد ہے انه زاد اخوانکم من الجن وہ انکی غذا ہے۔

قہقہہ اور قے اور نکسیر سے امر وضو کا راز: بہتا ہوا خون اور قے گندگی بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنے والی چیزیں ہیں اور نماز میں قہقہہ لگانا ایک قسم کا جرم ہے جس کا کفارہ ہونا چاہیے اگر ان چیزوں سے شارع وضو کا حکم دے تو کچھ عجب نہیں ہے اور قہقہہ کا جرم ہونا اسلئے ہے کہ نماز میں قہقہہ کسی نفسانی پلیدی کے باعث ہوتا ہے جسکا ازالہ وضو سے کرنا لازم ہوا۔

حاجت بول و براز کے وقت منع نماز کی وجہ: (۱) نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے کہ جب نفس کو اور کاموں سے فراغت ہو اور فراغت اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب شکم کے اندر نفخ وغیرہ سے تردد اور اضطراب بھی نہ ہو لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لایصلی احدکم وهو یدافعه الاخبثان یعنی تم میں سے کوئی شخص نماز کو کھڑا نہ ہو جب اسکو پاخانہ و پیشاب کی سخت حاجت ہو اس میں آنحضرت ﷺ نے آگاہ فرمایا ہے کہ نفس کے کسی اور طرف مشغول ہونے میں بھی حدث کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ ایسی حالت میں نماز کی طرف انسان کی توجہ نہیں ہوسکتی بلکہ وہ پاخانہ اور پیشاب کی مدافعت میں مشغول ہو جاتا ہے۔

(۲) حبس بول و براز سے دل میں انقباض اور پراگندگی و عدم حضور کا لاحق ہونا یقینی ہے اور جب حضور نہ ہو اور پراگندگی رہے تو نماز ناقص رہے گی لہذا ایسے سبب کو رفع کرنے کا حکم ہوا جو نماز میں پراگندگی اور عدم حضور کا باعث ہو چنانچہ علامہ حکیم محمد تونسی اپنی کتاب کنوز الصحة میں لکھتے ہیں ان حصر البول فی المثانة مدة طویلة مضر تنشاء عنه عوارض خطرة کسلسل البول والحصاة وغیر ذلك فیجب علی الانسان ان یبول کلما احس بالبول ولا یحصره مطلقا ویرحم الله القائل۔

ولا تحبس الفضلات عندا نهضا مها | ولو كنت بين المرهفات الصوارم

ترجمہ: بول کو بہت دیر تک مثانہ میں روکنا خطرناک ہے اس سے خطرناک امراض مثلاً سلسل البول اور تنگی مثانہ وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں پس انسان پر لازم ہے کہ جب بول کی حاجت ہو تو اسی وقت بول کرے اور معلوم ہوتا ہے ... چنانچہ کسی نے اس بارہ میں کہا ہے کہ جب فضلات منضم ہو جائیں تو ان کو مت روکو اگرچہ تم چلتی تلواروں کے درمیان ہو۔

باب المسح علی الخفین

مسح موزوں کا راز

چونکہ وضو کا ان اعضاء ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا جو جلد جلد گرد و غبار میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پاؤں موزوں کے پہننے سے اعضاء باطنہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور نیز عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور ہر نماز کے وقت ان کے اتارنے میں ایک قسم کی دقت تھی اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں پاؤں کا دھونا ساقط کر دیا گیا اور حکم دیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں تاکہ پیروں کا دھونا یاد آ جاوے کیونکہ مسح بھی پیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے

موزہ کی جانب مسح مشروع نہ ہونے کی وجہ: اگر مسح موزہ نیچے کی جانب مشروع ہوتا تو بڑا حرج تھا کیونکہ نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چلتے وقت گرد سے موزوں کے آلودہ ہونے کا گمان غالب ہے لہذا عقل کا مقتضی یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جاوے۔

موزہ پر مسح مقیم کیلئے ایک دن رات اور مسافر کیلئے تین دن رات مقرر ہونے کی حکمت: جہاں آسانی کر دی گئی ہے وہاں کوئی ایسی چیز بھی مقرر کی گئی ہے کہ جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو جاوے لہذا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کے حاصل کرنے کیلئے ایسی چند باتیں مسح موزہ کیساتھ بھی مقرر کر دیں مثلاً ایک تو مسح کی مدت مقیم کیلئے ایک دن رات اور مسافر کیلئے تین دن رات مقرر فرمائی

اسلئے کہ ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ اسکا التزام اور انتظام ہو سکتا ہے بہت سی چیزوں کو جن کا التزام کرنا چاہتے ہیں اسی مدت کے ساتھ اس کا التزام رکھتے ہیں اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے یہ دونوں مدتیں مقیم و مسافر پر ان کی رفع حرج اور تکلیف کے موافق تقسیم کر دی گئی ہیں پھر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں یہ دوسری شرط لگا دی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو تاکہ پہننے والے کے دل میں اس وقت کی طہارت کا نقش جما رہے اسلئے کہ موزوں کی حالت میں گرد و غبار کا اثر کم ہوتا ہے پس وہ اس طہارت مسح سے اس طہارت غسل کو یاد کر لیتا ہے اور اس قسم کے تذکرات کا نفس کی تنبیہ پر پورا اثر ہوتا ہے۔

باب المیاہ (پانی)

جواب اس سوال کا کہ کیا کنویں سے رفع نجاست کیلئے ڈول نکالنا موافق عقل ہے۔ اسلامی فقہ کے اس مسئلہ کے متعلق فلاسفروں کا اعتراض ہے۔ من العجب انه لو وقع فی البیر نجاسة نزح منها دلاء معدودة فاذا جعل الدلو فی البیر تنجس وما اصابه حیطان البیر من ذلك تنجسها وكذلك مابعده من الدلاء الا ان تنتهی النوبة الی الدلو الاخیر فانه ینزل ثم یصعد طاهرا فیقشقش النجاسة كلها من قعر البیر الا رئوسه فقال بعض المتكلمین مارایت اكرم من هذا الدلو لا اعقل. ترجمہ:۔ تعجب کی بات ہے کہ اگر کنوئیں میں نجاست پڑ جاوے تو اس سے چند ڈول نکالے جاویں۔ پس جب کنوئیں میں ڈول پڑتا ہے تو وہ بھی نجس ہو جاتا ہے اور جو پانی اس ڈول سے کنویں کی دیواروں کو لگتا ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ ڈول کے اترنے کی آخری نوبت تک دیواریں پانی سے ناپاک ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جب آخری ڈول اوپر آتا ہے تو سب نجاست کو کنوئیں کی تہ سے لیکر اسکے سرے تک اوپر لے آتا ہے۔ بعض متکلمین کہتے ہیں کہ ہم نے اس ڈول سے عزت اور عاقل تر کوئی اور ڈول نہیں دیکھا۔

جواب۔ ڈول نکالنے کی حکمت ظاہر ہے کہ کنوئیں کے پانی کو ڈول کے ذریعہ سے جاری کیا جاتا ہے

تاکہ جریان آب سے نجاست کے اجزاء خارج ہو جائیں۔

باوجود وقوع نجاست جاری پانی پاک ہونے کی وجہ: جس رکے ہوئے قلیل پانی میں نجاست پڑ جائے بوجہ رکاوٹ اکثر تو اسکا رنگ وبو اور ذائقہ متغیر ہو جاتا ہے اور اگر متغیر نہ بھی ہو تب بھی بوجہ قلت اس میں نجاست سائر و موثر ہو جاتی ہے مگر جاری پانی کے اجزاء بوجہ جریان قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ نجاست کے اجزاء اسکے جریان کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔

قلیل پانی کی نجاست کی حکمت آب قلیل وکثیر کی حد مقرر ہونیکا راز: پانی کی ضرورت تمام اشیاء عالم میں نظر آتی ہے چنانچہ اس کا کثیر الوجود ہونا خود اس بات پر دال ہے کہ تمام حیوانات کو اسکی ضرورت رہتی ہے عالم کے تمام جانداروں کا اسی پر آمدورفت کرنا اور انکی زندگی کا اسی پر موقوف ہونا عیاں ہے لہذا پانی کی اس قدر کثرت استعمال اس امر کی مقتضی ہوئی کہ جن پانیوں میں درندوں اور نجاستوں کا اثر پڑ کر آدمیوں کو ضرر دیں ان کی حد بنی آدم کو بتائی جائے تاکہ وہ آگاہ ہو کر ان نقصانات اور ضرروں سے بچیں اور حد ضرر سے زائد ہو اسکی اجازت دی جاوے پس جو حکم پانی قلیل کے لئے ہے اگر وہی کثیر کے لئے ہوتا تو دنیا میں لوگوں کے بڑے بڑے نقصانات ہوتے اور وہ دقتوں میں پڑ جاتے اور انکی زندگیاں ان پر دوبھر ہو جاتیں۔

اسلئے ضرور ہوا کہ پانی کیلئے حد قلیل وکثیر متمیز ہو تاکہ اس میں وقوع نجاست سے ایک دوسرے کے احکام میں التباس ہو کر لوگوں پر حرج وعسر واقع نہ ہو۔

وجہ خصوصیت آب دہ در دہ: جیسا کہ خباثت کی قلت وکثرت کی حد کا متعین ہونا ضروری تھا کہ اگر وہ قلیل اور کثیر پانی میں پڑ جاوے تو اس کا پاک وناپاک ہونا معلوم ہو سکتا ہو ایسا ہی پانی کی قلت وکثرت کی حد کا متعین ومقرر ہونا ضروری ہے تاکہ رفع شک اور وہم ہو لہذا دس جو جمع کثیر کا ابتدائی عدد ہے اس امر کا معیار مقرر ہوا کیونکہ یہ عدد پانی کی کثرت پر دلالت کرتا ہے پس جہاں اس قسم کی کثرت پانی میں ہو وہاں قلیل ناپاکی جو بو یا ذائقہ یا رنگ آب کو متغیر نہ کر سکے وہ

موثر نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ دردہ گز پانی ہو وہاں قلیل ناپاکی کا موثر ہونا قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسکو پاک گنا جاتا ہے کیونکہ وہ دردہ کا حاصل ضرب ۔ بعدد کی کثرت کو پہنچتا ہے۔

چوہے اور بلی کا جھوٹا پاک ہونے کی وجہ : اگر شریعت کا حکم ان جانوروں کی نجاست کا ہوتا تو اس میں امت پر حرج عظیم و مشقت کثیر واقع ہوتی کیونکہ یہ جانور شب و روز لوگوں کے فرشوں اور کپڑوں اور ماکولات و مشروبات پر پھرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ بلی کے باب میں اس امر کی طرف ایما فرماتے ہیں۔ انها ليست بنجسة لانها من الطوافين عليكم والطوافات.

کتے اور بلی کے جھوٹے میں فرق ہونے کی وجہ : (۱) کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے فرشتے نفرت رکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کتا شیطان سے بہت مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس کی فطرت میں غصہ و لعب اور گندگی سے آلودہ رہنا اور لوگوں کو ایذا دینا۔ اور شیطانی الہام کو قبول کرتا پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بغیر عذر کتے سے مخالطت کرنے سے دو قیراط ثواب کم ہو جاتا ہے۔

(۲) کتا جو چیز کھاتا ہے اسکے ساتھ اسکا منہ آلودہ ہو جائے تو منہ کو صاف نہیں کرتا خلاف بلی کے کہ وہ اپنے منہ کو پونچھ کر چاٹ کر صاف کر لیتی ہے۔

برتن میں کتے کے منہ ڈالنے یا اس سے پانی وغیرہ پینے سے اس برتن کو سات بار دھونے سے اسکے پاک ہونے کی حکمت : قال رسول الله ﷺ اذا ولغ الكلب في الاناء فاغسلوه سبع مرات و عفروه الثامنة بالتراب یعنی کسی برتن میں کتا پانی پی جائے یا کھا جائے تو اس برتن کو پاک کرنے کیلئے سات بار دھو ڈالو اور آٹھویں بار اسکو مٹی سے مانجھو دے کتے کے لعاب کی رطوبت کا اثر بہت قوی اور زہریلا ہوتا ہے اور وہ برتن وغیرہ ہر ایک چیز میں یکساں ہوتا ہے جو شخص کتے کا پس خوردہ یا کتے کے متاثر برتن میں کھانا کھائے یا پانی وغیرہ پیئے بالضرور اس میں اسکی درندگی و بد اخلاقی کا اثر سرایت کر جاتا ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے

اس برتن کو جس میں کتے نے پانی پیا تھا یا اس کو نجاست رہنے کا حکم فرمایا اور سات بار کی تعداد
کثرت سے دھونے کی تاکید پر دال ہے اور سات بار تک دھونے کی تعیین اس امر پر دال ہے کہ
آنحضرت ﷺ کو نور نبوی سے اس حد تک دھونے سے پلیدی کا اثر رفع ہونے کا علم ہو چکا تھا لہذا
یہ حد مقرر فرمادی اور آخری بار مٹی سے مانجھنا اسلئے فرمایا کہ زہریلے مادہ کی رطوبت کا اثر جو برتن
وغیرہ میں سرایت کر جانے اسکو مٹی کا مادہ خشک رفع کر دیتا ہے۔

عبادات کیلئے اوقات مخصوص ہونے کی حکمتیں: (۱) جیسا کہ انسان پر ظاہر ہے
کہ تغیر اوقات و تبدیل حالات سے جسمانی تبدیلیاں مشاہدہ میں آرہی ہیں ایسا ہی تغیر اوقات کے
ساتھ اس پر روحانی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں اور جیسا کہ ان تغیر اوقات کا اثر انسان کے
جسم پر پڑتا ہے ایسا ہی اس کی روحانیت پر بھی اثر ہوتا ہے۔

تبدیل اوقات و حالات کے بعض دوروں کا وقت تو روزانہ ہوتا ہے اور وہ روزانہ پانچ
نمازوں کے اوقات ہیں اور بعض اوقات کا دورہ ہفتہ کے دور کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ روز جمعہ کا
وقت ہے اور بعض اوقات کا دور سال کے دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور وہ رمضان شریف کی
وعیدین کا ہے۔

(۲) لوگوں کے اعمال کا درگاہ الٰہی میں دوشنبہ و پنجشنبہ کو پیش ہونا جو احادیث نبویہ میں
مذکور ہے اور رمضان میں قرآن کریم کا نازل ہونا فضیلت وقت اور انسانی حالات کی خصوصیتوں کی
طرف ایماء ہے۔

(۳) جیسا کہ جسم کی حفاظت کیلئے بطور حفظ ماتقدم خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء اور دوا و غذا
بہ حسب مناسب وقت استعمال کی جاتی ہیں ایسا ہی روحانیت کی حفاظت کیلئے خدا تعالیٰ کے
فرمودہ احکام کی بجا آوری کی مناسب اوقات معینہ کی جاتی ہے۔

(۴) نماز کیلئے وقت کو مقرر کرنا ضروری ہے کیونکہ وقت کے تعین سے انسانوں کے

دلوں کو اسی طرف توجہ رہتی ہے اور انکو جمعیت رہتی ہے اور یہ جھگڑا نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنا راستے پر چلے کیونکہ جس امر کی تعیین نہ ہو اس میں ہر شخص اپنی رائے کا دخل دینا چاہتا ہے تو اس میں ۔کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

(۵) اگر عبادات کیلئے اوقات تعیین نہ ہوتے تو اکثر لوگ تھوڑی سی نماز روزہ کو زیادہ خیال کرتے جو بالکل رائیگاں اور غیر مفید ہوتا۔ تعیین اوقات میں یہ بھی ایما ہے کہ اگر کوئی شخص ان وقات کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے اور انکو ترک کرنے کے حیلے حوالے کرے تو اسکی تو تنبیہ ممکن ہو سکے۔

(۶) حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ انسان کو زمانہ کے ہر ایک محدود حصہ کے بعد نماز کی پابندی کا اور اس کے تعیین وقت کا حکم دیا جاوے تاکہ نماز سے قبل اس کا انتظار کرتا اور اس کیلئے تیار رہنا اور نماز کے بعد اسکے نور کا اثر اور اسکے رنگ کا باقی رہنا مثل نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں خدا تعالیٰ کا ذکر مد نظر رہ کر اور اسکے اطاعت میں دل متعلق رہے اس میں مسلمان کا حال اس گھوڑے کی طرح رہتا ہے جسکی اگلی چھوڑی بندھی ہوتی ہے اور ایک دو دفعہ کودتا ہے اور پھر بے بس ہو کر رہ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی بھی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔

(۷) تقرر اوقات خمسہ میں پابندی اوقات کی طرف اور امور مہمہ میں تاخیر نہ کرنے کی طرف ایما ہے۔ لا تؤخر عمل الیوم لغد یعنی آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔

وجہ تعیین اوقات پنج گانہ نماز : خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے پنجگانہ اوقات کی خصوصیت کی فلاسفی اور حقیقت سمجھنے کیلئے اوقات خمسہ کے اوصاف مذکورہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ۔ فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموت والارض وعشیا وحین تظہرون. ترجمہ : خدا تعالیٰ کی یاد کا وقت ہے جب تم

شام کرو اور جب صبح کرو اور اسی کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور پچھلے وقت اور دوپہر میں۔

عبارت قرآنی سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان اوقات میں زمین اور آسمان کے اندر تغیرات عظیمہ واقع ہوتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کے جدید تسبیح و تحمید کا موقع ہوتا ہے اور ان تغیرات کا اثر انسانی روح اور جسم دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ الغرض پنجگانہ نمازیں کیا ہیں؟ وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہیں یعنی تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو تم پر وارد ہوتے ہیں اور تمہارے فطرت کیلئے ان کا وارد ہونا ضرور ہے جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

وجہ تعیین نماز ظہر: (۱) پہلے جب کہ تم مطلع کیے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے۔ مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہو یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوش حالی میں خلل ڈالا۔ سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے اپنی خوش حالی کے زوال کے مقدور ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اسکے مقابلہ پر نماز ظہر متعین ہوئی جسکا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے تاکہ جسکے قبضہ میں وہ زوال ہے اسکی قدرت کو یاد کر کے اسکی طرف توجہ کی جاوے۔ آنحضرت ﷺ نے زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے۔ نیز اس وقت کے تغیر کا بھی یہی مقتضا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی جاوے چنانچہ اس تغیر کے آثار جو جسم انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ طبیبوں نے اپنی طبی کتابوں میں بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ مفرح القلوب شرح قانونچہ میں لکھا ہے کہ نوم بعد زوال کہ مسمی است بہ حیلولہ لکونہ حائلاً بین النائم و الصلوۃ محدث نسیان است۔ ترجمہ:۔ یعنی دوپہر کے بعد نیند جس کو حیلولہ کہتے ہیں نسیان کا مرض پیدا کرتی ہے اور حیلولہ اسکو اس لئے کہتے ہیں کہ سونے والے اور نماز کے درمیان حائل ہو جاتی ہے سو اس تغیر سے بچنے کیلئے بھی جاگنے نوم

کے اشتعال بالطاعت مصلحت ہے۔

ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی حکمت : آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اذا اشتد والحر فابردوا بالظہر فان شدۃ الحر من فیح جہنم۔ ترجمہ: یعنی جب سخت گرمی ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا جوش ہے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ جنت و جہنم کا خدا تعالیٰ کے ہاں خزانہ میں اس عالم میں کیفیت متناسب اور متنافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے۔

وجہ تعیین نماز عصر : (۲) دوسرا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے جبکہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک کئے جاتے ہو مثلاً جب کہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش کئے جاتے ہو یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا خوف سے خون خشک اور تسلی کا نور تم سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے سو یہ حالت تمہاری اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب سے نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اس پر جم سکتی ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ اب غروب نزدیک ہے جس سے اپنے کمالات کے زوال کے احتمال قریب پر استدلال کرنا چاہیے اس روحانی حالت کے مقابل نماز عصر مقرر ہوئی ہے تاکہ اس زوال کے مالک کی طرف توجہ کرنا جالب اس کی رحمت کا ہو۔ نیز یہ ایسا وقت ہے کہ اس وقت کی غفلت کا کوئی تدارک نہیں۔ اس وقت کی غفلت جسمانیت پر بھی برا اثر ڈالتی ہے چنانچہ محمد ارزانی حکیم لکھتے ہیں کہ نوم آخر روز کہ مسمّٰی است بہ فیلولہ باعث آفات کثیرہ است بہ بلاکت می کشد۔ ترجمہ: یعنی عصر کے وقت کی نیند جسکو عرف میں فیلولہ کہتے ہیں بہت بیماریاں پیدا کرتی ہے بسا اوقات اس وقت کی نیند سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ سو اس کا یہی مقتضیٰ ہے کہ بجائے نوم و غفلت کے عبادت میں مشغول ہو۔

وجہ تعیین نماز مغرب : (۳) تیسرا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب اس بلا سے رہائی پانے کی بکلی امید منقطع ہو جاتی ہے۔ مثلاً تمہارے نام فرد قرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ

تمہاری بابرکت کیلئے گذر جاتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے وہ حالات خطا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے تئیں ایک قیدی کی طرح سمجھنے لگتے ہو سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام ہونے والی امیدیں دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی ہیں اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہے تاکہ اس طرح اس کا معالجہ ہو۔

وجہ تعیین نماز عشاء: (۴) چوتھا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب بلا تم پر احاطہ کر لیتی ہے مثلاً بذریعہ قرارداد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تم کو سنایا جاتا ہے اور قید کیلئے ایک پولیس مین کے تم حوالے کئے جاتے ہو سو یہ حالت اس حالت سے مشابہ ہے جبکہ رات پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا چھا جاتا ہے اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عشاء مقرر ہوئی ہے تاکہ ان بلیات قریبہ اور قریب ہتھیار اندھیرے سے تم پر کسی ساعت سے محفوظ رکھے جو رات اور تاریکیوں کو مصائب کے ساتھ اور دن اور روشنیوں کو آرام و نجات کے ساتھ قدرتی مناسبت ہے چنانچہ عرب کا ایک شاعر بھی اس قدرتی مناسبت کو یوں بیان کرتا ہے ۔

الم تر ان اللیل لما تراکمت　　دجاہ بدا وجہ الصباح ونورہ

ولا تصحبن الیاس ان کنت عالما　　لبیبا فان الدھر شتی امورہ

کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب اندھیری رات چھا جاتی ہے تو اس کے بعد صبح کا نور آیا کرتا ہے پس اگر تو دانا ہے تو نا امید مت ہو کیونکہ زمانہ کے مختلف امور ہوتے ہیں۔

وجہ تعیین نماز فجر: (۵) پھر جب تم مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے اور تمہیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے اور تاریکی کے بعد آخر کار پھر صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے سو اس حالت نورانی کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے خدا تعالیٰ نے تمہارے فطرتی تغیرات میں پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدہ کیلئے ہیں۔

پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں وہ آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں تم نہیں جانتے کہ یہ نیا دن کس قسم کی قضاؤ قدر تمہارے لئے لائیگا پس تم قبل اسکے کہ دن چڑھے اپنے مولیٰ کی جناب میں تضرع کرو تا کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے یہ ایسا وقت ہے کہ اگر اس وقت انسان خدا تعالیٰ سے غافل ہو تو اس کی روحانیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور سویا ہو تو اسکی جسمانیت کو سخت ضرر پہنچتا ہے چنانچہ صاحب مفرح القلوب لکھتا ہے۔ النوم بامداد کہ مسمی است عیلولہ سخت زیاں دارد خاصہ اگر معدہ خالی بود۔ ترجمہ: یعنی فجر کی نیند جسکو عربی میں عیلولہ کہتے ہیں سونے والے کو سخت زیاں پہنچاتی ہے خاص کر اگر معدہ خالی ہو تو بہت زیادہ ضرر پہنچتا ہے۔

اوقات نماز کیلئے اول و آخر حد مقرر ہونے کا راز: اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی وقت کے اندر اندر یعنی جس میں نماز پڑھنے سے زیادہ ذرا گنجائش نہ ہوتی نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اس میں حرج عظیم تھا اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی اور اوقات اوائل او اواخر کیلئے حدیں جو منضبط اور مخصوص ہیں مقرر کی گئیں۔

پابندی اوقات کی حکمتیں: پابندی اوقات میں ایک قدرتی تاثیر ہے کہ وقت معین کے آنے پر قلب انسانی میں بے اختیار جذب و میلان اس فرض معینی کے ادا کرنے کیلئے پیدا ہو جاتا ہے اور روحانی قوی اس مفروض عمل کی طرف طوعاً و کرہاً منجذب ہو جاتے ہیں جونہی اس غیر معنوی ناقوس (اذان) کی آواز سنائی دیتی ہے ایک دیندار مسلمان فی الفور اس عمل سے متاثر ہو جاتا ہے گویا پابند صلوۃ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے کیونکہ ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد معاً دوسری نماز کی تیاری اور فکر ہو جاتی ہے۔

باب الاذان

حکمت اذان نماز: نماز کی جماعت ایک ضروری امر ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدون اعلام اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے نیز حکمت الٰہی کا اقتضاء یہ بھی ہوا کہ اذان سے مقصد صرف اعلام اور تنبیہ نہ پائی جائے بلکہ وہ شعائر اسلام میں سے ایک شعار تسلیم کیا جائے اور لوگوں پر ایسے الفاظ پکارے جائیں اور اس نشان میں مذہب کی عزت کی جائے اور اسکا قبول کر لینا لوگوں کیلئے دین الٰہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو اسلئے یہ بات ضروری ہوئی کہ لوگوں کیلئے دین الٰہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو اس لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ ذکر الٰہی اور شہادتین سے اس کی ترکیب ہو اور نماز کیلئے بلانا بھی اس میں پایا جائے کہ مضمون ہے حی علی الصلوٰۃ کا تاکہ جو چیز اس سے مقصود ہے وہ اس سے صراحتہً سمجھ میں آ جائے۔

کان میں انگلی دے کر اذان دینے کی وجہ: ابن ماجہ میں حدیث ہے ان رسول اللہ ﷺ امر بلالاً ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ قال انہ ارفع لصوتک۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلالؓ کو امر فرمایا کہ اذان دینے کے وقت اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر اذان دیا کریں۔ فرمایا اس طرح کرنے سے تمہاری آواز بلند ہوگی۔

نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان دینے کا راز: (۱) جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو آواز بچے کے کان میں پہلے پڑتی ہے اس کا اثر اس کے دماغ میں مستقل اور اس کی فطرت میں مرکوز ہو جاتا ہے اس لئے شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچے کے کان میں اذان دینا تجویز کیا کہ اس کی فطرت میں پہلی آواز جو اس کی ولادت کے بعد جا کر قائم ہو وہ توحید الٰہی اور رسالت نبوی کی آواز ہو کیونکہ وقت ولادت کی آواز بچے کی طرف طبیعت میں کا نقش کی طرح ہو جاتی ہے۔

باب صفة الصلوٰة

نماز میں استقبال خانہ کعبہ کی وجہ: (۱) لوگوں میں قدیم الایام سے یہ طریق عبادت جاری ہے کہ جب کسی امیر و بادشاہ کی صفت و ثناء بیان کرتے ہیں تو اول اس کے روبرو کھڑے ہوتے ہیں اور پھر ثناء اور مدح سرائی میں مشغول ہوتے ہیں اور نماز میں یہی امور عبادت قرار دیئے گئے ہیں اور عبادت کی روح جو کہ خشوع، خضوع ہے وہ بغیر سکون اور ترک التفات امور مختلفہ کے حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تک کہ عابد اپنی عبادت میں ایک معین و مقرر طرف کا التزام نہ کرے اس وقت تک یہ سکون نہیں ہوتا اس لئے نماز میں ایک خاص سمت مقرر ہوئی۔

(۲) ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ ظاہری یک جہتی اختیار کرنا باطنی توجہ کو یک طرف کر دینے میں موید ہوتا ہے اسلئے نماز میں استقبال قبلہ لازم ہوا (۳) لازم ہے کہ جملہ خلائق کیلئے قبلہ ایک معین اور مقرر ہو تا کہ ان کا ظاہری اتفاق کا موید ہو اور جب باطن عبادات کے انوار و برکات کے حاصل کرنے میں سب متفق ہو جائیں تو اس سے تنویر دل میں عظیم الشان اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے چراغ کسی مکان میں ایک ہی جگہ روشن کئے جائیں تو ان سے بڑی روشنی حاصل ہوتی ہے اس لئے جمعہ اور جماعتیں مشروع ہوئیں۔ چنانچہ پانچوں جماعتوں میں ایک محلہ کے لوگوں کا اتفاق و اجتماع اور جمعہ میں ایک شہر کے لوگوں کا اتفاق اور حج میں تمام جہان کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اتفاق انوار عبادات کے زیادہ کرنے کا خاص طور پر موجب ہوتا ہے اور چونکہ تمام جہان کے لوگوں کا ایک ہی مکان میں ہر وقت جمع ہونا مشکل ہے تو اس مکان کی جہت کو اس مکان کے قائم مقام کر کے نماز میں اس کے استقبال کا حکم ہوا۔

(۴) بہت صاف امر ہے اور عقل حقیقت شناس کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں کہ اس ہادی کو جس نے تمام دنیا کے متعارف عبادت کے طریقوں کے جن میں کہ شرک اور مخلوق پرستی کے جزو اعظم شامل تھے اپنے طریق عبادت کو خالص کرنا منظور تھا اور ایک واضح اور ممتاز مسلک قائم کرنا ضرور تھا اسلئے واجب ہوا کہ وہ اپنی امت کے رخ ظاہر کو بھی ایک ہی سمت کی طرف پھیرے

(۴) ناپاکی اور میل سے شیاطین کو مناسبت ہے اسلئے خدا تعالیٰ کی حضور میں کھڑے ہونے کے وقت شیاطین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی اشیاء سے بکلی قطع تعلق اور کنارہ چاہیے ورنہ حضور دل میں خلل ہوگا۔

نماز کیلئے تعیین ارکان وشروط کا راز: اگر لوگوں کیلئے عبادت کے ارکان اور شروط معین نہ ہوں تو وہ بے تمیزی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ پس حکام قلبیہ کی تکمیل جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ انکے لئے اوقات وارکان وشروط سب قرار دیے جائیں۔ اور چونکہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کیلئے خضوع کا ہونا اور اسکی طرف توجہ کا بطور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے اس لئے خارج میں بھی اسکے واسطے کوئی ایسا امر ہونا چاہیے جس سے اسکا انضباط ہو سکے اسلئے نبی ﷺ نے اسکو دو چیزوں میں منضبط کیا ایک تو یہ کہ زبان سے اسکا اظہار کرے اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اسکی زبان اور تمام اعضاء اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ان فی جسد ابن آدم مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله. یعنی آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے یعنی قلب۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے اس لئے زبان اور دیگر اعضاء کا عمل دل کی حالت پر قرینہ قویہ اور اسکا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور اسی چیز سے قلبی حالت کا انضباط ہو سکتا ہے اس لئے ان باطنی حالات مطلوبہ کے مناسب ظاہری ارکان وشروط مشروع فرمائے گئے۔

حقیقت نماز: (۱) جب آدمی اپنے پروردگار سے کسی مصیبت کے رفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ تعظیمی افعال اور اقوال میں مستغرق ہو جائے تاکہ اسکی ہمت کا جو کہ اس درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے چنانچہ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے پس نماز میں اصل امور تین ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دل سے عاجزی کرے (۲) خدا تعالیٰ کی عظمت اور اپنی عاجزی کو بذریعہ زبان خوش

زبانی سے ظاہر کرنا (۳) اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضا میں ادب کا استعمال کرنا۔ چنانچہ اس امر میں کسی کا شعر ہے۔

افادتکم النعماء منی ثلاثة   یدی ولسانی والضمیر المحجبا

یعنی تمہاری نعمتوں نے میری تین چیزیں تم کو حوالہ کر دیں۔ میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل۔ افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کے حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کر کے سر نگوں ہو جائے کیونکہ تمام لوگوں اور بہائم میں فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے اور سر نگوں ہونا نیاز مندی اور فروتنی کی علامت ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے فظلت اعناقهم لها خاضعين۔ یعنی ان کی گردنیں عاجزی سے اس نشانی کے سامنے جھک جائیں۔ اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اسکے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے جو تمام اعضا میں سب سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اور یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں وہ ہمیشہ اپنے سلاطین اور امراء کے حضور میں انہی کو استعمال کرتے ہیں اور ان سب صورتوں میں وہ صورت سب میں عمدہ ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں اور اسکے ساتھ ہی ادنے تعظیمی حالات سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو تاکہ دمبدم نیاز مندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہو سکتا ہے وہ صرف اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت اولیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہو سکتا اور نماز میں یہی عمدہ صورت پائی جاتی ہے اور یہی تقرب کے اعمال کی ترتیب سے ہیں میں اصل قرار دیئے گئے ہیں۔

نماز میں ناف کے نیچے یا ناف اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کی وجہ: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں عفت وستر عورت کی التجا اور ناف پر ہاتھ باندھنے میں اکل وشراب حلال ملنے کا ایماء اور سینہ پر ہاتھ باندھنے میں سچ اور حق پر ثابت رہنے کی اور شرح صدر کی دعا ہے۔

جماعت کے درمیان خالی جگہ چھوڑنے کی ممانعت کی وجہ: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ آدمی کے حلقوں میں خلل نہ ہونے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات کم ہوتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ باتیں کم ہو جاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے اسی قدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے۔

نماز میں مؤدب کھڑا ہونے کی حکمت: نماز میں تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سکڑ لینا نفس کو خدا تعالیٰ کے حضور میں مؤدب کھڑا ہونے پر آگاہ کرنے کیلئے ہے جیسا کہ ادنیٰ لوگوں کو بادشاہوں کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست بستہ کھڑا ہونا اور نظر کو پست کرنا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا اسی طرح نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا خدا کے ماننے والے کی فطرت کا تقاضا ہے اور فرمانبرداری کے لئے جھکنا ایک تواضع ہے اور سجدہ میں گرنا کمال عبودیت کا اظہار ہے۔

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا راز: ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں سب چیزیں تیری ہیں ان کا تو ہی مالک ہے میں خالی ہاتھ محتاج وفقیر تیری عطاء بخشش کا طالب وامیدوار بن کر تیرے حضور میں حاضر ہوتا ہوں اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ میں تمام طاقتوں اور قوتوں سے خالی ہوں۔ سب قوتوں اور طاقتوں کا تو ہی مالک ہے پس اس کار خیر عبادت میں میری مدد فرما۔ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فیرفع یدیہ الی اللہ معترفا ان الاقتدار لک لالی وان یدی خالیۃ من الاقتدار۔ یعنی خدا کی طرف دونوں ہاتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہوا اٹھانے کہ طاقت اور قوت تیرا حق ہے مجھے کوئی قدرت وطاقت نہیں یعنی جب آدمی اللہ اکبر کے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کے ماسوا سے وہ دست بردار ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں آگیا۔

تکبیر تحریمہ میں عورت کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ: تکبیر تحریمہ میں عورت کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کا مرتبہ مرد سے نیچے ہے اور عورت نے تہ حال کے مناسب بھی اسی حد تک ہاتھ اٹھانے میں۔

نماز میں دست بستہ کھڑا ہونے کی وجہ: (۱) نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا اظہار سوال و احتیاج و انکسار و مسکنت و عجز و نیاز و زاری و ذلت کی طرف ایما ہے کیونکہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اسلئے اس میں مقصود بہ کمال شاہی سے اس حالت میں مشابہت کا اظہار ہے جبکہ وہ حضور شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور اس حالت میں وہاں عاجزانہ درخواست کی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی دعا کرنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور اسی لئے نماز میں ایسی ہیئتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی ہیں چنانچہ تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لئے ہوتے ہیں اور کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی از سرتاپا مؤدب ہو کر کھڑا ہونا پڑتا ہے الغرض نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا قانون فطرت کی رو سے بھی بندگی کیلئے مناسب ہے۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا لوگوں سے کلام کرنا منع ہونے کی وجہ: آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لا یزال اللہ تعالیٰ مقبلا علی العبد وھو فی صلوتہ لم یلتفت فاذا یلتفت اعرض عنہ. ترجمہ:۔ یعنی جبتک بندہ نماز میں رہتا ہے خدا تعالیٰ بندہ کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہ دیکھے پھر جب وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اسکی طرف متوجہ نہیں رہتا۔ یعنی خدا تعالیٰ کی توجہ رحمت اس سے ہٹ جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بندہ خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے اسکے لئے خدا کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس سے صرف محروم نہیں رہتا بلکہ اپنی اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق بنتا ہے جب ایک دنیاوی بادشاہ و حاکم کے دربار میں جاتا ہے تو اس کے روبرو ادھر ادھر دیکھتا ہے

نہ کسی اور سے کلام کرتا ہے نہ کوئی اور نامناسب کام کرتا ہے تو اتمام الیقین کے وجود میں ایسے امور کب جائز ہو سکتے ہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اذا قام احدکم الی الصلوٰۃ فلا یمسح الحصی فان الرحمۃ تواجھہ ترجمہ۔ یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو تو کنکریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ رحمت الٰہی اسکے روبرو ہوتی ہے۔ ایسا ہی ایک اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیھا شیء من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن۔ ترجمہ:۔ یعنی نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ درست نہیں ہے نماز تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن کریم کا پڑھنا ہے۔

نماز میں ثناء پڑھنے کی وجہ: (۱) یہ تعظیم معبود ہے ملازم دربار کے ہے۔

(۲) انسانی قوم میں یہ فطری امر ہے کہ جب کسی عالی شان امیر کبیر سے سوال کرتا اور اس سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے تو پہلے اس کی مدح و ثنا اور اسکی بزرگی و جلال اور اپنی ذلت و انکسار بیان کرتا ہوا اپنی حاجت کا اظہار شروع کرتا ہے وہی طریقہ یہاں بھی سکھایا گیا ہے تاکہ نفس انسانی کو خدا کی بزرگی اور اپنی پستی پر آگاہی ہو اور دل میں کمال خضوع و انکسار پیدا ہو۔

ثناء استفتاح کے بعد اعوذ پڑھنے کا راز: نماز میں ثناء کے بعد اعوذ پڑھنا اس لئے مقرر ہے کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم. ترجمہ:۔ یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے تو شیطان مردود کے مکر سے اور اسکے وسواس سے بچنے کیلئے خداتعالیٰ سے پناہ طلب کر چونکہ فاتحہ سورۃ قرآن سے ہیں اسلئے ان سے پہلے اعوذ پڑھنا ضروری ٹھہرا۔

ابتداء فاتحہ میں قرأت تسمیہ کی وجہ: ابتداء فاتحہ میں بسم اللہ پڑھنے کا یہ راز ہے کہ خداتعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے کیلئے پہلے اپنے پاک نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا۔

نماز میں فاتحہ پڑھے جانے کا راز: نماز میں فاتحہ پڑھنا اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ جامع دعا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بندوں کی طرف سے گویا ان کو اس بات کی تعلیم کرنے کیلئے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد وثنا اس طرح کیا کرتے ہیں اور اسی طرح خاص ہم سے استعانت چاہتے ہیں اور خاص ہمارے لئے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اطریق وہ راستہ جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہے مانگا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے طریقے سے جن پر ہمارا غصہ ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں پناہ مانگا کرتے ہیں اور مختصر دعا وہی ہوتی ہے جو جامع ہوتی ہے فاتحہ میں اول خدا تعالیٰ کی تعریف اور اسکی تربیت عام اور اسکی رحمت عام اور خاص اور اسکی مالکیت اور اختیار جزا وسزا کا ذکر کر کے خدا سے ہدایت کی دعا مانگی جاتی ہے۔

فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ کا راز: جبکہ فاتحہ عرض وسوال ہے تو سورۃ قرآن کا اس کے بعد پڑھنا اس سوال وعرض کا جواب ہے جس میں مفصل طور پر تمام انسانی کامیابیوں کا راز ہے جب سوال اھدنا الصراط المستقیم کے بعد سورۃ پڑھی گئی تو بدلالت ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین کے یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہو گیا اور اس کی امید پوری ہو گئی اس لئے اس انعام کے شکریہ میں آداب ونیاز بجالانا اس کے ذمہ ضروری ہے یہ حکمت تھی ہے کہ رکوع و سجود مشتمل آداب نیاز کے ہیں جو عطائے انعام کے وقت بجا لائے جاتے ہیں گویا بندہ کا اپنے خدا تعالیٰ سے طلب ہدایت کا سوال ایسا ہوتا ہے جیسا مریض طبیب سے دوائی درخواست کرتا ہے کہ امراض اعمال نامناسبہ واعتقادات ردیہ سے خلاصی ہو جس خدا تعالیٰ اسکو فرماتا ہے کہ اپنے مرضوں کے رفع کی دوا میرے کلام سے لو اور اس سے کچھ پڑھ لو کیونکہ وہ تمام امراض نفاق وشرک وریا وکبر حسد وحقد وغیرہ کے نسخے کافی وشافی ہے اسکی تلاوت سے تم کو اپنی بیماریوں کی دوا ملے گی اس لئے نمازی فاتحہ کے علاوہ کچھ قدر قرآن کریم سے بھی پڑھتا ہے گویا فاتحہ ایسی ہے جیسے مریض طبیب کے آگے اپنا حال بیان کرتا ہے اور فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کرنا ایسا ہے جیسا کہ طبیب کو بیمار

کو وہ اتنا دیتا اور اسکو اس کا شکریہ سے قبول کر لینا۔

حقیقت رکوع و سجود: (۱) غور سے دیکھئے تو رکوع و سجود ان دونوں حالتوں پر دلالت کرتے ہیں جو بندہ و سر اپا اطاعت کو وقت سوال و استماع عرض و انجاح حاجت ہونی چاہئیں۔ جیسا اوپر ابھی مذکور ہوا۔

(۲) جب احکم الحاکمین کا پروانہ قرآن کریم پڑھا گیا تو اس کی امتثال امر کیلئے جھکنا اور سجدہ کرنا جو اطاعت و فرمانبرداری پر دلالت کرتے ہیں لازم ہوا کیونکہ جب حکام کی طرف سے رعیت کو حکمنامہ آتا ہے اور ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو اس حکمنامہ کی اطلاع یابی و اطاعت کا ایک نمونہ ظاہر ہوا کرتا ہے سو رکوع و سجود اس حکم الٰہی کی اطاعت پر دال ہیں جو انکو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

(۳) خدا کی عظمت کے خیال کرنے کے بعد جو اپنے نفس کی تحقیر کی کیفیت اپنے دل پر طاری ہونی چاہیے عالم اجسام میں اس کیفیت کے قائم مقام اور اسکے مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جانا ہے جسکو اصطلاح اسلام میں رکوع کہتے ہیں اور اسکے علو مراتب غیر متناہیہ کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اسکے مقابلہ میں اور اسکے قائم مقام اس بدن کے احوال و افعال میں اگر ہے تو یہ ہے کہ اپنا سر اور منہ جو کہ محل عزت سمجھے جاتے ہیں زمین پر رکھے اور ناک اسکے خاک آستانہ پر رگڑے اسکو اسلام میں سجدہ کہتے ہیں۔

(۴) نماز میں انسان کو خدا تعالےٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمت گاران میں سے ہے یہ نماز کا پہلا حصہ ہے پھر رکوع جو دوسرا حصہ ہے یہ بتلاتا ہے کہ وہ تعمیل حکم الٰہی کو کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ جو تیسرا حصہ ہے کمال ادب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو کہ عبادت کا مقصود ہے۔ ظاہر کرتا ہے کہ آداب اور طریق میں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔

نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی وجہ: سجدہ اول نفس کو اس بات پر متنبہ کرنے کیلئے

ہے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں اور دوسرا سجدہ اس بات پر دال ہے کہ میں اسی خاک میں لوٹ جاؤں گا۔

سورۂ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کی حکمت: انسان کا خاصہ ہے کہ اس کے دل پر کسی واعظ کی نصیحت کا اثر ایک ہی بار میں کچھ نہیں ہوتا اسی طرح انسان کے دل کا زنگ جو کہ اسے محسوسات میں لگائے رکھنے سے پیدا ہو جاتا ہے ایک دفعہ کے تذکار سے دور نہیں ہوتا۔ قانون قدرت میں بھی محسوسات میں جو زنگ زدہ اشیاء ہیں۔ وہ ایک دفعہ کے صیقل پھیرنے سے روشن اور چمکدار نہیں ہوتیں اسی طرح سورہ فاتحہ بھی بڑی بڑی روحانی بیماریوں کے زنگ کا صیقل تھی اس واسطے ایک نماز میں یہ کئی بار پڑھی جاتی ہے۔

پنجگانہ جماعت و جمعہ و عیدین و حج کی عبادات میں اہل اسلام کے جمع ہونے کی حکمتیں: قرب و جوار کے لوگوں کا ہر روز پانچ مرتبہ ایک جگہ میں جمع ہونا اور پھر شانہ سے شانہ جوڑ کر اور پاؤں سے پاؤں ملا کر ایک ہی سچے معبود کے حضور میں کھڑا ہونا قومی اتفاق کی کیسی بڑی تدبیر ہے پھر ساتویں دن جمعہ کو آس پاس کے چھوٹے قریوں اور بستیوں کے لوگ صاف اور منظف ہو کر ایک بڑی جامع مسجد میں اکٹھے ہوا کریں اور ایک عالم ضروریات قوم پر بلیغ تقریر (یعنی خطبہ) حمد و نعت کے بعد کیا کرے۔ اور عیدین میں سال میں دوبار کسی قدر دور کے شہروں کے لوگ ایک فراخ میدان میں جمع ہوں اور اپنے ہادی کی ایک شوکت مجسم اور کثیر جماعت بن کر دنیا کو آفتاب اسلام کی چمک دکھایا کریں اور عمر بھر میں ایک بار اس پاک زمین میں یعنی اس فاران میں جہاں سے نور توحید چمکا کل عالم کے خدا دوست حاضر ہوا کریں اور ساری بکھری ہوئی متفرق امتیں اسی دنگل میں اکٹھی ہوا کریں اور وہاں نہ اس مٹی اور پتھر کے گھر کی بلکہ اس رب الارباب معبود الکل کی جس نے اس ارض مقدسہ سے توحید کا عظیم الشان واعظ یعنی ہادی بھیجا حمد و ستائش کیا کریں اسی طرح جماعت مختلفہ میں ایسا سماں پیدا ہوگا (وحدت امت) کو دیکھ کر ایک نیا جوش اور تازہ ایمان دلوں میں پیدا

کیا کریں جو حسب تقاضائے فطرت الٰہی یادگاروں اور نشانیوں سے پیدا ہونا ممکن ہے سخت جہالت ہے۔ اگر کوئی اہل اسلام جیسی موحد قوم کو مخلوق پرستی کا الزام لگاوے۔ ایسے معترض شخص کو انسانی طبیعت کے عام میلان اور جذبات کو مد نظر رکھ کر ایک واجب القدر امر پر غور کرنا چاہیے کہ اگر قرآن کے پورے اور خاص معتقدین کی طبائع میں بت پرستی ہوتی تو ان کو اپنے ہادی نبی محمد مصطفی ﷺ کے روضہ مقدسہ سے بڑھ کر کونسا مرجع تھا اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں آنحضرت ﷺ کا مرقد مبارک نہیں ہونے دیا تاکہ توحید الٰہی کا پاک سرچشمہ ہر قسم کے شائبوں اور ممکن خیالات کے گرد و غبار سے پاک و صاف رہے اور مخلوق کی فوق العادۃ تعظیم کا احتمال بھی اٹھ جائے۔

نماز میں قومہ مقرر ہونے کی وجہ: چونکہ جب آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے تو سجدہ تک پہنچنے کیلئے اسکو جھکنا ضرور ہوتا ہے اور وہ جھکنا کوئی نہ ہوتا بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجدے کے درمیان میں ایک تیسرا فعل جو ان دونوں سے جدا ہے لایا جائے تاکہ رکوع سجدہ سے اور سجدہ رکوع سے علیحدہ ہو کر دونوں ایک مستقل عبادت ٹھیریں اور ہر ایک کے لئے نفس کا ارادہ جدا ہو تاکہ نفس کو ہر ایک سے اثر معلوم کرنے میں تنبیہ و آگاہی بھی جدا گانہ ہو اور وہ تیسرا فعل قومہ ہے۔

نماز میں تعیین جلسہ کا راز: دو سجدے آپس میں اس وقت متمیز ہو سکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل انکے درمیان میں حائل ہو جائے اس لئے دو سجدوں کے درمیان جلسہ مقرر کیا گیا اور چونکہ قومہ اور جلسہ بدون اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہوتا اور آدمی کی سبکساری پر دلالت کرتا جو شان عبادت کے بالکل خلاف ہے اس لئے ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

حکمت تکرار بوقت رکوع و سجود: (۱) ہر مرتبہ جھکنے اور سر اٹھانے کے وقت تکبیر کہنے میں یہ راز ہے کہ نفس کو ہر مرتبہ خدا کی عظمت اور اس کی بڑائی پر آگاہی اور تنبیہ ہوتی ہے اور اسکو

اپنی ذات اور مخلوقات پر توجہ پڑتی ہے۔

(۲) دوسرے اس امر میں یہ حکمت ہے کہ جماعت کے لوگ تکبیر کو سن کر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے ہیں۔

ظہر و عصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب و عشاء و فجر میں جہری قرأت پڑھنے کی وجہ

ظہر و عصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب و عشاء و فجر کی نمازوں میں بلند قرأت پڑھنے کا تقرر نہایت مناسب اور حکمت الٰہی پر مبنی ہے کیونکہ مغرب و عشاء و فجر میں لوگوں کو اکثر شواغل، اقوال و اصوات و حرکات میں خاموشی اور ان سے سکون و آرام ہوتا ہے اور ان وقتوں میں انکے افکار و ہموم بھی کم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اوقات کی قرأت دلوں میں زیادہ موثر ہوتی ہے کیونکہ دل تو افکار و ہموم سے خالی اور صاف ہونے سے اور کان اور شواغل و حرکات و اصوات کے نہ ہونے سے سمجھنے اور سننے پر آمادہ ہوتے ہیں چنانچہ رات کی بات کہی ہوئی کانوں سے گذر کر سیدھی دل پر جا کر لگتی ہے اور پکی اور موثر ہوتی ہے اس امر کی طرف خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا ترجمہ:۔ بیشک رات کے اٹھنے سے نفس خوب پامال ہوتا اور کچلا جاتا ہے اور بات کہی ہوئی دل پر موثر اور پکی ہوتی ہے اور ٹھہر جاتی ہے غرض یہ امر مسلم ہے اور تجربہ بھی اسی امر کا گواہ ہے کہ خوش الحان آدمیوں اور پرندوں اور باجوں وغیرہ کی آوازیں رات کو بہ نسبت دن کے دلوں کو زیادہ موثر اور خوش معلوم ہوتی ہے لہٰذا ان اوقات میں جہری قرأت پڑھنی مقرر ہوئی جس میں وہ زیادہ موثر ہو۔

اسی طرح ظہر و عصر کی نمازوں میں قرآن کے آہستہ پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ دن میں بازاروں اور گھروں کے اندر شور و شغب رہتا ہے اور اسلئے اوقات ظہر و عصر میں کثرت شواغل و حرکات و اصوات و متفرق امور و افکار سے دلوں کو فراغت کم ہوتی ہے اس بات پر خوب توجہ نہیں جمتی اسی لئے ان وقتوں میں قرأت میں جہر نہیں مقرر ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی اسی امر کی

طرف خداتعالیٰ نے ایمہ فرمایا ہے۔ ان لک فی النهار سبحاً طویلا. ترجمہ ۔ یعنی دن میں تجھ دور دراز شغل رہتا ہے اور اسوقت پوری توجہ نہیں ہوتی اور رات میں دل کو زبان سے اور زبان کو کان سے پوری موافقت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز میں سب نمازوں سے زیادہ لمبی قرأت کا پڑھنا سنت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز میں ساٹھ سے سو آیت تک پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز میں سورہ بقر اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورہ نحل اور سورہ ہود اور سورہ بنی اسرائیل اور سورہ یونس وغیرہ لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ نیند سے جاگنے کے وقت دل کو فراغت ہوتی ہے اور معلوم ہے کہ پہلے پہلے جو آواز کان سے گذر کر دل پر پڑے وہ خداتعالیٰ کا کلام ہو جس میں انسان کیلئے سراسر بھلائی اور برکت اور خیر و خوبی بھری پڑی ہے اور اس وقت وہ کلام دل میں بلا مزاحمت موثر ہوتا اور دل میں خوب جم جاتا ہے۔

جمعہ و عیدین وغیرہ میں جہری قرأت کی وجہ : جسوقت کے وقت کوئی ایسی نماز پیش آجاوے جو نماز کے علاوہ تبلیغ اسلام و تعلیم و وعظ و تربیت و تلقین کیلئے مقرر کی گئی ہو تو وہاں قرأت دن میں جہراور آواز سے پڑھنی مقرر ہوئی ہے مثلاً جمعہ و عیدین اور استسقاء اور بعض آئمہ کے نزدیک کسوف کی نمازوں میں قرأت جہری پڑھی جاتی ہے کیونکہ ان وقتوں میں قرأت کا جہر سے پڑھنا لوگوں کے جمع ہونے کے مقصود کو مفید ہوتا ہے یعنی لوگوں کے لئے تعلیم و تبلیغ احکام اسلام و وعظ بھی اغراض ہوتے ہیں لہٰذا ایسے موقعوں پر جہری قرأت کا پڑھنا ٹھیرایا گیا کیونکہ ان موقعوں پر عام لوگوں کے ہوتے ہوئے گروہوں کو خداتعالیٰ کا کلام سنایا جاتا ہے اور انکو تبلیغ احکام کی جاتی ہے کیونکہ انکو ایسے اجتماع کا موقع دیر کے بعد ملتا ہے اور یہ امر رسالت کے اعظم مقاصد میں سے ہے چنانچہ اس امر کے متعلق علامہ حضرت ابن قیم یوں فرماتے ہیں۔ اذا عارض في ذلك معارض ارجح منه كالمجامع العظام في العيدين والجمعة والاستسقاء والكسوف

فان الجهر حينئذ احسن وابلغ في تحصيل المقصود وانفع للجمع فيه من قراة كلام الله عليهم وتبليغه في المجامع العظام منهو من اعظم مقاصد الرسالة.

الغرض ایسی نمازوں میں قرآن پاک کا جہر سے پڑھنا مقرر کیا گیا تاکہ لوگوں کو قرآن کے اندر تدبر کا موقع ملے اور اسمیں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی ہے۔

جمعہ وعیدین وغیرہ میں تقرر خطبہ کی وجہ: نماز جمعہ وعیدین وکسوف واستسقاء میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا تاکہ جو لوگ ناواقف ہیں وہ واقف ہو جائیں اور تبلیغ اسلام وتعلیم احکام الٰہی انکو کما حقہ ہو جاوے اور وہ واقف وعالم ہو جاویں اور جو لوگ پیادہ واقف وعالم ہونے کے غافل ہیں ان کیلئے یاددہانی ہو جاوے اور وہ ہوشیار ہو جائیں۔

نماز کے ہر دو رکعت کے درمیان التحیات مقرر ہونے کی وجہ: چونکہ اصل میں نماز دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھی اور باقی رکعتیں اسکی تکمیل کے واسطے ہیں اس واسطے ہر دو رکعت کے بعد تشہد مقرر ہوا تاکہ اصل اور فرع میں تمیز ہو جاوے اور اسی تمیز کیلئے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ بھی واجب ہوا اور آخری دو رکعتوں کے ساتھ ضم سورۃ مقرر نہیں ہوا۔

نماز میں تقرر تحتیہ کی وجہ: جب حکم نامہ الٰہی کے پڑھنے سے فراغت ہوئی تو حضور الٰہی میں بیٹھ جانے کی اجازت عطا ہوئی اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ ہمارے حضور میں کیا تحفہ لائے ہو تو اس وقت دو زانو بیٹھ کر اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اے خدا تعظیمات قلبی اور عبادات بدنی اور مالی کا مستحق تو ہی ہے اور یہ تیری ہی حضور کے لائق ہے لہذا میرا سارا مال وبدن اس امر کیلئے تیرے حضور میں ہے۔

تحیۂ نماز میں آنحضرت ﷺ پر سلام مقرر ہونے کا راز: نماز میں نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے واسطے بھی سلام مقرر کیا گیا تاکہ نبی ﷺ کی یاد دل سے نہ بھلائیں اور انکی رسالت کا اقرار کرتے رہیں اور نعمت اسلام اور آپکی تبلیغ رسالت کی قدر دانی کریں اور اسکے شکریہ میں آپ پر سلام بھیجیں من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ یعنی جو لوگوں کا شکر گذار نہ ہو وہ خدا کا کب شکر کر سکتا ہے اس طرح سے آنحضرت ﷺ کا کچھ حق ادا ہو جائے گا لہٰذا تحیہ میں آنحضرت ﷺ پر سلام مقرر ہوا۔

تحیہ نماز میں عام مومنین وصلحا پر سلام مقرر ہونے کی حکمت : نماز میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین میں سلام کو عام کر دیا گیا یعنی ہم پر سلام اور خدا کے نیک بندوں پر سلام آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب بندے کی زبان سے یہ نکلا تو ہر ایک نیک بندے کو جو کہ آسمان وزمین میں سے ہے سلام پہنچ جائے گا۔ اس میں تعمیم سلام حق ہمدردی بنی نوع کی بجا آوری کیلئے ہے۔

حکمت اشارہ بالسبابہ : حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ اسمیں بھید یہ ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے قول وفعل میں مطابقت ہو جاتی ہے اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متمثل ہو جاتے ہیں۔

نماز میں حکمت منع اشکال مکروہہ : نماز میں ان امور کے عمل میں لانے کا حکم ہے جو وقار اور عادات حسنہ پر دال ہوں اور ان کو عاقل پسند کریں اور ایسے عادات نماز میں ظاہر نہ ہونے چاہیں جن کو غیر ذوی العقول کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً جیسے مرغ کی طرح ٹھونگ مارنا۔ کتے کی طرح بیٹھنا لومڑی کی طرح زمین پر لیٹنا اونٹ کی طرح بیٹھنا اور درندوں کی طرح ہاتھ زمین پر بچھانا۔ اور ایسے ہی وہ ہیئتیں جو متکبر لوگوں یا ان لوگوں کو ہوتی ہیں جن پر عذاب نازل ہوتا ہے ان سے بھی احتراز کرنا چاہیے مثلاً کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا۔

تشہد کے بعد درود و دعا کی وجہ : تشہد کے بعد دعا کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو دعا نمازی کو پسند ہو وہ کرے یہ اسلئے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت ہے کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمت الٰہی اس پر چھا جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا مستجاب ہوا کرتی ہے اور دعا کے آداب میں سے پہلے جناب باری کی حمد و ثنا بیان کرنا اور نبی ﷺ کا توسل کرنا ضروری ادب ہے یعنی آنحضرت ﷺ پر صلوٰت و سلام و برکات کے تحفے بھیجے جائیں تاکہ دعا مستجاب ہو جائے پھر اسکے بعد اپنے لئے اور اپنے ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت و ہدایت وغیرہ ضروریات دارین کرکے نماز کو ختم کرنے کیلئے دائیں بائیں طرف منہ کرکے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں۔

سلام کے ساتھ اختتام نماز کی وجہ : دائیں بائیں سلام کہنے میں اشارہ ہے کہ وقت نماز میں گویا میں اس عالم سے باہر چلا گیا تھا اور ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر اسکی درگاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اسکے بعد اب پھر آیا ہوں اور موافق رسم آیندگان ہر کسی کو سلام کرتا ہوں ۔

جاں بسفر رفت و بدن اندر قیام :: وقت رجعت زاں سبب گوید سلام

فرضوں کے قبل اور بعد سنتیں مقرر ہونیکی وجہ : اصل بات یہ ہے کہ اشغال دنیاوی خدا کی یاد سے انسان کو غافل کر دیتے ہیں لہذا ایسی بات کی ضرورت ہوتی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے قبل از فرائض اسکا استعمال کیا کریں تاکہ فرائض کے اندر شروع کرنا ایسے وقت میں پایا جائے کہ تمام شغلوں سے دل خالی اور سب سے خاطر جمع ہو۔ یہ تو قبل کی سنت کی حکمت ہوئی اور بسا اوقات آدمی اسطرح نماز پڑھ لیتا ہے کہ بوجہ عدم رعایت آداب نماز کا فائدہ اسکو پوری طرح حاصل نہیں ہوتا لہذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد بھی اس مقصود کے پورا کرنے کیلئے کچھ نماز اور مقرر کی جائے تاکہ جو کمی و قصور فرائض میں ہو سنتوں کے ذریعے سے تکمیل ہو اور جبر کسر ہو جائے۔

چارگانہ آخری دو رکعتوں میں سورت ضم کرنے کا راز: دراصل ابتداء میں نماز دو رکعتیں ہی مقرر ہوئی تھی بعد ازاں خداتعالیٰ نے ان دو رکعتوں کی تکمیل واکمال کیلئے ظہر و عصر و عشاء کے فرائض کے ساتھ دو دو رکعتیں اور مغرب کی نماز میں حکمت وتر کو ضائع نہ کرنے کی وجہ سے ایک رکعت ملائی اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا جبر کسر مطلوب ہوتا ہے تو اسکے ساتھ اسکے نوع کی ایسی چیز ملائی جاتی ہے جو حیثیت و درجہ میں اس سے ادنیٰ ہو پس اگر پہلی دو رکعت فرائض کے ساتھ دوسری دو رکعت کامل مع ضم سورت ملائی جاتیں جو ہر درجہ و ہر پہلو سے پہلی دو رکعتوں کی برابر ہوتیں تو جبر و کسر واکمال رکعتیں کی حکمت ضائع ہو جاتی اور خود پہلی دو رکعتوں کا جبر کسر اسی مصلحت سے ہوا کہ بسا اوقات حضور و توجہ یا فہم یا قرأت میں یا ارکان میں سے کسی رکن میں نقص و کسر رہ جاتی ہے اسلئے اس کے عوض میں دوسری رکعتیں ملائی گئیں۔

جماعت نماز کی اور اس میں صفوں کو برابر کرنے کی وجہ: نماز میں جو جماعت رکھی ہے اور جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہ غرض ہے کہ اس سے قوم میں وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی محاذی ہوں اور صفت سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے اطوار دوسرے میں سرایت کر سکیں اور باہم وہ امتیاز جس میں خودی اور خود غرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔

حقیقت تحیۃ نماز: عبادات فقط اللہ جل شانہٗ ہی کا حق ہے کسی قسم کی عبادت میں اسکا کوئی شریک نہیں اللہ تعالیٰ اس بات سے غنی ہے کہ کوئی اسکا شریک اور ساجھی ہو یہ حاصل ہے التحیات للہ کا پھر اس سے آگے ہے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اسکی حقیقت یہ ہے کہ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر محسن اور مربی کی محبت کا جوش انسان کے دل میں فطرۃ پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم پر کیسے کیسے احسانات ہیں وہی ہیں جنکے ذریعہ

سے ہم نے خدا کو جانا اور پہچانا وہی ہیں جنکے ذریعہ سے ہم نے خدا کے اوامر و نواہی اور انکی خوشنودی حاصل کرنے کی راہیں معلوم ہوئیں وہی ہیں جنکے ذریعہ سے خدا کی عبادت کا اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ یعنی اذان اور نماز ہمیں میسر ہیں۔ وہی ہیں جنکے ذریعہ سے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج تک ترقی کر سکتے ہیں وہی ہیں جنکے ذریعہ سے لا الہ الا اللہ کی پوری حقیقت ہم پر منکشف ہوئی وہی ہیں جو خدا نمائی کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ غرض آنحضرت ﷺ کے ہم پر اتنے احسانات اور انعامات ہیں کہ ممکن تھا کہ جس طرح سے اور قومیں اپنے محسنوں اور نبیوں کو بوجہ ان کے انعامات کثیرہ کے غلطی سے بجائے اس کے کہ ان کو خدا نمائی اور خدا شناسی کا ایک آلہ سمجھتے انہی کو خدا بنا لیا اور توحید سکھانے والے لوگوں کو خود واحد ویگانہ مان لیا اور انکی تعلیمات کو جو نہایت ہی خاکساری اور عبودیت سے بھری ہوئی تھیں بھول کر ترک کر دیا اور انہی کو معبود یقین کر لیا ہم مسلمان بھی ممکن تھا کہ ایسا کر بیٹھتے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس امت مرحومہ پر رحم کرنے اور اسے خطرناک ابتلا سے بچانے کیلئے محمدٌ عبدہٗ و رسولہ کا جملہ ہمیشہ کیلئے توحید الٰہی لا الہ الا اللہ کا جزو بنا کر مسلمانوں کو ہمیشہ کیلئے شرک سے بچا لیا بلکہ اسی باریک حکمت کیلئے آنحضرت ﷺ کی قبر بھی مدینہ منورہ میں ہوئی مکہ معظمہ میں نہیں رکھی کیونکہ اگر مکہ معظمہ میں آپکی قبر ہوتی تو ممکن تھا کہ کسی کے دل میں خیال پرستش آجاتا یا کم از کم دشمن اور مخالف ہی اس بات پر اعتراض کرتے مگر اب مدینہ میں قبر ہونے سے جو لوگ مکہ معظمہ میں جنوب شمال سے جانب جنوب منہ کرکے نماز ادا کرتے ہیں تو انکی پیٹھ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی طرف ہوتی ہے اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے یہ ایک راہ آپ کی قبر کے نہ پوجے جانے اور مسلمانوں کے شرک میں مبتلا نہ ہونے کے واسطے جاری اور اسی طرح سے جن جن باتوں میں اس بات کا وہم و گمان بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی انسان آپ کو خدا بنا لے گا یعنی آپکے شریک فی الذات یا فی الصفات ہونے کا گمان بھی جن باتوں سے ممکن تھا ان کا خود خدا نے اسلام کی سچی و پاک تعلیم میں ایسا سد و بست کر دیا کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مسلمان اس امر کا مرتکب ہو مگر چونکہ محسن سے محبت کرنا اور گرویدہ احسان ہونا

انسان کی فطرت کا تقاضا تھا اس واسطے اسکی ایک راہ کھول دی کہ ہم آپ کیلئے دعا کیا کریں اور اس طرح سے آنحضرت ﷺ کے واسطے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' کا پاک تحیہ پیش کرتا ہے اور درود دل سے شکر گزار ہو کر گویا کہ آپکے احسانات اور مہربانیوں کے خیال سے آپکی ایسی محبت پیدا کر لیتا ہے جیسے آنحضرت ﷺ اسکے سامنے موجود ہیں آپکے حسن احسانات کے نقش سے آپکا وجود حاضر کی طرح سامنے لا کر حقیقۃً حاضر جان کر مخاطب کے رنگ عرض کرتا ہے جس سے حقیقۃً حق تعالیٰ سے آپ کیلئے دعا ہے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'. ترجمہ :۔ یعنی اے نبی تجھ پر خدا کی رحمت اور برکات نازل ہوں۔ اور پھر رسول ﷺ کے بعد جو آپکے دین کے سچے خادم یعنی صحابہؓ اولیاء اللہ اصفیا اتقیا اور ابدال آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے اسکے واسطے بھی بوجہ ان کی حسن خدمات کے کہ انہوں نے بعد رسول کریم ﷺ ہم پر بہت بڑے بھاری احسانات اور انعامات کئے دعا تعلیم کی گئی۔ یعنی السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین.

جلسہ تحیہ کے بعد درود نبوی پڑھنے کی حکمت : اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید . اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید۔ ترجمہ :۔ یعنی اے اللہ رحمت بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے برکت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔ یہ الفاظ جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں انکا نام ہے درود۔ واقع میں اگر ہم اللہ کے پورے پورے بندے اور عابد اور تعظیم کرنے والے اور مخلوق پر شفقت اور رحم کرنے والے اور علوم اور عقائد سے خوشحال ہو جاویں تو یہ سب فیضان اور احسان ہم پر حقیقت میں نبی کریم ﷺ ہی کا ہے اگر آپ کے دل میں ہمارا درد اور جوش

نہ ہوتا تو قرآن کریم جیسی پاک کتاب کا نزول ہمارے لئے کیسے ہوتا اور آپ کی مہربانیاں اور توجہات اور محنتیں اور تکالیف شاقہ نہ ہوتیں تو یہ پاک دین ہم تک کیسے پہنچ سکتا۔ پھر غور کا مقام ہے کہ جب ادنیٰ ادنیٰ محسنوں سے ہمیں محبت پیدا ہو جانا ہماری فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے تو پھر آنحضرت ﷺ کی محبت کا جوش کیوں مسلمان کے دل میں موجزن نہ ہو۔ بس اسی جوش کا اثر ہے یہ درود جو کہ دعا ہے۔

امامت نماز و جماعت کی حکمت: جب کسی امر کا اظہار ضروری منظور ہوتا ہے تو اسکو کسی صورت میں ظاہر کر دکھاتے ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو اس عالم کی ہر چیز میں اعتدال منظور ہے اور اشیاء میں اعتدال جب ہی قائم رہتا ہے کہ ان میں اتحاد اور وحدت کا رابطہ قائم ہو۔ پس خدا نے وحدت واتفاق کو عالم تشریعی کے اندر جماعت و امامت نماز کی صورت میں اور نظام شمسی کو دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے سارے اجرام صغیرہ پیدا کر کے ان سب کا امام اکبر اعظم آفتاب کو بنایا اور سارے خورد و بزرگ اجسام و اجرام کو اسکے ماتحت ٹھہرایا۔ الغرض عالم اجسام کے تمام سلسلے خورد و بزرگ آفتاب تک بتدریج پہنچتے ہیں یہی جو شکل خدا نے عالم تکوین و قانون قدرت میں پیدا کی ہے وہی صورت جماعت امامت نماز عالم تشریعی میں ظاہر کر کے بنی آدم کو ظاہری و باطنی اتفاق کیطرف ایماء فرمایا اور دکھا دیا کہ اتفاق و وحدت ہی کی برکت ہے جس کے ساتھ دنیا کا قیام ہے۔ پس جبکہ عالم اجسام میں ہر وقت ایک امام کی ضرورت رہتی ہے تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا نے روحانی عالم کے قیام کے لئے کوئی روحانی امام مقرر نہ کیا ہو جس تک بتدریج یہ سلسلہ ختم ہوتا ہو۔ سو وہ انبیاء اور ان کے بعد انکے خلفاء ہیں پس نماز کی امامت میں اسی روحانی رابطہ و اتحاد کی طرف ایماء ہے جنکا سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔ اور آپکی امامت میں انکا ظہور اتم صلوٰۃ کی صورت میں ہوتا رہتا ہے پس جو شخص اس کے خلاف عمل کرتا ہے اور جماعت کا قائل نہیں وہ مرتبہ اعتدال کو چھوڑتا اور خدا تعالےٰ کے قانون قدرت اور عالم تشریعی سے خارج ہو کر

ہوتا ہے۔

جواب اس اعتراض کا کہ نماز کیوں ایک وقت مقرر نہ ہوئی: سوال:۔ نماز کیوں ایک ہی وقت مقرر نہ ہوئی پانچ وقت کیوں ہوئی؟

جواب:۔ جیسا کہ جسم کی تقویت کیلئے بار بار غذا کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی روح کی صحت وصفائی و تقویت کیلئے روحانی غذا کی ضرورت انسان کو بالاولی ہے تعجب ہے کہ سائل کہتا ہے نماز ایک ہی وقت کیوں مقرر نہ ہوئی ہم کہتے ہیں کہ جب تم جسم کی تقویت کیلئے کئی بار دن میں غذا کھاتے ہو روح جو لطیف ترین و نازک ترین چیز ہے اسکی صحت وصفائی اور قوت قائم رکھنے کیلئے دن میں کئی بار غذا کھاتے ہیں تو روحانی غذا کیلئے رات دن میں پانچ وقت مقرر ہوئی تو کیا حرج ہے۔

حقیقت جماعت پنجگانہ وجمعہ وعیدین وحج: جناب الٰہی نے اطاعت اور طہارت کے ساتھ پانچ وقت جمع ہو کر اور ملکر اس کی عظمت وجبروت کو بیان کرنا مسلمانوں پر لازم کر دیا کوئی شہر اور قصبہ نہ دیکھو گے جسکے ہر محلہ میں پنجگانہ جماعت نماز نہ ہوتی ہو لیکن اس روزانہ پانچ وقت کے اجتماع میں اگر تمام باشندگان شہر وقصبہ کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا جاتا تو یہ ایک تکلیف مالا یطاق ہوتی اسلئے تمام شہر وقصبہ کے رہنے والے مسلمانوں کے اجتماع کیلئے ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا مقرر ہوا اور پھر اسی طرح دیہات کے لوگوں کے اجتماع کیلئے عید کی نماز تجویز ہوئی اور چونکہ یہ ایک بڑا اجتماع تھا۔ اسلئے عید کا جلسہ شہر کے باہر میدان میں تجویز ہوا لیکن اسکے بعد پھر بھی کل دنیا کے مسلمان میل ملاپ سے محروم رہتے تھے۔ اس لئے کل اہل اسلام کے اجتماع کیلئے ایک بڑے صدر مقام کی ضرورت تھی تاکہ مختلف مقامات کے بھائی اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکجا باہم ملجاویں لیکن اس کیلئے چونکہ ہر مسلمان امیر وفقیر کا شامل ہونا محال تھا اس لئے صرف صاحب استطاعت منتخب ہوئے۔

نماز ختم کرنے کے بعد دعائیں پڑھنے کا راز: احادیث نبویہ میں کچھ کلمات وادعیہ

مسنونہ وارد ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی عالیشان دربار سے رخصت ہوتے وقت آداب و سلام بجا لاتے ہیں اور یونہی چپ چاپ رخصت نہیں ہوتے بلکہ دربار سے رخصت ہوتے وقت بھی آداب و نیاز و عرض حال کرتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ادائے فرض کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ **اللھم انت السلام ومنك السلام والیك یرجع السلام تبارکت ربنا وتعالیت یاذاالجلال والاکرام۔**

ترجمہ:۔ اے اللہ تو سلام ہے اور سلامتی تیری طرف سے مل سکتی ہے اور سلامتی کا مرجع تو ہی ہے بڑی برکت والا ہے اے جلال اور عزت والے۔

علی ہذا القیاس اور بھی بہت سی دعا ئیں ہیں جنکو آنحضرت ﷺ نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

نماز میں سترہ کا راز : اس میں بھید یہ ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اور اسکی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز اس حالت کے ساتھ تشبیہ مراد ہے جو غلام کو اپنے مولا کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ خدمت کیلئے کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز کی ایک تعظیم یہ بھی مقرر کی گئی ہے کہ کوئی گذرنے والا نمازی کے سامنے ہو کرنہ گذرے کیونکہ آقا اور اسکے غلاموں کے درمیان سے جو اسکے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گذرنا سخت بے ادبی ہے چنانچہ حضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ **ان احدکم اذا قام فی الصلوٰۃ فانما یناجی ربه بینه وبین القبلة** ترجمہ:۔ یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض معروض کرتا ہے جو کہ اسکے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔

نیز نمازی کے سامنے گذرنے سے اسکا دل اکثر بٹ جاتا ہے اسی واسطے نمازی کو استحقاق ہے کہ آگے سے گذرنے والے کو ہٹا دے۔ پس ان دونوں حکمتوں سے سترہ مقرر کیا گیا تا کہ اسکے

باہر سے گذرنے میں ان دونوں خرابوں سے حفاظت رہے اسی کو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اذا وضع احدکم بین یدیہ مثل مؤخرۃ الرحل فلیصل ولایبال بمن مروراء ذلک.
ترجمہ :۔ یعنی تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھتا رہے اور اس سے پرے کو جو کوئی گذرے اسکی کچھ پرواہ نہ کرے۔

اس میں بھید یہ ہے کہ چونکہ مطلق گذرنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا اس واسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہر میں نمازی کی زمین دوسری زمین سے علیحدہ ہو جاوے اور اس علیحدگی کے سبب پاس سے گذرنا بھی طبعاً ایسا ہی سمجھا جاوے جیسے دور سے گذرنا

مقبرہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ :مقبرہ کے اندر نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے ہنوں کی طرح اولیاء اور علماء کی قبروں کی پرستش نہ شروع کر دیں اور یہ شرک جلی کی صورت ہے یا ان مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ قربت الٰہی کا سبب سمجھنے لگیں اور یہ شرک خفی ہے اور حضور ﷺ کی مراد اس فرمانے سے یہی ہے کہ لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد. ترجمہ :۔ یعنی یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

غروب وطلوع واستواء آفتاب کے وقت منع نماز کی وجہ :اسکی وجہ یہ ہے کہ مشرکین ان اوقات میں آفتاب کی پرستش کرتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اسلئے خدا نے ان کے ساتھ تشبیہ اختیار کرنے سے منع فرمایا اور ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر جو کہ سب عبادتوں میں بڑی ہے وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلام اور کفر میں تمیز اور فرق کیا جاوے۔

حمام میں منع نماز کی وجہ : حمام میں نماز سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں اور لوگ آتے جاتے ہیں ان باتوں سے نمازی کا دل بٹ جاتا ہے اور حضور دل سے انسان وہاں اپنے پروردگار کے آگے التجا نہیں کر سکتا۔

اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی وجہ : جہاں اونٹ باندھتے ہوں ان مواضع میں نماز سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جس کو پکڑ لیتا ہے پھر چھوڑتا نہیں اور اسکی عادت بھی ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے اور سرکشی اس جانور کا خاصہ ہے اور یہ باتیں ایسی ہیں کہ اسکے ہوتے ہوئے وہاں کھڑے ہو کر نمازی کا دل نہیں لگے گا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں **صلوا فی مراح الغنم و لا تصلوا فی معاطن الابل فانها خلقت من الشیاطین**. ترجمہ :۔ یعنی بکریوں کے آرام گاہ میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے مقام میں نماز مت پڑھو کیونکہ اونٹ کی سرشت میں شیطانی مادہ زیادہ ہے۔

مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ : مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ یہ ہے کہ وہ نجاست کا مقام ہے ایسی جگہ میں جانوروں کے ذبح کرنے کا خون اور گوبر وغیرہ پڑنے سے تعفن ہوتا ہے اور نماز کیلئے نظافت اور طہارت مناسب ہے۔

راستہ میں منع نماز کی وجہ : سڑک کے بیچ میں نماز سے اس واسطے ممانعت کی گئی ہے کہ اول راہ چلنے والوں سے نمازی کا دل بٹے گا اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا یا وہ آگے سے گذریں گے دوسرے درندے وغیرہ ادھر سے ہو کر نکلتے ہیں جیسا کہ وہاں اترنے سے بھی اسی لئے نہی صریح ہے ان وجوہ سے وہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے بلکہ راستے سے ایک طرف ہو کر نماز پڑھنا لازم ہے **عن عمر بن الخطاب ان رسول الله ﷺ قال سبع مواطن لا تجوز فیها الصلوٰۃ ظهر بیت الله والمقبرۃ والمذبلة والمجزرۃ والحمام وعطن الابل ومحجة الطریق**. ترجمہ :۔ یعنی حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سات مقاموں میں نماز جائز نہیں ہے۔ کعبہ کی پیٹھ پر (بلحاظ عظمت کے) اور قبرستان میں (بلحاظ وہم شرک کے) اور گھوڑے میں (بوجہ نجاست کے) اور جانوروں کے ذبح ہونے کے مقام میں (بلحاظ اسی نجاست وتعفن کے) اور حمام میں (بلحاظ پراگندہ ہونے دل کے) اور اونٹوں کے مقام میں اور راستے کے بیچ

میں (بلحاظ خلل ہونے حضور دل کے)۔

اعمال کیلئے قضاور خصت مقرر ہونے کی حکمت : انسان کو بعض اوقات کچھ عذر وغیرہ بھی پیش آتے ہیں۔ پس اگر انکی بالکل رعایت نہ کی جاوے تو حرج عظیم ہے اسلئے رخصت کا مشروع ہونا بھی مناسب ہے کہ اس میں مکلف کی سہولت ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر. ترجمہ :۔ یعنی خدا تعالی تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے اور تمہارے ساتھ دقت اور دشواری نہیں چاہتا۔

اور اگر انکی رعایت سے عمل کو ساقط کر دیا جاوے یعنی عذر کے وقت احکام کی تعمیل بالکل ترک کرادی جائے تو اس وقت نفس انکی ترک کا عادی ہو جاویگا۔ پس نفس کی مشاق ایسی ہی کرائی جاتی ہے جیسے کسی تند چارپایہ کو مشق کراتے ہیں جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چارپاؤں کو مشق کراتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشگی میں الفت و مناسبت کیسی پیدا ہوتی ہے اور کام کرنے میں اس سے کیسی الفت جاتی رہتی ہے اور اسکا کام کرنا نفس کو کیسا گراں معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو تو از سر نو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے اس واسطے ان وجوہ سے دو امر ضروری ٹھیرے۔ ایک یہ کہ جب کسی کام کے کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اس کیلئے قضاء مشروع ہو۔ دوسرے یہ کہ اعمال کیلئے رخصتیں بھی مقرر کی جائیں چنانچہ اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحری پر کفایت کی جاسکتی ہے اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ ستر عورت کو ترک کر سکتا ہے اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضو کو ترک کرکے تیمم کر سکتا ہے اور جس کو نماز میں قرأت پر قدرت نہ ہو وہ کسی ذکر پر اکتفا کر سکتا ہے اور جسکو قیام پر قدرت نہ ہو وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے اور جو رکوع یا سجدہ نہ کر سکتا ہو اس کی نماز صرف سر جھکانے سے ہو سکتی ہے اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی قاعدہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شے باقی رکھنی چاہیے جس سے اصل یاد آجائے اور معلوم

ہو جائے کہ یہ اسکا نائب اور بدل ہے۔

مسافر بآرام کیلئے رخصت افطار روزہ اور قصر نماز کی وجہ : مسافر بآرام کو رخصت
افطار روزہ و قصر نماز کی اجازت دینا اور مقیم باشقت کو اجازت قصر نماز و افطار روزہ کی نہ دینا حکمت
الٰہیہ پر مبنی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ افطار روزہ و قصر نماز مسافر کیلئے مخصوص ہے اور مقیم نہ
افطار روزہ کرے اور نہ قصر نماز کرے البتہ عذر مرض کیلئے مقیم بھی صرف روزہ افطار کر سکتا ہے یہ
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال حکمت پر مبنی ہے کیونکہ سفر بذات خود عذاب کا ایک ٹکڑا ہو
شدائد و مصائب اور محنت و مشقت و تکلیف پر مشتمل ہے مسافر اگرچہ زیادہ آسودہ حال لوگوں میں
سے ہو مگر پھر بھی وہ حسب حیثیت خود ضرور ایک قسم کی محنت و مشقت میں ہوتا ہے پس یہ
خدا تعالیٰ کی محض رحمت و مصلحت ہے کہ اس نے اس پر سے ایک حصہ نماز کا کم کر دیا اور ایک ہی
حصہ پر اکتفا فرمایا اور فرض روزہ میں سفر میں افطار سے تخفیف فرمائی اور پھر ختم سفر کے بعد یعنی
اقامت میں اسکی ادا کرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ بیمار و حائض کے متعلق ایسا ہی حکم ہے تا کہ ان سے
اس عبادت الٰہی کی مصلحت سفر میں ساقط کرنے سے بالکل فوت نہ ہو جائے اور اقامت میں ج
مشقت اور تکلیف اور مشکل پیش آتے ہیں وہ ایسے ہیں جنکا کوئی انضباط اور شمار نہیں ہے پس اس
طرح اگر محنتی و مزدور و مشقت والے آدمی کے لئے رخصت و اجازت افطار روزہ و قصر کی نماز کی
ہوتی تو بہت سی ضروری و لازمی عبادات ضائع ہو جاتیں اور اگر بعض کے لئے اجازت ہوتی اور بعض
کے لئے نہ ہوتی تو بھی انضباط نہ ہوتا اور کوئی خاص ایسا وصف بھی انضباط نہ ہوتا اور کوئی خاص ا
وصف بھی نہیں ہے جسکا انضباط ہو سکے جس کی بناء پر رخصت و عدم رخصت ہوتی بخلاف سفر کے
کیونکہ مشقت و محنت سفر کے ساتھ متعلق کی گئی ہے اور اسمیں تخفیف عبادت کیساتھ مناسبت ہے
ہے البتہ اگر مقیم کو عذر مرض اور درد ہو تو اسکے لئے افطار روزہ کی اجازت ہوئی اور نماز بیٹھ کر یا پہلو
لیٹ کر ادا کرنا بھی جائز رکھا گیا اور یہ قصر عدد کی نظیر ہے اور محض مکان کی مشقت و تکلیف

اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ یوں تو دنیا و آخرت کی تمام کی تمام مصلحتیں تکان اور محنت پر موقوف ہوتی ہیں اور جو شخص محنت اور تکلیف نہیں اٹھاتا اسکو کوئی راحت و آرام نہیں ملتا محنت و تکلیف کی قدر ہی آرام و راحت سے ملتی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ مشقت کے تمام پیشوں میں مثلاً کاشتکاری اور آہنگری وغیرہ محنت اور مشقت و حرج بالضرور ہوتا ہے اسی طرح دنیا کا کوئی کسب و کام محنت و مشقت سے خالی نہیں ہوتا اسلئے ان میں قصر نماز و افطار روزہ کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ پیشہ ور اور محنتی لوگ عام ان میں مصروف و مشغول رہتے ہیں انکے معاش انہی پیشوں پر موقوف ہوا کرتی ہے اگر انکو اجازت عام ہوتی تو اطاعت الٰہی کے انتظامات میں سخت ابتری پھیل جاتی اس لئے مصلحت و حکمت الٰہی نے عام محنتوں و مشقتوں میں رخصت تجویز نہیں فرمائی بلکہ خاص محنتوں و مشقتوں کیلئے رخصت ہوئی خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک حرج کی صورت میں رخصت تجویز کرنا چاہیے اسلئے کہ حرج کے طریقے بکثرت ہیں اور اگر سب میں رخصت تجویز کی جائے تو اطاعت الٰہی بالکل متروک ہو جائے۔

حائضہ پر ادائے روزہ اور عدم ادائے نماز کی وجہ: حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ **واما يجاب الصوم على الحائض دون الصلوٰة فمن تمام محاسن الشريعة وحكمتها ورعايتها المصالح المكلفين فان الحيض لما كان منافيا للعبادة لم يشرع فيه فعلها وكان في صلاتها ايام التطهير مايغنيها عن صلاة ايام الحيض فيحصل بها مصلحة الصلوٰة في زمن التطهير بتكررها كل يوم بخلاف الصوم فانه لا يتكرر وهو شهر واحد في العام فلو سقط عنها فعله ايام الحيض لم يكن لها سبيل الى تدارك نظيره وفاتت عليه مصلحة فاوجب عليها ان تصوم في طهر لتحصل مصلحة الصوم التي هي من تمام رحمة الله بعبده واحسانه اليه بشرعه وبالله التوفيق** ترجمہ:۔ یعنی حائض پر وجوب روزہ و عدم ادائے نماز کا سبب شریعت حقہ کی خوبیوں اور اس کی حکمت اور رعایت

مصالح مکلفین سے ہے۔ کیونکہ جب حیض منافی عبادت ہے تو اس میں عبادت کا فعل مشروع نہیں ہوا اور ایام طہر میں اس کی نماز پڑھنا ایام حیض میں نماز پڑھنے سے کافی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بار بار روز مرہ آتی ہے مگر روزہ روز مرہ نہیں آتا بلکہ سال میں صرف ایک مہینہ روزوں کا ہے اگر ایام حیض کے روزے بھی اس سے ساقط کر دیئے جائیں تو پھر ان کی نظیر کا تدارک نہیں ہو سکتا اور روزہ کی مصلحت اس سے فوت ہو جاتی اس لئے اس پر واجب ہوا کہ ایام طہر میں روزے رکھ لے تاکہ اس کو روزہ کی مصلحت حاصل ہو جائے جو کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر محض رحمت اور احسان سے ان کے فائدہ کے لئے مشروع فرمائے ہیں۔

چاند اور سورج گرہن کے وقت نماز مشروع ہونے کی وجہ:۔ چاند اور سورج کا گرہن نحوست اور غضب سے آفت و مصیبت و اسباب شر کا ہے خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کی پر لطف حکمت تقاضا کرتی ہے کہ کسوف کے وقت لوگوں کو وہ طریقے سکھلائے جو کسوف کے نظیر بلاؤں کو دور کریں اور بدیوں کو ہٹادیں پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان پر یہ تمام طریقے سکھلا دیئے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ دعا کے ساتھ بلا کو رد کرتا ہے اور دعا اور بلا دونوں جب کبھی جمع ہوئیں تو دعا ہی باذن اللہ بلا پر غالب آئی جبکہ دعا ایسے لبوں سے نکلتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں صحیح مسلم و بخاری سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شمس و قمر خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشان ہیں اور کسی کے مرنے یا جینے کے لئے ان کو گرہن نہیں لگتا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے دو نشان ہیں خدا تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس جب تم ان کو دیکھو تو جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاؤ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں نشان گنہگاروں کے ڈرانے کے لئے ہیں تاکہ اپنے گناہ بدکاریوں اور پلیدیوں کے وبال سے ڈریں اور اسی غرض سے رسول کریم ﷺ نے گرہن کے وقت حکم فرمایا ہے کہ بہت نیکیاں کرو اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرو اور خالص نیت کے ساتھ نماز اور دعا کرنا اور خدا تعالیٰ کی

تعریف کرنا اور ذکر و تضرع و قیام و رکوع و سجود و توبہ انابت و استغفار و خشوع و ابتہال اور جناب الٰہی میں توسل کرنا اور تصدیق و عتاق مقرر فرمایا تاکہ اس آنیوالے عذاب سے ان افعال صالح کا موانع نازل ہونے کے لئے سپر ہو یہ ایسا وقت ہے کہ حوادث کے پیدا ہونے کا ڈر ہے اور اس پر یہ بھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کے دلوں میں خود بخود ایسے اوقات میں گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے نیز ایسے اوقات میں زمین پر تجلیات کا نزول ہوتا ہے اس لئے صاحب معرفت کو ان اوقات میں خدا تعالیٰ کیساتھ تقرب حاصل کرنا بہت مناسب ہے چنانچہ نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں کسوف کی بابت آنحضرت ﷺ سے آیا ہے کہ اذا تجلی اللہ بشئ من خلقه خشع له ترجمہ۔ یعنی جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے

نیز کفار لوگ چاند اور سورج کو سجدہ کیا کرتے ہیں لہذا مومن مسلمان کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کا غیر مستحق عبادت ہونا ثابت ہو تو خدا تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی سے التجا کرے اور خدا تعالیٰ کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن

ترجمہ۔ آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے یہ سجدہ کرنا دین کے لئے شعار اور منکرین کے لئے ساکت کرنے والا جواب ہے

سوال:۔ اگر کوئی کہے کہ خسوف و کسوف نجوم کی مقررہ منازل پر پہنچنے سے واقع ہوتا ہے اور اس کو انسانوں کے عذاب و ثواب سے کوئی تعلق نہیں ہے تو۔

جواب:۔ یہ ہے کہ جو سائل نے کہا ہے وہ علت ہے اور جو ہم نے کہا ہے وہ حکمت ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

نماز استسقاء میں چادر کو الٹا کرنے کی حکمت:۔ نماز استسقاء میں چادر کا الٹا کرنا اس حال کے پلٹ جانے کی طرف ایما ہے جس میں لوگوں کو خوش حالی سے فراخ حالی و تنگی عیش سے

فراخی عیش کی تحویل مطلوب ہوتی ہے نیز نماز استسقاء میں لوگ کبر و فخر اور بد اخلاقی اور گھمنڈ اور نا شکری سے حالت توبہ و استغفار، عجز و انکسار و فاقہ مسکنت کی طرف پھر جانے کا اظہار کرتے ہیں پس چادر کا الٹا کرنا یہ تصویری زبان سے اظہار ہے اور زبان افعال کا اظہار زبان اقوال کے اظہار سے زیادہ تر کامل ہے نیز اس میں یہ امر بھی مرموز ہے کہ تصویری زبان میں افعال و اخلاق سیئہ سے نجات اور افعال و اخلاق حسنہ کی توفیق کے لئے دعا کی جاتی ہے حضرت ملاں عربی فرماتے ہیں

امن كان مستسقى بحول رداءه تحول عن الافعال علك ترتقى

ترجمہ :۔ یعنی اے وہ شخص جو قحط سالی میں نماز استسقاء پڑھتا اور چادر الٹاتا ہے تو اپنے افعال بد کو الٹ دے اور نیک افعال اختیار کرتا کہ تو پسندیدہ حق ہو جاوے۔

نماز عیدین کیلئے اذان و اقامت مشروع نہ ہونے کی وجہ :۔ چونکہ روز عید میں لوگوں کو نماز عید پڑھنے کیلئے اعلام و اعلان کے دواعی بکثرت موجود ہوتے ہیں اور تکبیر و تحمید و تہلیل جو کہ یوم عید میں مشروع ہیں وہ بھی اسی غرض کے لئے ہیں کہ غافل آگاہ ہو جاویں لہذا حکم اذان و اقامت ساقط ہوا۔ کیونکہ اذان و اقامت اعلان و اطلاع کیلئے ہوتی ہیں تاکہ غافل ہوشیار ہو جاویں اور یہ بات روز عید میں پہلے ہی سے موجود ہے (فتوحات مکیہ)

نماز عید میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ :۔ چونکہ یوم عید میں لوگوں کو حظوظ نفوس یعنی کھانے پینے پہننے اور لہو و لعب میں مشغول ہو کر خدا تعالیٰ کی بزرگی و جلال و عظمت کو بھول جانے کا قوی مظنہ تھا لہذا ان کی تنبیہ کے لئے نماز عیدین میں زیادہ تکبیرات شامل کی گئی ہیں جن سے یہ امر مستحضر رہے کہ اے خدا تمام کبر و عظمت تیرا ہی حق ہم سب ہیچ ہیں (فتوحات مکیہ)

نماز عیدین کی تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حکمت :۔ تکبیرات عیدین کی نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا اس بات کی طرف ایماء ہے کہ اے خدا ہم نے تیری کبریائی و عظمت و جلال کے سامنے اپنی بڑائی اور عظمت کو چھوڑ دیا سب بزرگیوں و بڑائیوں کا تو ہی مالک ہے

قرآن کریم کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت:۔ قرآن کا شعائر الٰہی ہونا اس طرح ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے رعایا کی طرف فرامین کا بھیجنا رائج ہے سو سلاطین کی حیثیت میں ان فرامین شاہی کی تعظیم ہوتی ہے اور چونکہ قبل نزول قرآن انبیاء کے صحیفے اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہو گئی تھیں اور لوگوں کا مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا ان کا پڑھنا پڑھانا بھی رائج تھا اور ان میں غلط ہو گیا تھا اور حاجت تھی علوم صحیحہ کی اور ایسے علوم کو ہمیشہ کیلئے قبول اور حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرائے میں محال تھا جس کو وہ پڑھیں اور اس کی تعظیم کریں غرض وہ شعائر میں قرار دیا جاوے ان اسباب کا یہ مقتضاء ہوا کہ ایک ایسی کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہو جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہو اور نیز تعظیم کی یہ صورت ہو کہ جب وہ کتاب پڑھی جاوے تو سب لوگ خاموش ہو کر اس کو غور سے سنیں اسکے فرامین کی فوراً تعمیل کریں مضامین سجدہ پر سجدہ تلاوت کریں جہاں تسبیح کرنے کا حکم ہو وہاں تسبیح پڑھیں۔

پیغمبر خدا کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی وجہ:۔ پیغمبر خدا ﷺ کا شعائر الٰہی میں سے ہونا اس واسطے ہے کہ وہ مرسل ہیں ان کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت ہے جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور سلاطین کے امر و نہی کی ان کو اطلاع کرتے ہیں اور ایلچیوں کی تعظیم سے بھیجنے والے کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے پس پیغمبر کی تعظیم بھی اس طرح مشروع ہوئی کہ ان کے احکام کی بجاآوری کی جاوے ان پر درود بھیجا جاوے گفتگو کرتے وقت ان کے سامنے آواز بلند نہ کی جاوے

نماز سے مغفرت معاصی کا راز:۔ نماز میں دونوں باتیں جمع ہیں تزکیہ نفس اور اخبات نفس اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے اور نفس کی خاصیت میں بیبات داخل ہو جاتی ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو دوسری صفت جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے اس سے اس طرح جدا ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی اس کا نام بھی اس میں نہ تھا

الجذعاء. ترجمہ ۔ یعنی جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ مثل دست بریدہ کے ہے۔

نماز میں خوفزدہ ہو کر کھڑا ہونے کا راز : نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ رکھ کر اور ایسی ہیئت بنا کر کھڑا ہونا لازم ہے کہ رقت طاری ہو جاوے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اسکے واسطے قید یا پھانسی کا فتوے لگنے والا ہوتا ہے اسکی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے۔

حقیقت دعا وقضا : اگرچہ دنیا کی کوئی خیر وشر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرت الٰہیہ نے اسکے حصول کیلئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جنکے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کرکے دوا کا کرنا نہ کرنا در حقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترک دعا۔ مگر کیا کوئی یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا پھر جب خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے اور اس قدرت کا ظہور بھی اس نے کر دیا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں ایسا قوی اثر رکھے کہ انکی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جاتے ہیں یا مثلاً سم الفار اور بلیش اور دوسرے ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈالدے کہ ان کا قابل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کر دے تو پھر کیونکر یہ احتمال کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی توجہ عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو۔ جو شخص دواؤں کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہ رکھتا ہو اور استجابت دعا کا قائل نہ ہو تو اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سالخوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اسکو بے اثر پاکر اس دوا پر عام حکم لگادے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں۔

سوال : دیکھا جاتا ہے کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور انکا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔

جواب ہم کہتے ہیں یہی حال دوا کا بھی ہے کیونکہ دوا سے موت کا دور ہونا یا مرض کا ٹلنا جانا غیر ممکن ہے مگر کیا وجہ ہے کہ اس بات سے کوئی اس کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے مگر تقدیر نے علوم کو ضائع کر کے بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھایا ہے اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے جدا نہیں ہیں مثلاً اگر بیمار کی تقدیر موافق ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آ جاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی اپنے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کیلئے مستعد ہوتا ہے تب وہ دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے یعنی دعا کیلئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیت اسی جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادہ بھی اس کے قبول کرنے کا ہے۔

باب الجنائز

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ: عقل کا تقاضا ہے کہ جب کسی انسان کو بہت سے آدمیوں کا گروہ کسی عالیشان حاکم کے آگے لیجا کر اس کیلئے سفارش کریں اور اس کی معافی کی درخواست کریں اور اس کیلئے گڑگڑا کر التجا کریں تو لامحالہ اس کا قصور معاف ہو جاتا ہے یہی نماز جنازہ کا راز ہے یعنی نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش میں شریک ہونا اس پر رحمت الٰہی کے نازل ہونے میں بڑا گہرا اثر رکھتا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں **ما من مسلم يموت فيقوم على جنازته اربعون رجلاً لا يشركون بالله شيئاً الا شفعهم الله فيه** ترجمہ: یعنی کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا کہ اس کے جنازہ پر شریک ہوں مگر اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے اس کی حس مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد اس کے ہمراہ رہتے ہیں اور پھر عالم بالا سے اور علوم کا اس پر ترشح ہوتا ہے جس کی وجہ سے بہت کو عذاب و

ثواب ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت کیلئے وہ گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقہ دیتے ہیں تو حکم الہی سے میت کے حق میں وہ نافع پڑتا ہے۔

حکمت ماتم پرسی: چونکہ میت کے عزیزوں کو اسکی موت سے سخت رنج ہوتا ہے۔ لہذا دنیا کے اعتبار سے تو انکے حق میں یہ بھلائی ہے کہ لوگ اسکی تعزیت کیلئے آئیں تاکہ ان کا رنج کچھ کم ہو اور میت کے دفن کرانے میں شریک ہو کر اسکی مدد کریں اور انکو ایک دن رات کھانا دیں اور آخرت کے لحاظ سے انکے لیے یہ بہتر ہے کہ انکو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تاکہ حسرت اور پریشانی میں مصروف نہ ہوں اور خدا کی طرف انکی توجہ ہو اور چلانے اور کپڑے پھاڑنے اور تمام ان چیزوں سے جو کہ غم اور پریشانی بڑھاتے ہیں منع کریں کیونکہ اس وقت وہ لوگ بمنزلہ مریض کے ہو جاتے ہیں انکے مرض کا علاج کرنا چاہیے نہ یہ کہ انکے مرض کو اور بڑھا دیا جائے۔

فرض کفایہ کا راز: بعض فرائض اس قسم کے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک مقام کے بعض افراد اسکو ادا کریں تو وہ سب کی طرف سے ادا ہو جائیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ سب لوگ انکو حقیقتاً طور پر کرنے لگیں تو انتظام معاش درہم ہو جائے اسکی تدبیر نافعہ معطل ہو جائیں۔ پس ایسے امور کیلئے ایک ایک شخص کافی ہے چنانچہ بیماروں کی عیادت جنازہ کی نماز اسی طور پر مشروع ہوئی ہیں کہ بیماروں اور مردوں کی تضیع بھی نہ ہو اور بعض لوگ اگر اسکو پورا کر دیں تو مقصود بھی حاصل ہو جائے۔

نماز جنازہ وصدقہ خیرات سے میت کو فائدہ پہنچنے کا راز: دنیا میں سفارش کرنے اور تاوان دینے کے سبب مجرموں سے عذاب ٹل جانے اور رفع ہونے کے مشاہدہ و تجربہ سے کوئی منکر نہیں ہے ایسا ہی گنہگار میت کو دعا و نماز جنازہ اور صدقات ایسے مفید ہوتے ہیں قرآن کریم میں ایسے امور کا بکثرت ذکر آیا ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ان اللہ امرکم

بالصدقة فان مثل ذلك كمثل رجل اسره العدو فاوثقوا يده الى عنقه وقدموه ليضربوا عنقه فقال انا افدى منكم بكل قليل وكثير ففدى نفسه منهم ترجمہ :۔ خدا تعالیٰ نے تم کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ صدقہ دینا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو اس کے دشمنوں نے اسیر کر کے اسکے دونوں ہاتھوں کو اسکی گردن سے باندھ دیا ہو کہ اس کی گردن زنی کریں پس وہ کہے کہ میں تم کو تھوڑا اور بہت دیکر چھٹکارا چاہتا ہوں پس وہ فدیہ دیکر ان سے خلاص ہو جائے میت کی اولاد صالح اور صدقات وخیرات جاریہ میت سے عذاب ہٹانے اور رفع درجات کیلئے مفید امور ہیں کیونکہ ان امور میں قرب الی اللہ کی مناسبتیں ہیں۔

عورت کو والدین وغیرہ کا سوگ تین دن اور خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ

عورت کو والدین وغیرہ کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا ہے اور اپنے خاوند کی وفات پر اسکو چار ماہ دس دن کا سوگ رکھنا واجب کیا گیا ہے یہ امر اس شریعت کی خوبیوں اور حکمتوں اور مصالح عامہ کی رعایت سے ہے کیونکہ میت پر سوگ رکھنا مصیبت موت کی تعظیم میں سے ہے جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ بہت مبالغہ کیا کرتے تھے اور اسکے ساتھ گریبان کا پھاڑنا اور رخساروں کو پیٹنا اور بالوں کو کھسوٹنا اور واویلا کرنا ان میں رائج تھا اور عورت بہت تنگ و تاریک وسنسان گھر میں مدت تک بند پڑی رہتی تھی نہ کسی خوشبو کو چھوتی نہ صاف کپڑے پہنتی نہ تیل لگاتی نہ غسل کرتی تھی علیٰ ہذا القیاس اس قسم کی اور نامناسب رسوم بھی جو کہ خدا تعالیٰ اور اسکی قضا قدر پر غصہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں ان میں مروج تھیں پس خدا تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی یہ رسم اپنی رحمت اور رافت عامہ سے باطل کر دی اور اسکے بدلہ میں ہمیں صبر و حمد استرجاع یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کی ہدایت فرمائی جو مصیبت زدہ کیلئے دارین میں بہت مفید ونافع ہے اور چونکہ مصیبت زدہ کو مصیبت موت پر بالضرور غم ورنج بمقتضائے طبیعت انسانی پیدا ہوتا ہے لہذا خدا تعالیٰ نے جو کہ بندوں کے حال کا دانا وبینا ہے کسی قدر

سوگ رکھنا جائز رکھا اور وہ ایام سوگ میت کے بعد تین دن ہیں جن میں مصیبت زدہ سوگ رکھ کر اپنے غم و رنج کا اظہار کرے جیسا کہ مہاجر کو اجازت دی گئی ہے کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن قیام کرے اور جو تین دن سے زائد سوگ ہو اس کا بہت فساد ہے لہذا اس سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا بخلاف تین دن کے فساد وہ کے کہ وہ بنظر مصلحت عورت کے کم ہے کیونکہ نفس کو مالوفات سے بالکل جدا کرنے سے بہت تکلیف پہنچتی ہے اس لئے انکو بعض حصہ مالوفات کا دیا گیا تاکہ باقی کا ترک کرنا اس پر آسان ہو جاوے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر نفس کو اپنی بعض مرادیں مل جاتی ہیں تو ان پر قانع ہو جاتا ہے اور باقی کا چھوڑنا اسکو سہل ہو جاتا ہے۔ باقی خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی حکمت کتاب النکاح میں ذکر کریں گے۔

اہل اسلام کا مردہ کو خاک میں دفن کرنے اور آگ میں نہ جلانے کی حکمت

حکمت :(۱) دفن کر دینے میں مردہ کے حق میں پردہ پوشی ہے اور زندوں کے حق میں کچھ دشواری نہیں۔ پانی اور ہوا میں مردہ کو رکھیں تو ناک اور آنکھ کو الگ الگ تکلیف پہنچے یعنی بدبو سے ناک سڑ جائے صورت کو دیکھنے تو گھن جدا آوے آگ میں جلائیں تو گو اس میں عرصہ دراز تک تو بدبو اور گھن نہیں رہتی لیکن جلانے کے وقت کی کیفیت تو جلانے والوں اور گرد و پیش کے رہنے والوں سے پوچھو۔ پھر ہوا کی خرابی سے پانی بگڑنے کا اور بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ جدا رہا۔ اور فساد عناصر سے جو کچھ نقصان پہنچتا ہے وہ جدا رہا۔ دفن کرنے میں نہ یہ خرابی نہ وہ فساد بلکہ شیرازہ ترکیب بدن کے کھل جانے سے بدن مردہ کے عناصر اربع اپنے اپنے موقع اور مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس لئے خاک اور پانی اور ہوا اور آتش کی مقدار جتنی تھی اتنی کی اتنی ہی ہمیشہ رہتی ہے

(۲) تپش آتش سے زمین کی قوت نامیہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی ظاہر ہے اور دفن مردگان سے جو کچھ قوت نامیہ کو تقویت ہوتی ہے وہ بھی چنداں پنہاں نہیں تپش کی وجہ سے فساد قوت نامیہ تو خود عیاں ہے۔ باقی دفن کی وجہ سے قوت نامیہ کی تقویت کی وجہ یہ ہے کہ بدن انسان وہ چیز ہے کہ

یہ ہے تو پھر یوں مناسب ہے کہ اس جسم خاکی کو زمین میں دفن کر دیں تاکہ آب و آتش و ہوا کو اس سے جدا کرنے کو چھوڑ دے تاکہ وہ سب اپنے اپنے مقام کو چلی جائیں یا کرۂ ہوا، آب و آتش اپنے اپنے ہم جنس و جزو کو اپنی طرف کھینچ لیں۔ یعنی تربت خاک، آب و باد و آتش اپنے اپنے مقامات کی طرف جو کشش ہے وہ حال سے خالی نہیں یا یہ خود حرکت کرتی ہوں جیسے اکثر حکمائے یونان کہتے ہیں یا دوسرے کشش اتصال ہو جیسے حکمائے فرنگ کا خیال ہے۔ بہ حال مناسب یوں ہے کہ جسم کو حوالہ زمین کے کر دیں حوالہ آتش نہ کریں کیونکہ یہ تن خاکی سر سے پا تک خاک ہے۔ البتہ رطوبت اور بادی اور گرمی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اجزا آبی اور ہوائی اور آتشی بھی اس میں آملے ہیں اس نے کسی کو جدا کیا نہیں اور اگر زمین میں دفن کر دیں گے۔ تو وہ شیرازہ ترکیب کھول کر سب کو جدا کر دے گی اور پھر وہ اجزاء خود اپنے مقام کو چلے جائیں گے یا مثلاً اصول ان کو جذب کر لیں گے اور اگر آگ کے سپرد کیا تو وہ سب کا صفایا ہی کر کے چھوڑے گی۔

(۵) محبت باہمی اقرباء تو ظاہر ہے مگر غور کرو تو مسجد اور انواع و اجناس کے تمام بنی آدم باہمی قرابتی ہیں اور کیوں نہ ہوں آخر ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور اس محبت باہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک دوسرے کا حافظ و نگہبان رہے جیتے جی کی حفاظت میں تو کچھ کلام ہی نہیں مرنے کے بعد بھی یوں جی نہیں چاہتا کہ تن مردہ کو اقرباء سے علیحدہ کر دیں یہی وجہ ہے کہ جدائی کے وقت کس قدر روتے ہیں اور جنازہ اٹھاتے ہیں تو کیا غل مچتا ہے اس صورت میں اگرچہ مجبوری پاس نہ رہنے دیں تو کیا مقتضائے محبت یہی ہے کہ یوں جا کر خاک بنا دیں نہیں اہل محبت سے یہ نہیں ہو سکتا ہاں مقدور ہو تو الائش ظاہری سے پاک صاف کر کے اچھا لباس پہنا کر حفاظت سے ایک طرف رکھ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں مگر یہ بات بجز خوگر دشمان محبت اور کون جانے وحشیان بے انس کو اس کی کیا خبر ہوئی جو امید تصدیق ہو اور نا تجربہ کاران عشق کو یہ بات کیا معلوم ہوگی جو توقع تائید ہو۔

مردہ کو نہلانے کی حکمت: مردہ کو نہلانے میں یہ وجہ ہے کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا

جائے کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ایسے ہی غسل کرتا تھا اور نماز پڑھنے والے بھی خود ایسا ہی نہاتے ہیں اس لئے میت کی تعظیم کیلئے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہلانے کی نہیں ہے کہ جو کے پتے پانی میں ڈال کر مردہ کو نہلایا جائے کیونکہ مرنے سے اندر اکثر اوقات ہوا پیدا ہو جاتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اسے اعضاء سے ترو تازہ کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ مردوں کا غسل مثل زندوں کے ہو اور ان اعضاء کی عزت معلوم ہو۔

مردہ کو کافور لگانے کی حکمت: (۱) مردوں کو کافور لگانے کا اصل امر ہو کہ جس چیز کو کافور لگایا جائے وہ جلد نہیں بگڑتی۔ (۲) کافور لگانے میں یہ فائدہ ہے کہ کوئی موذی جانور اس کے قریب نہیں آتا۔ (۳) یہ بھی فائدہ ہے کہ کافور کی بو سے قبر کے کیڑے جو طبعی طور پر زمین میں پیدا ہو جاتے ہیں وہ بھاگ جاتے ہیں البتہ جو اعمال بد کے باعث کیڑے سانپ بچھو وغیرہ مردہ کو قبر میں کاٹنے کیلئے پیدا ہو جائیں وہ نہ کسی چیز سے ڈرتے ہیں اور نہ بھاگتے ہیں بلکہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی الا الصدقه والدعاء یعنی صدقہ دعا سے وہ دفع ہو جاتے ہیں۔ اور کافور مردہ کے سات اعضاء پر جن پر سجدہ کیا جاتا ہے لگایا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں پیشانی۔ دونوں گھٹنے دونوں قدم دونوں ہاتھ یہ سات اعضاء کافور کیلئے اس وجہ سے مخصوص ہیں کہ وہ انہیں پر سجدہ کیا کرتا تھا لہذا مزید کرامت کیلئے مخصوص ہوئے۔

(۴) سارے جسم کی حرکات انہی اعضاء سے ہوتی ہے ان پر کافور لگانے سے گویا سارا جسم ان میں شامل ہو جاتا ہے۔

شہید کو غسل نہ دینے اور خون آلودہ کپڑوں میں مدفون کرنے کی وجہ: (۱)

شہید کو جو غسل نہ دینے اور اپنے خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ دفن کرنے کی سنت جاری ہے اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا شہید ہونا معلوم ہو اور تا کہ بظاہر ان کے قتل کی صورت متمثل ہو جائے اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں تو ان کو حس اور اپنی جانوں

کا علم باقی رہتا ہے بلکہ بعض کو ان ہی تو ان کا بھی اور اک ہو جاتا ہے جو ان کے ساتھ کئے جاتے ہیں پس جب ایسے عمل کا اثر بے خبر چھوڑ دیا جائے تو ضرور میت کو انکی سبب سے ایذا پہنچتا ہے اور اسکے سامنے وہ عمل متمثل ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: جروحهم تدمى اللون لون الدم والريح ريح المسك. ترجمہ:۔ یعنی شہیدوں کے زخموں سے خون جاری ہو گا رنگ تو خون کا سا ہو گا اور خوشبو مشک کی سی۔

(۲) میت کو اس لئے غسل دیا جاتا ہے اور پاک کیا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالے کے پاس پاک ہو کر حاضر ہو اور عالم برزخ میں مرنے کے بعد طہارت مشروع کے ساتھ خدا تعالے سے اور شہید جو راہ خدا میں مارا جاتا ہے وہ مجرد مرنے کے خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتا ہے پس اسکو غسل نہیں دیا جاتا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس مرتے ہی حاضر ہو جاتا ہے۔

نماز جنازہ میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو دعائیں پڑھنے کی وجہ: صلوۃ جنازہ اپنے لئے دعا نہیں بلکہ اور کیلئے ہے یعنی از قسم شفاعت ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں حشر اور تعدد زیادہ درکار ہے اسلئے جنازہ کی دعائیں پڑھنے میں سب شریک ہوتے ہیں۔

نماز جنازہ میں امام کیلئے میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہونے کی وجہ: انسان کے سارے اعضاء سرتاپا مکلف ہیں اور سینے میں دل ان سب کا حاکم اور بادشاہ ہے وہ ہیں سے نیکی بدی کے احکام صادر ہوتے ہیں پس یہ محل اس لائق ہے کہ امام شافع اسکے پاس برابر کھڑا ہو کر اسکو خدا تعالیٰ کے سامنے کر کے اسکا شفاعت گر ہو پس جب دل کو بخشا جاوے تو باقی سب اعضاء اسکے ضمن میں بخشے جاتے ہیں کیونکہ دنیا و آخرت میں سب اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح سائر الجسد واذا فسدت فسد سائر الجسد الا وهى القلب ترجمہ:۔ یعنی جسم میں ایک بوٹی ہے جب وہ درست ہو جاوے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے

کا کام صدق اسلئے ہوا کہ یہ شخص صدقہ دے کر اپنے ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی قلبی حالت
یعنی صدق و صفائی نیت کی یہ علامت ہے۔

اسرار زکوۃ: (۱) جب انسان خدا تعالیٰ کیلئے اپنے اس مال کو جو کہ اسے سب سے عزیز ہے جس پر اسکی
زندگی کا مدار معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا جاتا ہے تب بخل کی
پلیدی اسکے اندر سے نکل جاتی ہے اور اسکے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو
جاتی ہے کیونکہ محنت سے کمایا ہوا اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کیلئے دینا یہ سبب ہے جس سے
نفس کی وہ ناپاکی جو سب ناپاکیوں سے بدتر ہے یعنی بخل دور ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حالت یعنی بخل سے
پاک ہونے کیلئے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور محنت سے حاصل کردہ سرمایہ کو محض
دوسرے کو دینا ایک ترقی یافتہ حالت ہے اور اس میں صریح اور بدیہی طور پر بخل کی پلیدی سے
پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور خدائے رحیم و کریم سے تعلق ہو جاتا ہے کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا
کیلئے چھوڑنا نفس پر بھاری ہے اس لئے اس تکلیف کے اٹھانے سے خدا سے تعلق بھی زیادہ ہو جاتا
ہے اور ایمانی شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۲) اس میں اعلیٰ درجہ کی ہمدردی سکھائی گئی ہے اس طرح سے باہم کرم مدد ملنے سے مسلمان
سنبھل جاتے ہیں۔ امراء پر یہ فرض ہے کہ وہ ادا کریں اگر نہ بھی فرض ہوتی تو بھی انسانی ہمدردی
کا تقاضا تھا کہ غرباء کی امداد کی جائے انسان میں ہمدردی اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے جس کو زکوۃ دینے کا فعل
اور اسکے آثار موثر ظاہر کر رہے ہیں اور ہر مزاج سلیم میں یہ بات مرکوز ہے کہ یہ فعل کرنے سے
بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے یہ ایک خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق موقوف
ہوتے ہیں جنکا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہے اور جس شخص میں ہمدردی بنی نوع
نہیں اسکے اندر نہایت نقصان ہوتا ہے جسکی اصلاح اس پر واجب ہے اور وہ اصلاح غرباء بنی
نوع انسان کو مال دینے سے ہوتی ہے۔

ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے چھوٹے گلے کا اندازہ چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور پھر ہر سینکڑہ پر حساب کی آسانی کیلئے ایک بکری مقرر کی۔

بیلوں اور گایوں کی زکوٰۃ کا نصاب تیس سے شروع ہونے کی حکمت: گائے بیل کی زکوٰۃ پر تیس گایوں میں ایک سال کا بچھڑا ایا بچھیا ہے اور ہر چالیس میں دو برس کا بچھڑا یا بچھیا ہے اس لئے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے اس لئے اس میں دونوں کی مشابہت کا لحاظ کیا گیا۔

زکوٰۃ کی ہر چیز میں ایک خاص نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ: زکوٰۃ کیلئے نصاب مقرر ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ اگر ہر طرح کے مال کی مقدار مقرر نہ ہوتی تو انتظام و انضباط نہ ہوتا اسلئے تو نصاب مقرر ہوا۔ پھر اس واجب کی مقدار بھی اسی لئے مقرر ہوئی اور اس مقدار میں یہ بات ضروری تھی کہ یہ مقدار بہت زیادہ نہ مقرر کی جائے کہ اسکے دینے سے لوگوں کو بوجھ معلوم ہو اور عقل سلیم و فطرت صحیحہ کا اجمالاً اتنا تو مقتضے ہے کہ کثرت مال پر کثیر زکوٰۃ کا لازم ہے لیکن اگر رائے پر چھوڑا جاتا اور مقدار مقرر نہ ہوتی تو جن اشخاص کو زیادہ زکوٰۃ دینی پڑتی وہ حرص مال کی باعث بہت تھوڑی زکوٰۃ دیتے اور اس سے غرباء و مساکین کی رفع حاجت نہ ہوتی۔

حقیقت نصاب زکوٰۃ زراعت: جن کھیتوں نے بارش و چشموں کے پانی سے پرورش پائی ہے ان پر دسواں حصہ واجب ہے اور جن کھیتوں کو نہر و چاہ وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے ان پر بیسواں حصہ ہے کیونکہ جن میں محنت کم ہوتی ہے اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے ان پر لگان زیادہ ہونا چاہیے اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے اسکے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔

سال میں ایک بار ادائے زکوٰۃ کی وجہ: زکوٰۃ ادا کرنے کی ایک ایسی مدت کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس میں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر سکیں۔ اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ

مدت بہت کم ہو کیونکہ جلد ان کو زکوۃ دینی پڑے اور اسکا ادا کرنا ان کو دشوار ہو اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس کے ادا کرنے سے ان کا عقل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ انتظار شدید کے بعد فائدہ اٹھا سکیں پس مصلحت کے مناسب اس سے زیادہ کوئی صورت نہیں ہے کہ زکوۃ کے لینے میں وہ قانون مقرر کیا جاوے کہ بادشاہ عادل اپنی رعایا سے اسکو ہر سال لیتے رہتے ہیں اور لوگ اسکے عادی ہو رہے ہیں کیونکہ جس چیز کے عرب و عجم عادی ہیں وہ بمنزلہ ضروری چیز کے ہوگئی ہے جس کے سبب وہ تنگدل نہیں ہوتے اور لوگوں نے اسکو ایسا مان لیا ہے کہ ان پر اس کا بار نہیں ہے اور اسکے ساتھ لوگوں کو مکلف کرنا رحم کی شان کے مناسب اور انکے قبول کرنے کے قریب ہے اور سب سلاطین و رعایا کی عادات میں پہلے سے محصول والی چیزوں کے لئے ایک سال کی مدت مقرر ہے کیونکہ ایک سال میں ہر قسم کی فصلیں شامل ہوتی ہیں جن کے منافع مختلف ہوتے ہیں اور نیز ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے بھی ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں کیلئے مناسب ہے اس سبب سے یہی سال زکوۃ کے لئے بھی مقرر ہوا۔

سائمہ میں وجوب زکوۃ کی اور عوامل سے اس کے اسقاط کی وجہ: دار قطنی میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے **لیس فی الابل العوامل ولا فی البقر العوامل صدقة** ترجمہ:۔ یعنی کام میں لگائے ہوئے اونٹوں اور کام کرنیوالے بیلوں میں صدقہ نہیں ہے اس میں یہ راز ہے کہ جو مال صاحب مال کی خدمت کیلئے مخصوص ہے مثلاً پہننے کے کپڑے اور کام کرنے والے خدمتگار غلام اور رہنے کے مکانات اور سواری کے جانور اور پڑھنے کی کتابیں اور کھیتی میں کاشتکاری کے بیل اور جرت میں چلنے والے اونٹ وغیرہ یہ اشیاء مالک کے دست و پا آلات ضروریہ کی طرح ہیں پس ان میں زکوۃ نہیں ہوتی اور عوامل یعنی کام کرنیوالے جانوروں میں اور سائمہ یعنی مدام چرنیوالے جانوروں میں فرق ظاہر ہے کیونکہ بہائم عاملہ نمو اور بڑھنے سے الگ کر کے کام میں لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور مدام چرنیوالے کام سے آزاد جانور بڑھتے اور پھلتے رہتے ہیں لہذا

جن میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی اور چوپائے نہ صرف نسل افزائش کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا ان میں زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ کیونکہ زکوٰۃ کی دو وجہیں ہوتی ہیں نمو مال اور ضرورت سے زائد ہونا مگر جانور ان عاملہ میں یہ دونوں امر نہیں۔ دست بدست یہی وجہ ان میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی۔

سوائیہ ثلاثہ میں زکوٰۃ واجب ہونے کی حکمت: واضح ہو۔ خدا تعالیٰ نے زکوٰۃ سوائیہ ثلاثہ میں واجب فرمائی ہے اور وہ تین ہیں۔ معدن۔ نباتات۔ حیوان۔ چونکہ معدن کی قسم تو سونا اور چاندی ہے اور نباتات کی قسم گندم جو خرما ہیں اور حیوان کی قسم اونٹ گائے بکری ہے۔ جن جملہ مولدات اس میں شامل ہو گئے۔

خاندان نبوی کیلئے حرمت صدقات کی وجہ: آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ان ھذہ الصدقات انما ھی من اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد ﷺ

ترجمہ: یعنی صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اس لئے یہ محمدؐ کے لئے حلال ہیں اور نہ اولاد محمدؐ کیلئے حلال ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ نحن اھل البیت لا تحل لنا الصدقۃ ترجمہ: ہم اہل بیت ہیں ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اہل بیت سے مراد بنو ہاشم آل علیؓ و عباسؓ و جعفرؓ و عقیلؓ و حارثؓ بن عبد المطلب ہیں۔ صدقات کے میل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا رفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں صدقات انسان کا فدیہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ملاءِ اعلیٰ کے ادراکات میں یہ صدقات انہی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس حکم میں دوسرا یہ راز ہے کہ آنحضرت ﷺ اگر خود بنفس نفیس صدقہ لیتے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کے لئے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے تجویز فرماتے ہیں تو اس بات کا احتمال ہوتا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہوتے اور آپکے حق میں وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا اور اس بات کو ظاہر فرمایا کہ

صدقات کے منافع انہیں کی جیبوں دینے والوں کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انہیں کے اغنیاء سے لیکر انہیں کے فقراء کو واپس کردیئے جاتے ہیں۔ یہ انکے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا پہنچانا اور برائی سے بچانا ہے۔

نیز جو لوگ مانگ مانگ کر گذر کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں ان میں سے تقوی و عفت و شجاعت اور دیگر اخلاق فاضلہ ضائع ہو جاتے ہیں انکی ہمتیں بہت پست ہو جاتی ہیں۔ محنت و کسب و تحصیل کمالات سے دل چراتے ہیں بیباکی انکا پیشہ ہو جاتا ہے ترفہ و آسائش و آرام طلبی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔

پس ان امور کو مد نظر رکھ کر بھی آنحضرت ﷺ کو خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا میری آل لوگوں کے خیرات و صدقات پر تکیہ لگا کر تحصیل کمالات میں سست نہ ہو جاوے اور واقعی یہ ایسے اسباب ہیں جو نفوس قدسیہ کی عادت کے برخلاف ہیں۔ اسلئے آنحضرت ﷺ نے ان پر صدقات کو منع فرمایا تاکہ وہ ایسے امور دنیہ کے عادی ہونے سے سخت دل نہ بنیں اور ایسے رزق ذلت کے طالب بن کر ذلیل و خوار نہ ہو جاویں۔

تمت

جلد اول تمام ہوئی دوسری جلد کتاب الصوم سے اور تیسری جلد کتاب الحج سے آتی ہے انشاء اللہ تعالی

قطعہ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

المصالح العقلیہ کی جلد دوم

کتاب الصوم

انسان کیلئے روزہ مقرر ہونے کے وجوہ

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی عقل کو اس کے نفس پر غلبہ اور تسلط دائمی حاصل رہے مگر بباعث بشریت بسا اوقات اسکا نفس اسکی عقل پر غالب آتا ہے۔ لہذا تہذیب وتزکیہ نفس کیلئے اسلام نے روزہ کو اصول میں سے ٹھیرا لیا ہے۔

(۱) روزہ سے انسان کی عقل کو نفس پر پورا پورا تسلط وغلبہ حاصل ہو جاتا ہے

(۲) روزہ سے خشیت اور تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے لعلکم تتقون۔ ترجمہ: یعنی روزہ تم پر اس لئے مقرر ہوا کہ تم متقی بن جاؤ۔

(۳) روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی ومسکنت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی قدرت پر نظر پڑتی ہے

(۴) روزہ سے چشم بصیرت کھلتی ہے۔

(۵) دوراندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے۔

(۶) کشف حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔

(۷) درندگی وبہیمیت سے دوری ہوتی ہے۔

(۸) ملائکۂ الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۹) خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے۔

(۱۰) انسانی ہمدردی کا دل میں ابھار پیدا ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس نے بھوک اور پیاس محسوس ہی نہ کی ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے اور وہ رزاق مطلق کی نعمتوں کا شکریہ علی وجہ الحقیقت کب

اور ان حضرات انبیاء و اولیاء سے تعلق رہا ہے اور جب تک ان کے معدہ میں کچھ اور چیز نہ جاوے
اور ان کی روحوں اور قلبوں میں صفائی و نورانی حاصل نہ ہو وے گی جب تک ان کا معدہ تھوڑا نہ ہو
ان غذاؤں کی جب کمی ہوتی ہے تو سب سے بڑا سبب ان کی چیزوں کا تھوڑا ہو جانا ہے تو ان سے قرب
سے اس کے دل کو ان چیزوں کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

(۱۱) روزہ موجب صحت جسمانی ہے چنانچہ قلت اکل و شرب کو اطباء نے صحت جسم کے لئے اور
صوفیائے کرام نے صفائی دل کے لئے مفید لکھا ہے

(۱۲) روزہ انسان کے لئے ایک روحانی غذا ہے جو آئندہ جہان میں انسان کو ایک غذا کا کام دیگا
جنہوں نے اس غذا کو سمجھا نہیں اور یہ بات ماننے کے لائق ہے کہ کھانے پینے کی تمام اشیاء
خداوند تعالیٰ کے خزانہ رحمت سے انسان کو ملتی ہیں تو جن اشیاء کو وہ یہاں چھوڑتا ہے ان کا
عوض وہاں ضرور ملے گا جو یہاں سے بہتر و افضل ہوگا

(۱۳) روزہ محبت الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا
چھوڑ دیتا ہے اور دنیا کے تعلقات بھی اس کو بھول جاتے ہیں ایسے ہی روزہ دار خدا کی محبت میں
سرشار ہو کر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ روزہ غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے

ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی خصوصیت کی وجہ ۔ ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی وجہ یہ
خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن ترجمہ۔
یعنی ماہ رمضان وہ برکت والا مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا چونکہ رمضان میں قرآن کریم
نازل ہوا لہٰذا یہ مہینہ برکات الٰہیہ کے نزول کا موجب ہے اس لئے اس میں روزہ رکھنے سے اصل
غرض جو لعلکم تتقون میں مذکور ہے وہ بوجہ اکمل حاصل ہوتی ہے

ماہ رمضان میں ختم قرآن مسنون ہونے کی وجہ ۔ اس مہینہ میں قرآن کریم کا ختم
کرنا اس وجہ سے مسنون ہے کہ قرآن کریم کا نزول اسی مہینہ میں ہوا ہے پس جو شخص اس مہینہ

میں قرآن کریم کو ختم کرتا ہے وہ ساری اصلی اور عقلی برکات کا وارث ہو جاتا ہے وجہ یہ کہ ماہ رمضان ساری اسلامی برکات و خیرات کا جامع ہے جو کچھ دینی برکت اور خیر جو تمام سال میں کسی کو ملتی ہے وہ اس عظیم الشان مادی برکات و خیرات کے راستے سے آتی ہے اس مہینہ کی جمعیت سارے سال کی جمعیت کا باعث ہوتی ہے اور اس مہینہ کا تفرق سارے سال کے تفرق کا سبب ہوتا ہے کیونکہ منبع خیرات و برکات مصلح عالم اصغر و اکبر یعنی قرآن کریم کا قدوم میمنت لزوم و نزول اسی مہینہ میں ہوا ہے شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ترجمہ: یعنی رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا

تعجیل افطار روزہ و تاخیر سحر کی وجہ: ہر عمل کو اپنے اپنے مناسب و موقع پر ادا کرنا اعتدال ہے اگر آنحضرت ﷺ روزہ کی ابتدا و انتہا کی حد کمی بیان نہ فرماتے تو بعض لوگ عشاء تک روزہ افطار کرتے یا ابتداء شب کی حد کو مقدم کر دیتے اور پھر ان کی تقلید سے ماسندوں کو تکلیف پہنچتی

رات کو روزہ مقرر نہ ہونے کی وجہ: چونکہ رات کا وقت بالطبع ترک شہوات و لذات کا ہے لہذا اگر رات کا وقت روزہ کے لئے قرار دیا جاتا تو عبادت کو عادت سے اور حکم شرع کو مقتضائے طبع سے امتیاز نہ ہوتا اسی واسطے نماز تہجد اور وقت تلاوت اور مناجات شب کو قرار دیا گیا۔

ہر سال میں ایک مہینہ روزوں کے لئے مخصوص ہونے کی وجہ: (۱) چونکہ روزہ کی روزانہ پابندی ہمیشہ کے لئے تمام لوگوں سے باوجود تدابیر ضروریہ اشتغال باہلی و اموال ممکن نہ تھی لہذا یہ ضروری ہوا کہ کچھ زمانے کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا اہتمام و التزام کیا جاوے جس سے قوت ملکی کا ظہور ہو جائے اور اس سے پیشتر جو اس میں کمی ہوئی ہے اس سے اس کا تدارک ہو جائے اور اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہو جاوے جسکی پچھاڑی اگاڑی میخ سے بندھی ہوتی ہے اور وہ دو چار بار ادھر ادھر اچھل کر پھر اپنی اصلی تھان پر آن کھڑا ہوتا ہے۔

(۲) یہ بات ضروری ہے کہ روزہ کی ایک مقدار مقرر کی جاوے تاکہ کوئی شخص اسمیں افراط

و تقریبات کر سکے لہٰذا امور مذکورہ روزہ کے لحاظ سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینہ تک ہر دن رات کھانے اور پینے اور جماع کرنے سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزہ کا انضباط کیا جاوے کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھاوے اور اگر رات کو ان امور کے ترک کرنے کا حکم دیا جاتا تو لوگ اس کے عادی نہیں ہوتے اس کی وجہ سے ان کو کچھ پرواہ ہوتی اور ہفتہ دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جس کا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا اور دو مہینے کی ایسی مقدار ہے کہ اس میں آنکھیں گڑ جاتیں اور نفس تھک کر رہ جاتا۔ ان امور سے روزہ کے لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک دن کا انضباط کیا جاوے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں۔

(۳) چونکہ روزہ تمام قسم کے نفسانی زہروں کے دفع کرنے کے واسطے ایک طرح کا تریاق ہے اور اس میں طبیعت کو تکلیف بھی ہوتی ہے لہٰذا بقدر ضرورت اس کی ایک معین مقدار ہونی چاہیے چونکہ غذا اتنی کم ہو جس سے کچھ فائدہ ہی نہ ہو ورنہ اس قدر افراط کر دی جائے کہ اس سے اعضا میں ضعف آ جائے اور دل فرحت باقی رہے اور نفس کمزور ہو جائے اور انسان بالآخر اس محنت سے قبر ہی میں جلدی نہ چلا جائے اور یہ معتدل مقدار وہی ہے جو مشروع ہوئی پھر کھانے پینے میں کمی کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ مقدار میں تھوڑا سا استعمال کرے یہ طریقہ تو عام قانون کے تحت میں مشکل آ سکتا ہے اس لئے کہ لوگوں کے مختلف درجے ہیں کوئی تھوڑا کھاتا ہے اور جتنے طعام سے ایک شخص سیر ہو جاتا ہے دوسرا بھوکا رہتا ہے سو اس میں انضباط نہ ہوتا اور ہر شخص بہت کھا کر کہہ دیتا کہ میں نے اپنی بھوک سے کم کھایا ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کھانے کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ معمول سے زیادہ ہو یہی طریقہ شریعت میں معتبر ہے کیونکہ تمام صحیح المزاج آدمیوں کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ لوگ عام طور سے صبح و شام دو مرتبہ کھاتے ہیں یا دن رات میں ایک ہی بار کھاتے ہیں باقی یہ نہیں ہو سکتا کہ روزہ اور لوگوں کو کم کھانے کی تکلیف دی جائے مثلاً کہا جاوے کہ تم لوگ اس قدر کھایا کرو کہ حیوانیت مغلوب رہے ایسا حکم دینا موضوع شریعت کے

خلاف ہے مثل مشہور ہے کہ جو ہیز بیچے کو جو وابادہ ئے وہ خود ظالم ہے ہاں غیر واجبات میں ایسا کرنا مناسب نہیں۔ پھر یہ بھی لازم ہے کہ وہ فاصلہ اتنی دیر کا نہ ہو کہ اس سے نقصان پہنچے اور قوت کا استیصال ہو جائے مثلاً تین رات دن برابر بھوکا رہنے کا حکم ہو تا اس لئے کہ یہ موضوع شریعت کے خلاف ہے اور ہر ایک کو اسکی تکلیف نہیں دی جاسکتی اور یہ بھی ہونا چاہیے کہ بھوکے پیاسے رہنے کیلئے باربار کی بھی قید ہو تاکہ ریاضت اور اطاعت کا مادہ پیدا ہو ورنہ ایک بار بھوکے رہنے سے خواہ وہ کیسی ہی قوی اور سخت بھوک ہو کیا فائدہ ہو گا۔

ان مقدمات کے تسلیم کرنے پر ماننا پڑے گا کہ روزہ پورے دن بھر کا کامل ایک مہینہ تک ہونا چاہیے کیونکہ دن بھر سے کم تو ایسا ہے کہ دن کا کھانا ذرا تاخیر کر کے کھایا جاوے۔ اور اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ رات کے کھانے کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور ایک دو ہفتہ بہت تھوڑی مدت ہے جس کا اثر نہیں ہو سکتا اور دو مہینہ تک روزہ رکھنے سے طبیعت بہت کمزور ہو جاتی ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔

(۴) چونکہ رزہ کے قانون کو عام ہونا چاہیے اس لئے کہ اس میں سب کی اصلاح و تہذیب مقصود ہے لہٰذا ہر شخص اس بات کا مجاز نہ ہو کہ جس مہینے میں آسانی سمجھے روزہ رکھ لے اس لئے کہ اس میں باب معذرت کے وسیع ہو جانے کا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے انسداد کا اور اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت میں سستی ہو جانیکا اندیشہ ہے۔

(۵) مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کا ایک وقت میں کسی ایک چیز کی پابندی کرنے سے ایک دوسرے کو اس کام میں مدد ملنے کی آسانی ہو گی اور کام کرنے کی ہمت پیدا ہو گی۔

(۶) ایک کام کو ایک ہی وقت میں ساری دنیا کے مسلمانوں کا بالاتفاق مل کر کرنا ان کے لئے باعث نزول رحمت الٰہی اور ان میں صورت اتفاق و اتحاد کے لئے مفید ہے یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے خداتعالیٰ نے روزوں کا ایک ہی مہینہ معین و مشخص کیا ہے پس جو شخص اس نظام الٰہی کو بغیر عذر کے توڑتا ہے اس پر بجائے رحمت کے زحمت کا نزول ہوتا ہے۔

یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہونے کی وجہ سوال۔ یکم شوال کا روزہ رکھنا حرام اور رمضان کا آخری روزہ فرض ہونے کا کیا راز ہے باوجودیکہ دونوں یوم یکساں ہیں۔

جواب۔ یہ دونوں یوم مرتبہ اور درجہ میں برابر نہیں اگرچہ طلوع و غروب آفتاب میں یکساں ہیں مگر حکم الٰہی میں یکساں نہیں ہیں کیونکہ ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس کے روزے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں اور یکم شوال لوگوں کی عید و سرور کا دن ہے جس میں خدا تعالیٰ نے لوگوں پر کھانا پینا بطور شکر گذاری بندگان خدا مباح کیا ہے اسی لئے اس دن سب لوگ خدا تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں لہذا خدا تعالیٰ کے مہمان کو واجب ہے کہ اس کی دعوت و ضیافت کو قبول کرے یہ امر خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ اس دن کوئی شخص روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کی دعوت و ضیافت کو رد کرے مہمان کے لوازم و آداب میں سے یہ امر بھی ہے کہ روزہ رکھے تو صاحب خانہ یعنی میزبان کے اذن سے رکھے پس جبکہ یکم شوال کو اہل اسلام خدا تعالیٰ کے خاص مہمان ہوتے ہیں تو پھر اس دن کسی کو روزہ رکھنا جائز ہو سکتا ہے؟ یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ہے کہ خدا نے رمضان کا آخری روزہ رکھنا فرض کیا کیونکہ یہ روزہ خدا تعالیٰ کے اتمام نعمت و خاتمہ عمل کے لئے ہے اور شوال کی یکم کو روزہ رکھنا حرام ہو کیونکہ وہ ایسا دن ہے کہ اس میں تمام مسلمان اپنے پروردگار کے مہمان ہوتے ہیں یوں تو تمام مخلوق خدا تعالیٰ کی دائمی مہمان ہے مگر یہ دن ان کی ایک مخصوص مہمانی و ضیافت کا ہے جس کو رد کرنا گناہ عظیم ہے۔

ماہ رمضان کی راتوں میں تقرر نماز تراویح کی وجہ :(۱) ماہ رمضان کی راتوں میں نماز تراویح اس لئے مقرر ہوئی کہ طبعی خواہشوں کی کمال مخالفت ثابت ہو کیونکہ طبیعت روزہ کی سستی و محنت و مشقت کو دفع کرنے کے لئے استراحت و آرام چاہتی ہے لہذا ایسی ایک عبادت کا تقرر ہوا کہ جس سے عادت و عبادت میں امتیاز ہو۔

(۲) ماہ رمضان نزول خیر و برکات و انوار کے لئے مخصوص ہے لہذا اس مہینے کی راتوں میں بھی

لیلۃ ہی میں عبادت کا اجر زیادہ ہے کیونکہ اکثر برکات، انوار الٰہی کا نزول رات ہی کو ہوتا ہے۔

ماہ رمضان کے عشرہ اخیر میں مسجد کے اندر معتکف ہونے کی وجہ

لفظ اعتکاف عکف سے نکلا ہے جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں چونکہ معتکف جب کہ روزہ دار بھی ہو تمام حوائج دنیویہ و اغراض نفسانیہ سے اپنے کو بقصد عبادت الٰہی مسجد میں روک کر کے اس کے در پر اپنے کو گرا دیتا ہے اس لئے اس فعل کا نام اعتکاف ہوا اور وہ مسنون بھی ہے چنانچہ بروایت ابی بن کعبؓ ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان کے عشرہ اخیر میں اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے پس روزہ عاشقانہ رنگ میں ایک تصویری زبان کی درخواست ہے اور اعتکاف عاشق کا دروازہ معشوق پر اپنے آپ کو بحالت تضرع و زاری پیش کرنا ہے گویا معتکف اپنے آپ کو درگاہ الٰہی میں ایسا تصور کرتا ہے جیسا کہ ایک الحاح کنندہ سائل کسی کے دروازہ پر معتکف ہو جاتا ہے اور اپنی حاجت و مراد حاصل ہوئے بغیر نہیں ہٹتا یہ کہ عاشق زار کی طرح اپنے معشوق کے دروازے پر بھوکا پیاسا رہ کر اور دنیا کی تمام حوائج و اغراض سے فارغ و لاابالی ہو کر محض جلوہ محبوب و معشوق کے لئے اس کے دروازے پر معتکف ہو جاتا ہے اور جب تک اس کا معشوق اس کو اپنا منہ نہ دکھائے اس کے در سے نہیں ہٹتا اور اسکے شوق میں ساری لذات کو چھوڑ کر اس کے در پر آکر سر رکھ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اعتکاف خانہ خدا یعنی مسجد کے بغیر کہیں جائز نہیں کیونکہ عاشق طالب دیدار کو اپنے معشوق کے دروازے ہی پر گرنا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ حالت اعتکاف معتکف کو رات میں بھی اپنی عورت سے مباشرت کرنی جائز نہیں کیونکہ صادق عاشق کو ان باتوں کا کہاں خیال رہتا ہے اور یہ ماہ رمضان کے عشرہ آخری میں لیلۃ القدر کا ظہور روایات میں مذکور ہے وہ اسکی ہی تجلی ہے جس کا اصلی ظہور ایسے ہی عاشق پر ہوتا ہے

بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے والے کا روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ

سوال۔ جب کہ صوم کے معنی ترک کرنے اور روکنے کے ہیں تو جو شخص بھول کر کوئی چیز کھا پی لے اس

نے جب صوم اور صفت ترک کی تو دیکھنا اس کا روزہ کیونکر باقی رہ سکتا ہے۔

جواب۔ اگر روزہ دار بھول کر کسی چیز کا قصد صوم کا استعمال کرے تو بھی اسباب ترک شرعی اس کے حق میں موجود ہے کیونکہ شارع نے اس کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ فرمایا: انما الله اطعمه وسقاه ترجمہ: یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو کھلایا اور پلایا۔ پس اس شخص روزہ دار کا فعل جب معدوم ہو جاتا ہے اگرچہ صورۃً کھانے والا ہوتا ہے اور امساک جس کے معنی صوم کے حقیقی روزہ کے ہیں وہ حکمی طور پر اسی طرح سے موجود ہے۔

سال میں چھتیس روزے رکھنے سے صائم الدہر بننے کی حکمت۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں من صام رمضان فاتبعه ستاً من شوال كان كصيام الدهر۔ ترجمہ یعنی جو شخص رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھا کرے تو ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ اور ان روزوں کی مشروعیت میں یہ بھید ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات ہے کہ ان کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکی کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہو سکتا ہے یعنی ۳۰ + ۶ = ۳۶ کو ۱۰ کے ساتھ ضرب دینے سے تین سو ساٹھ حاصل ضرب ہوتے ہیں۔

ماہ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند ہونے اور بہشت کے دروازے کھلنے کی وجہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ سے راوی ہیں اذا جاء شهر رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب النار وصفدت الشياطين۔ ترجمہ یعنی جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو بہشت کے دروازے کھلتے اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور

شیطان جکڑے جاتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا میں عام شرور اور بدیاں جو انسانوں سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان کی سیری و قوت جسمی کی وجہ سے ہوتی ہیں سو جب روزہ کے سبب قوت جسمی میں فتور آجاتا ہے تو گناہوں میں کمی ہو جاتی ہے پس جب انسان محض خداتعالیٰ کے لئے بھوکے اور پیاسے ہوتے اور گناہوں کو ترک کرتے ہیں تو ان کے لئے رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور بہشت کے دروازے ان کے لئے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا بھی ظاہر ہے کہ جب گناہوں کا دروازہ ہی بند ہو گیا جس کے باعث سے غضب الٰہی کی آگ بھڑکتی ہے تو بیشک دوزخ کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے اور شیاطین کا جکڑا جانا بھی ظاہر ہے کہ جب بنی آدم کے رگ وریشہ و جسم میں توانائی اور شکم میں سیری ہوتی ہے تو گناہوں کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے اور اندر سے پٹھوں اور ریشوں سے شیطانی تحریکات شروع ہو جاتی ہیں مگر جب سارے جسم میں بھوک اور پیاس کا اثر ہوا اور حکم الٰہی شہوانی قوئی کو روزہ کی خاطر دبا دیا جاوے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح سے شیطان جکڑے جاتے ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ان الشیطان یجری من بنی ادم کمجری الدم ۔ ترجمہ ۔ یعنی شیطان بنی آدم کے رگ وریشہ میں خون کی طرح جاری اور رواں رہتا ہے ۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ شیطان کا مقام یعنی آدم کے رگ وریشہ میں ہوتا ہے پس جب رگ وریشہ کی قوتوں میں فتور آجاوے اور شیطانی تحریکات کا صوم کے سبب ظہور نہ ہو تو بعض کے قول پر یہی شیطان کا جکڑا جانا ہے اور ظاہر حدیث سے ظاہری جکڑا جانا معلوم ہوتا ہے دنیا میں جب کسی معزز کی آمد ہوتی ہے۔ مفسدوں کو خاص طور پر نظر بند کر دیا جاتا ہے پس رمضان میں خاص برکات و تجلیات کی آمد سے بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے اور پھر بھی جو گناہ ہوتے ہیں وہ نفس کے سبب ہوتے ہیں نہ کہ شیاطین کے سبب۔

قطب جنوبی و شمالی میں روزہ ماہ رمضان مقرر نہ ہونے کی وجہ: سوال:۔ قطبین پر چھ چھ مہینے کے دن رات ہوتے ہیں اور اس کی وجہ بیان ذیل سے اسی سوال میں واضح ہوگی؟

جب آفتاب خط استوا پر ہوتا ہے تو اس کی روشنی دونوں قطبوں تک پہنچتی ہے لیکن جس قدر سورج
خط استوا سے شمال کی طرف آتا ہے اسی قدر اس کی روشنی قطب شمالی سے آگے بڑھتی اور قطب
جنوبی سے دور ہٹتی آتی ہے اور اسی واسطے قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی جاتی ہے
مگر سورج خط استوا سے تین مہینوں میں تو شمال کی طرف آکر خط سرطان پر پہنچتا ہے اور پھر تین ہی
مہینہ میں خط سرطان سے خط استوا پر آتا ہے پس ان چھ مہینوں میں قطب شمالی آفتاب کی روشنی
سے منور اور قطب جنوبی اس سے غائب ہوتا ہے اور ایسے ہی باقی چھ مہینے جب آفتاب نصف کرہ
جنوبی اس سے غائب ہوتا ہے اور ایسا ہی باقی چھ مہینے جب آفتاب نصف کرہ جنوبی میں ہوتا ہے
قطب جنوبی تو آفتاب کی روشنی سے منور اور قطب شمالی تاریکی میں ہوتا ہے اور اسی واسطے ان دنوں
قطب جنوبی پر دن اور قطب شمالی پر رات ہوتی ہے یعنی ۲۱ مارچ سے ۲۲ ستمبر تک آفتاب کے
نصف کرہ شمالی میں رہنے کے سبب قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی ہے پس جہاں
رات چھ ماہ کی اور دن بھی چھ ماہ کا ہو وہاں روزہ رکھنے کا کیا انتظام ہوگا کسی انسان کی اتنی طاقت
و وسعت نہیں کہ اتنے بڑے دن یعنی چھ ماہ کا روزہ رکھ سکے اور چھ ماہ تک غروب آفتاب کا انتظار
کرے اور بھوکا پیاسا رہے مثلاً گرین لینڈ میں جو جاوے وہاں اس کے روزہ کا انتظام ہو۔

جواب:۔ قطبین اور گرین لینڈ وغیرہ پر روزہ رکھنے کے مسئلہ کو قرآن کریم نے کھلا نہیں ویسا ہی
واضح کر کے بتادیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ **فمن شهد منكم الشهر فليصمه** ترجمہ:۔ یعنی جو
شخص ماہ رمضان کو پاوے وہ اس میں روزہ رکھے۔ پس جہاں رمضان کی نوبت ہی نہیں آتی اور جہاں
رمضان موجود ہی نہیں ہے وہاں روزہ بھی نہیں ایسے مقامات پر یہی حال نماز کا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ
فرماتے ہیں۔ **ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا**۔ تو جہاں پر اوقات نہیں وہاں
عبادت موقت بھی نہیں جس طرح چور کا ہاتھ کاٹنا قرآنی حکم اور اسلام کا عمل درآمد تھا اور ہاتھ کٹے
چور مسلمان بھی ہو جاتے اور ہوتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے اور قرآن کریم میں وضو اور تیمم
کے وقت دونوں ہاتھوں کا دھونا مسح کرنا بھی ضروری تھا مگر جہاں ہاتھ ہی نہیں ان کا دھونا کیسا۔

اسی طرح جہاں رمضان ہی نہیں وہاں رمضان کے روزے بھی نہیں ہوں گے۔ یہ قول بعض علماء کا ہے اور
بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مقصود بالذات تو نماز اور روزہ ہے اور اوقات کی تعیین وہاں ہے جہاں
اوقات ہوں اور جہاں اوقات نہ ہوں وہاں وہ عبادت مقصودہ ساقط نہیں ہوں گی وقت کا اندازہ
کر کے نماز بھی پڑھی جاوے گی اور روزے بھی رکھا جاوے گا اور احتیاط اسی قول میں ہے اور اگر کسی
کے نزدیک آیت موصوفہ اس حکم پر دلالت کرنے کے لئے کافی نہ ہو اور اس وجہ سے اس حکم کو
غیر مذکور فی القرآن کہا جاوے تو اس صورت میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بالعموم قطبین پر
بنی آدم کے علاوہ دوسرے حیوانات کی آبادی بھی بوجہ لگاتار برف و آب و ہوا وقت قریباً ناممکن
نظر آتی ہے اس لئے جہاں خدا نے بنی آدم کی آبادی ہی نہیں رکھی وہاں روزہ کا تعین بھی نہیں ہوا
خوب سوچو کہ بادشاہی احکام کا نفاذ اجراء وہاں ہی ہوتا ہے جہاں اس کی رعیت ہو اور جہاں اس کی رعیت
ہی نہ ہو وہاں احکام کا اجراء بھی نہیں ہوتا۔

اور پہلے جواب کی شرح یہ ہے کہ ماہ رمضان جو کہ روزوں کا مہینہ ہے قمری ہے چنانچہ خدا تعالیٰ بعد
ایجاب صوم اس کا وقت بتلانے کے لئے فرماتے ہیں۔ شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن۔
یعنی رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا اور ظاہر ہے کہ رمضان قمری مہینہ ہے اور
ہر قمری مہینہ ۲۹ دن بارہ گھنٹے اور ۴۴ منٹ کا ہوتا ہے۔

اذا فات الشرط فات المشروط اور علماء کا اختلاف اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

وجہ تقرر صدقہ فطر: (۱) عید الفطر میں صدقہ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اول تو اس
کے سبب عید الفطر کے شعار الٰہی میں سے ہونے کی تکمیل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اس میں روزہ
داروں کے لئے طہارت اور ان کے روزوں کی تکمیل ہے جس طرح کہ نماز میں فرائض کی تکمیل کے
لئے سنتیں مقرر کی گئی ہیں ایسا ہی یہ صدقہ مقرر ہوا۔

(۲) اغنیاء اور دولتمندوں اور وسعت والوں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے مگر مساکین

و مفلسوں میں بوجہ ناداری کے اسی طرح سے شکل صوم موجود ہوتی ہے لہذا خدا تعالیٰ نے ذی وسعت لوگوں پر بوجہ شفقت علی خلق اللہ لازم ٹھہرایا کہ مساکین کو عید سے پیشتر صدقہ دے دیں تاکہ وہ بھی عید کر لیں یہاں تک کہ نماز عید پڑھنے سے پیشتر ہی ان کو صدقہ دینا لازم ٹھہرایا اور اگر مساکین کثرت سے ہوں تو یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرنے کا ایما ہوا تاکہ مساکین کو یقین ہو جاوے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جاوے گی۔

ہر ذی وسعت مسلمان پر صدقہ فطر ایک صاع جو یا چھوارے یا نصف صاع گندم مقرر ہونیکی وجہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقہ فطر ہر غلام اور آزاد مرد اور عورت چھوٹے اور بڑے پر ایک صاع چھوارے یا جو یعنی انگریزی نمبری سیر سے ساڑھے تین سیر یعنی گندم جس ظرف میں آجاویں کہ وہ ظرف ایک صاع کا ہوتا ہے اس ظرف کو بھر کر چھوارے یا جو اس لئے مقرر فرمائے ہیں کہ غالباً یہ مقدار ایک چھوٹے کنبے کو ایک روز کے لئے کافی ہوتی ہے اس سے فقیر و مسکین کی حاجت پورے طور سے رفع ہو جاتی ہے اور غالباً کوئی شخص ایک صاع دینے سے ضرر بھی نہیں پاتا اور جو کے ایک صاع کی جگہ گندم کا نصف صاع مقرر کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت میں بہ نسبت جو کے گیہوں کی گرانی تھی اس لئے امراء اس کو کھا سکتے تھے اور مساکین گیہوں نہ کھاتے تھے۔

باب العیدین

تقرر عید الفطر کا راز: ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانے کھائے جاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے لکل قوم عید و ھذا عیدنا یعنی ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(۲) یہ وہ دن ہے کہ جب لوگ اپنے روزوں سے فارغ ہو چکتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کر

چکتے ہیں تو اس دن ان کے لئے دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان کو اس کے لئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے اور عقلی خوشی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی ان کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل و عیال کو اس سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا اس لئے ان خوشیوں کے اظہار کا حکم ہوا۔

تقرر عیدین کی وجہ: ہر قوم میں کچھ دستور اور رسمیں اور عادتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے میلے بھی ہیں جن کا تمام متمدن اور غیر متمدن قوموں میں رواج ہے میلے کے دن خوراک لباس وملاقات میں خاص اور نمایاں تبدیلی ہوتی ہے اور یہ فطرتی چیز تھی مگر اس میں بڑھتے بڑھتے ہوا وہوس کو بہت دخل ہو گیا بہت میلے تجارت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں چنانچہ ہندوستان میں تجارت کے ایسے بہت سے میلے ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہر ہفتہ کسی نہ کسی گاؤں میں میلا ہوتا ہے بعض میلوں میں جانوروں کو جمع کرتے ہیں جسے منڈی کہتے ہیں غرض کہ ان میلوں کی تہ میں عجیب عجیب مقاصد کام کر رہے ہیں بعض تو اپنے گذارے کے لئے میلا لگاتے ہیں اور بعض خاص چندے اور نذر و نیاز کے لئے اور بعض محض اپنی عظمت اور شان کے اظہار کیلئے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کے جہاں بڑے بڑے احسانات ہیں ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میلوں کی اصلاح کر دی ہے چونکہ یہ ایک فطرتی بات تھی اس لئے ان کو اصل سے ضائع نہیں کیا صرف اصلاح کر دی اور وہ یوں ہے کہ آپ نے جہاں اور قسم کے رسم و رواج کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم و شفقت علی خلق اللہ کے تحت میں لے لیا وہاں ان میلوں میں بھی یہی بات پیدا کر دی چنانچہ عید میں آپ نے اول تکبیر کو لازم ٹھہرایا اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کے اظہار کے لئے وہ لفظ مقرر کیا جس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے صفات میں اکبر سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے اور جامع جمیع صفات کاملہ ہونے کے لحاظ سے اللہ سے بڑھ کر اس مفہوم کی جامعیت کو کوئی لفظ ظاہر نہیں کر سکتا یہ تو تعظیم لامر

اللہ ہے اور مخلوق پر شفقت کرنے کے لئے رمضان کی عید میں صدقہ فطر کو لازم ٹھہرایا یہاں تک کہ نماز میں اس وقت جانے کہ اولیٰ اس کو ادا کرے اصل حکمت یہی ہے اور پھر بعض مواقع میں یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرے تاکہ مساکین کو یقین ہو جاوے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جاوے گی اور عید قربان میں مساکین وغیرہم کے لئے سید الطعام لحم یعنی گوشت کی مہمانی مقرر فرمائی۔ یہ چیزیں آنحضرت ﷺ نے اس بات کے لئے کی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے جو فرائض انسان پر ہیں اور جو فرائض مخلوق کے ہیں ان کو پورا کریں دنیا کے کسی میلہ کو دیکھو کہ ان میں ان حقوق کی حفاظت اور یہ حکمت کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں جو عیدین میں ہیں

تقرر عید قربان کی وجہ: عبادات کے اوقات مقرر ہوتے ہیں یہ بھی حکمت ہے کہ اس وقت میں انبیاء علیہم السلام نے جو طاعت وعبادت الٰہی کی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کو قبول کرلیا ہو اس وقت کے آنے سے ان کی جاں نثاری یاد آکر اس عبادت کی طرف رغبت ہو چنانچہ یہ عید الضحیٰ کا دن وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم پروردگار خدا تعالیٰ کے حضور میں ذبح کر کے پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جان کے بدلہ میں ایک ذبح عظیم عنایت کیا اس لئے اس عید میں قربانی اس مصلحت سے مقرر کی گئی کہ اس میں ملت ابراہیمی کے ائمہ کے حالات اور ان کے جان ومال کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کی غایت درجہ صبر کرنے کی یاد دہانی کر کے لوگوں کو عبرت دلائی گئی ہے اور نیز حاجیوں کے ساتھ تشبیہ اور ان کی عظمت ہے اور جس کام میں وہ حجاج مصروف ہیں اس کی طرف دوسرے لوگوں کو ترغیب ہے۔

عیدین میں نماز اور خطبہ مقرر ہونے کی وجہ: عیدین میں خطبہ اور نماز اس لئے مقرر ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی اور شعائر دین کی تعظیم اور جلال الٰہی کے استحضار سے خالی نہ ہو تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ہر قوم کے لئے ایکدن مخصوص ہوتا ہے کہ اس میں

اپنے تجمل کا اظہار کرتے ہیں اور خوب زیب و زینت کے ساتھ اپنے شہروں سے باہر نکلتے ہیں یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی قوم عرب و عجم میں خالی نہیں ہے جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ان کے بھی دو دن ایسے مقرر تھے کہ وہ ان میں لہو و لعب یعنی کھیل کود کرتے تھے تب آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے بجائے ان دونوں کے اور دو بہتر دن دیئے ہیں اور وہ یوم اضحیٰ اور یوم فطر ہیں اور ان کے تبدیل کرنے کی یہ ضرورت ہوئی کہ لوگوں میں جو دن خوشی کا ہوتا ہے مقصود اس سے کسی نہ کسی دین کے شعائر کا اظہار یا کسی مذہب کے اکابر کی موافقت یا اس قسم کی بات ہوتی ہے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو خیال ہوا کہ اگر ان کو آپ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو اندیشہ ہو کہ اس میں جاہلیت کی کسی رسم کی تعظیم یا جاہلیت کے اسلاف کے کسی طریقہ کی ترویج ان کو مقصود نہ ہو اس لئے آپ نے بجائے ان دنوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا کہ ان میں ملت ابراہیم حنیف کے شعائر کی عظمت ہے اور آپ نے اس دن کے تجمل کے ساتھ ذکر خدا اور دیگر عبادات کو بھی ملا دیا کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع صرف لہو و لعب نہ ہو بلکہ ان کے اکٹھے ہونے سے اعلاء کلمۃ اسلام ہو لہذا تکبیر کہنا بھی مسنون کیا گیا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولتکبروا اللّٰہ علیٰ ماھدٰکم یعنی خدا تعالیٰ نے جو تم کو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی کو بیان کرو۔

عیدین کے دنوں میں عمدہ غذا کھانے اور نفیس لباس پہننے کی وجہ: جب کہ عید کا دن خدا تعالیٰ کی یہ خاص ضیافت و مہمانی کا دن ہے تو اس میں ضرور ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ خاص ضیافت جو کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہے وہ عمدہ اور نفیس طعام سے ہو اور اس کی قدر کی جائے لہذا اعلاء و نعمائے الٰہی سے خدا تعالیٰ کی طرف سے عمدہ کھانے پکائے جائیں اور اکل و شرب و لباس میں حد جائز تک وسعت کی جائے کیونکہ اسی میں خدا تعالیٰ کی ضیافت و دعوت کی تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے اور چونکہ یہ ضیافت الٰہی کا دن ہے اس لئے مومن کو چاہیے کہ کھانے میں توسیع کرے اور غربا کی خبر گیری کرے۔

عیدین کی نمازوں میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ تکبیر الٰہی میں خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا پورا پورا اظہار و ترک ماسوا مد نظر ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ لوگ عیدین کے دنوں میں بکثرت اپنے شان، شوکت اور تجمل کا اظہار کرتے ہیں اسی لئے اس کے مقابلہ میں مشروع ہوا کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اور اس کو مد نظر رکھو کیونکہ اسی نے تم کو اس دن شان و شوکت کی اجازت دی ہے پس یہ بڑائی و کبریائی اسی کا استحقاق ہے اور ہر تکبیر میں کانوں پر ہاتھ لیجانا ترک کبر ہے و ترک ماسوا کی طرف ایما ہے اور بڑائی اور عظمت سے جدا ہونے کی تعلیم ہے پھر جہاں کہیں جائز فعل کی کثرت کا اظہار ہو اس کو حد اعتدال لانے کے لئے اس کے اضداد مقرر ہیں پس عیدین میں کہ جس میں تنعم و تجمل کی کثرت ہے کثرت تکبیرات کا راز کثرت توجہ الی اللہ و ترک التفات ماسوا ہے۔

باب الاضحیٰ

تقرر قربانی کی وجہ ۔۔ قربانی اصل قربان سے ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے قربان بالضم وھو مایتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ یقال قربت للہ یعنی قربان اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ انسان خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتا ہے چنانچہ کہتے ہیں قربت للہ قربانا۔

چونکہ انسان قربانی سے قرب الٰہی کا طالب ہوتا ہے اس لئے اس فعل کا نام بھی قربانی ہوا۔

(۱) دراصل قربانی کیا ہے ایک تصویری زبان میں تعلیم ہے جسے جاہل اور عالم سب پڑھ سکتے ہیں وہ تعلیم یہ ہے کہ خدا کسی کے خون اور گوشت کا بھوکا نہیں وہ تو وھو یطعم ولا یطعم ہے ایسا پاک اور عظیم الشان نہ تو کھالوں کا محتاج ہے نہ گوشت کے چڑھاوے کا بلکہ وہ تمہیں سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی خدا کے حضور میں اسی طرح قربان ہو جاؤ اور یہ بھی تمہارا ہی قربان ہوتا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنا قیمتی پیارا جانور قربان کرو۔

(۲) جو لوگ قربانی کو خلاف عقل کہتے ہیں وہ سن لیں کہ کل دنیا میں قربانی کا رواج ہے اور قوموں

کی تاریخ پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کے بدلہ میں قربان کی جاتی ہے یہ سلسلہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں میں پایا جاتا ہے ہم چھوٹے تھے تو یہ بات سنی تھی کہ کسی کو سانپ زہریلا کاٹے تو وہ انگلی کاٹ دی جائے تاکہ کل جسم زہریلے اثر سے محفوظ رہے گویا انگلی تمام جسم کے لئے قربان کی گئی ہے۔

(۳) اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آجائے جو کچھ ہمارے پاس ہو اسی کی خوشی کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے گھی۔ آٹا گوشت وغیرہ قیمتی اشیاء اس پیارے کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔

(۴) اس سے زیادہ عزیز ہو تو مرغے مرغیاں حتیٰ کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر گائے اور اونٹ بھی عزیز مہمان کے لئے قربان کر دیئے جاتے ہیں۔

(۵) طب میں دیکھا گیا ہے کہ وہ قومیں جو اس کے جائز نہیں سمجھتیں کہ کوئی جاندار قتل ہو وہ بھی اپنے زخموں کے سینکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان پر قربان کر دیتے ہیں اس سے اوپر چلو تو ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ لوگوں کو اعلیٰ کیلئے قربان کیا جاتا ہے مثلاً بھنگی ہیں گو تمام قوموں کی عید ہی کا دن ہو مگر ان بیچاروں کے سپرد وہی کام ہوتا ہے بلکہ ایسے ایام میں ان کو زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر کوئی گندگی کسی گذرگاہ میں نہ رہنے دیں گویا ادنیٰ کی خوشی اعلیٰ کی خوشی پر قربان ہوئی

(۶) بعض ہندو گئو رکھشا بڑے زور سے کرتے ہیں لداخ کے ملک میں تو دودھ تک نہیں پیتے کیونکہ یہ بچھڑوں کا حق ہے مگر یہاں کے ہندو دھوکا دے کر اس کا دودھ دوہ لیتے ہیں اور پھر اس سے اور اس کی اولاد سے سخت کام لیتے یہاں تک کہ اپنے کاموں کے لئے انہیں مار مار کر درست کرتے ہیں یہ بھی ایک قسم کی قربانی ہے۔

(۷) ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کیلئے اور وہ افسر اپنے اعلیٰ افسر کیلئے اور وہ اعلیٰ افسر اپنے بادشاہ کے بدلے میں قربان ہوتا ہے۔ پس خدا نے اس فطرتی مسئلہ کو برقرار رکھا اور اس قربانی میں تعلیم دی کہ اعلیٰ

سب کو مار کر ہلاک کرتے اور دنیا سے نکال دیتے ہیں۔

پھر غور کرو اگر ہم جانوروں کو عیدالاضحیٰ پر اس لئے ذبح نہ کریں کہ ہمارا ذبح کرنا رحم کے خلاف ہے تو کیا اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ زندہ رکھے گا اور ان پر یہ رحم ہوتا تو اللہ تعالیٰ شکاری اور گوشت خوار جانوروں کو پیدا نہ کرتا نیز اگر انکو ذبح نہ کیا جاوے تو خود بیمار ہو کر مریں گے۔ پس غور کرو کہ ان کے مرنے میں کیسی تکلیف انکو لاحق ہوگی۔ قانون الٰہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز بڑھنا چاہتی ہے اگر ہر ایک گدھ کے بچے حفاظت سے رکھے جاویں تو دنیا میں گدھ ہی ہوں اور دوسری کوئی چیز نہ ہو مگر دیکھو ہزار جانور اسکا پھل کھاتے ہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس بڑھنے کو روکنا مرضی الٰہی ہے اسی طرح اگر ساری گائیوں کی پرورش کریں تو ایک وقت میں دنیا کی ساری زمین بھی انکے چارے کیلئے کافی نہ ہوگی۔ آخر بھوک پیاس سے خود انکو مرنا پڑیگا جبکہ یہ نظارہ قدرت موجود ہے تو ذبح کرنا خلاف مرضی الٰہی کیوں ہے۔

ذبح انسان ناجائز ہونے کی وجہ: پھر کوئی کہے کہ ذبح انسان بھی جائز ہو سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ فی نفسہ ذبح انسان کیلئے بھی مفید ہے اور یہی وجہ ہے کہ شہادت کو متفق اللفظ ہو کر اعلیٰ کمال مانا مگر انسان کے ذبح نہ کرنے پر اور بہت سے قوی دلائل ہیں۔ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اوروں کے بھی حقوق ہیں کسی کی پرورش ہے کسی کا کچھ اور کسی کا کچھ۔ اگر ایسا حکم دیں تو مشکلات کا ایک بڑا سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے اسلئے قتل انسان مستلزم سزا عرفی اور شرعی قانون میں سخت گناہ کہا گیا ہے۔ الغرض انسان کا قتل اسلئے تجویز نہیں ہوا کہ انسان کے ساتھ بہت سے حقوق ہوتے ہیں انکا ضائع ہونا زیادہ دکھوں کا موجب ہے۔

کتاب الحج

حج وطواف کعبہ کی وجہ:(۱) عبادت حج کا بعض آدم کیلئے موضوع ہونے پر یہ حکمت ہے کہ خداتعالیٰ کی عادت ہے کہ روحانی امور کے مقابل پر جسمانی امور بھی نمونہ کے طور پر پیدا کر دیتا ہے تاکہ وہ روحانی امور پر دلالت کریں اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے ایک انکسار اور تذلل دوسرے محبت وایثار' تذلل وانکسار کیلئے نماز کا حکم ہے جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے یہاں تک کہ دلی سجدہ کے مقابل پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھا گیا ہے تاکہ روح اور جسم دونوں اس عبادت میں ہوں۔

(۲) جسمی سجدہ بیکار اور لغو نہیں۔ اول تو یہ امر مسلم ہے کہ خدا جیسا کہ روح کو پیدا کرنے والا ہے ایسا ہی وہ جسم کا خالق ہے اور دونوں پر اس کا حق خالقیت ہے۔ علاوہ اس کے جسم اور روح ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے ہیں بعض وقت جسم کا سجدہ روح کے سجدہ کا محرک ہو جاتا ہے اور بعض وقت روح بھی جسم کے اندر سجدہ کی حالت پیدا کر دیتی ہے کیونکہ جسم اور روح دونوں باہم مرایا متقابلہ کی طرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب محض تکلف سے اپنے جسم میں ہنسنے کی صورت بناتا ہے تو ایسے اوقات اسکو سچی ہنسی بھی آجاتی ہے جو کہ روح کے انبساط سے متعلق ہے ایسا ہی جب ایک شخص تکلف سے اپنے جسم میں یعنی آنکھوں میں رونے کی صورت بناتا ہے تو ایسے اوقات حقیقت میں بھی رونا آجاتا ہے جو کہ روح کے درد اور رقت سے متعلق ہے پس جب یہ ثابت ہو چکا کہ عبادت کی دوسری قسم میں یعنی محبت وایثار میں بھی انہیں تاثیرات کا جسم اور روح میں باہم تاثر اور تاثیر ہے۔ (۳) محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے پس اسی کے مقابل خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کیلئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور اسکی نسبت فرمایا گیا ہے کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اس لئے دیا تاکہ انسان جسمانی طور پر بھی اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے

سوچ کرنے والے حج کے مقام پر جسمانی طور پر بھی صورت بنا کر اس گھر کے گرد گھومتے ہیں کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں زینت دور کر دیتے ہیں سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کر دیتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہے اور اسی حکمت کے لئے جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہے اور سنگ آستانہ کو چومتا ہے۔

(۴) اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں پڑتے ہیں اس وقت ان کو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی طرح اپنا شوق پورا کریں تو سوائے حج کے اس کو اور کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔

(۵) ہر ملت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک دربار کی ضرورت ہوتی ہے جس سے سب لوگوں میں باہم جان پہچان بھی ہو اور ایک دوسرے سے مستفید بھی ہوں اور اس ملت یا سلطنت کے شعائر کی تعظیم بھی کریں ایسا ہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے تاکہ ایک دوسرے سے ملیں جلیں اور ہر ایک دوسرے سے ان فوائد کو حاصل کر سکیں جو ان کو پہلے سے حاصل نہیں ہیں اس لئے کہ مقاصد باہمی مصاحبت اور ایک دوسرے کے ملنے سے ہی حاصل ہوا کرتے ہیں اور جس سے شعائر دین کی عظمت بھی ظاہر ہو۔

(۶) ائمہ دین کی حالت کو یاد کرنے اور ان کے اختیار کرنے کی آمادگی کے لئے کوئی چیز حج سے زیادہ مفید نہیں ہے۔

(۷) چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے اس لئے اس کی تکالیف کا برداشت کرنا خدا تعالیٰ کی خالص عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔

(۸) آدمی طواف کی وجہ سے ان مقرب ملائکہ الٰہی کے مشابہ ہو جاتے ہیں جو عرش الٰہی کے گرد گھومتے ہیں اور طواف کرتے ہیں۔

(۹) یہ خیال نہ کرو کہ طواف کعبہ سے مقصود صرف جسم کا طواف ہے بلکہ اس طواف سے مراد

پہ دوری کا خوب احتیمال کرتا ہے۔

(۲) حج کے افعال میں اور مسائل کے سخت دشمن ہیں زیب و زینت کو ترک کر نا غرباء کے ساتھ ننگے سر کوسوں چلنا اور پیدل اور مستوں عیاشوں کو کیسی ہی ہمت ہو جانے کا موجب ہے۔ فرض حج کیا ہے اسماعیل کا تجربہ کار اور ہشیار ہوتا ہے۔

(۳) جو اربعہ ایک ملک کے فوائد کو دوسرے ملک تک پہنچانے میں جیسی طاقت دولت مند لوگ رکھ سکتے ہیں ویسی علی العموم غریب لوگ نہیں رکھ سکتے۔

احرام میں صرف بے سلی دو چادروں پہ کفایت کا راز : امراء کے ساتھ جس پر کہ حج فرض ہے ممکن ہے بلکہ ضرور تھا کہ ان کے نوکر چاکر بھی حج کرنے کو جاویں اور یہ لوگ غرباء میں سے مستحق الحج کے مجبور کئے ہوئے بھی ہیں۔ اس لئے اسلام نے بغرض کمال اتحاد اہل اسلام تجویز فرمایا کہ سب سادہ دو چادروں پر اکتفا کر کے امیر و غریب یکساں سر سے ننگے کرتے سے الگ بالکل سادہ وضع پر ظاہر ہوں تا کہ انکی یکتائی اور اتحاد کامل درجہ پر پہنچے۔

حجر اسود کو ہاتھ لگانے اور چومنے پر اعتراض کا جواب : بعض کہتے ہیں کہ مسلمان پتھر کی پرستش کرتے ہیں مگر آریہ اور عیسائی بتائیں کہ عبادت کسے کہتے ہیں۔ عبادت میں استتی (حمد) اور پرارتھنا (یعنی دعا) اور اپاسنا (یعنی دھیان) ضرور ہے۔ بتائیں مسلمان کب اس پتھر سے دعا اور اس کا دھیان اور اسکی استعانت کرتے ہیں۔ کسی اسلامی عبادت میں بشمول اس پتھر کا ذکر تک نہیں جبکہ عبادات اسلامیہ میں تو پتھر کا بھی ذکر نہیں اس کی پوجا ہو گی۔ اگر اسکو ہاتھ لگانا یا چومنا عبادت ہے تو سب لوگ میاں بیوی عورتوں کے عابد اور زمین کے پجاری ہوں گے۔

بات یہ ہے کہ مقدس مقام میں تصویری زبان کے اندر یہ گفتگو ہے کہ نبوت کے محل سرا کونے کا پتھر یہاں مکہ سے نکلا ہے بلکہ مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متی باب ۲۱ میں خود کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے۔

حجر اسود تصویری زبان کا نمونہ ہے: اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں بہت مدت سے تصویری زبان کا رواج تھا اور اب بھی ہے۔ چنانچہ رامچندر جی اور شیوجی کی تصویری قصص ہندوں کے پاس خصوصاً ہند کے قدیم مصوروں کے پاس موجود ہیں۔ سکندر رومی جسکو حضرت دانیال رومی نے ذوالقرنان یعنی ایک سینگ کا بکرا خواب میں دیکھا۔ یہ تصویری زبان کی شہادت ہے۔ دیکھو دانیال باب ۸۔ اسی طرح دارا ایرانی بادشاہ کی تصویری زبان میں گفتگو عام نظموں میں موجود ہے تصویری زبان کی کتابیں اور اخبارات ہند میں بکثرت موجود ہیں۔ اسکندریہ ملک مصر کے ایک جریدہ نگار نے ایک رسالہ قدیمی تصویری زبان کے متعلق لکھ کر شائع کیا ہے جس میں صرف حیوانات و آلات و اشجار وغیرہ کی اشکال ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پہلے اس زبان کا عام رواج تھا اب بھی یہ تصویری زبان ان بلاد میں جہاں تعلیم کا رواج کم ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا زیادہ تر استعمال کیجاتی ہے بلکہ اکثر تصویری زبان بہ نسبت تحریری کے زیادہ قوی ہوا کرتی ہے۔ اسواسطے یادگاروں کو عقلا اور حکما اکثر تصویری تحریروں میں ادا کرتے ہیں۔

یوشع بن نون نے یردن سے گذرتے وقت بارہ پتھر اٹھائے یوشع باب ۹۔ وہ بقول عیسائیوں کے بارہ حواریوں کی پیشین گوئی تھی۔ یہود اور عیسائی غیر قوموں کو اور بعض خواص کو پتھر کہتے تھے یہ انکا محاورہ تھا پطرس کو پتھر اس واسطے کہا کہ کلیسیا کیلئے وہ فون ڈیشن سٹون یعنی بنیادی پتھر ہوا۔ ان باتوں پر خوب غور کرو۔

اب تمہید کے بعد کتب مقدسہ میں ایک پیشین گوئی بہ نسبت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ بہت زور سے درج تھی۔ دیکھو لوقا، ۲۰ باب ۱۲ و ۱۷۔ وہ پتھر جسے راجگیروں نے رد کیا وہی کونے کا سر ہوا اور دیکھو زبور ۱۸۔ ۲۲ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہو گیا۔ متی باب ۲۱۔ توریت ۴۲۔ ۴۴۔ غرض یہ ایک بشارت ہے جو کئی کتب مقدسہ میں مندرج ہے اس بشارت اور پیشین گوئی کے اظہار و تصدیق کیلئے مکہ معظمہ کی بڑی عبادت گاہ میں بطور تصویری زبان کے حجر اسود

کونے پر رکھا گیا تھا۔ محمدیوں سے صدہا سال پہلے سے یہ پتھر اور ایسی عبادت گاہ کے کونے پر منصوب تھا اور عرب کے لوگ اسے چومتے اور اس سے ہاتھ ملاتے گویا قدیم زمانہ میں بعض عرب سے پہلے یہ فقرہ تصویری طور پر مکہ معظمہ کی مقدس مسجد پر رکھا تھا کہ اس شہر میں وہ کونے کا پتھر ظاہر ہوگا۔ جسے یوں کہا جائے گا کہ نبوت اور رسالت کی عظیم الشان اور مستحکم عمارت جو کہ انبیاء اور رسولوں کی وجود ذی جود سے تیار ہوئی ہے۔ اسی پتھر سے پوری ہوئی اور اسی کونے کے پتھر کی یہ شان ہوگی کہ ان کی بیعت رحمان کی بیعت اور انکی اطاعت رحمان کی اطاعت ہے حضرت رسالت ماب ﷺ نے بھی اسی طرف ارشاد فرمایا ہے (دیکھو مشکوٰۃ) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانه وترك منه موضع اللبنة الی ان قال فکنت انا سدوت موضع اللبنة وفی روایة فانا تلك اللبنه. ترجمہ: یعنی میری اور دوسرے نبیوں کی مثال اس محل کی ہے کہ وہ بہت خوبصورت بنایا گیا اور ایک اینٹ کی جگہ اس میں خالی رکھی گئی۔ سو وہ اینٹ میں ہوں۔

صفاومروہ کے درمیان سعی کرنے کا راز: (۱) صفاومروہ کے درمیان جو کہ خانہ کعبہ کا چوک ہے۔ سعی کرنی ایسی ہے کہ جیسے غلام اپنے بادشاہ کے محل کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہو اس خیال سے کہ خدمت میں اپنا خلوص ظاہر کرے تاکہ نظر رحمت سے سرفراز ہو۔ (۲) اس میں یہ راز ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کے پاس داخل ہو اور پھر باہر نکلے اور نہ جانتا ہو کہ بادشاہ میرے بارے میں کیا حکم کرے گا۔ منظور فرمائیگا یا منظور تو دربار کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہے اس امید سے کہ اول دفعہ رحم نہ کرے گا تو دوسری بار میں رحم کرے گا اسی طرح سعی والا کرتا ہے۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے	عاقبت زاں در بروں آید سرے
میں بر سر بعد ودو	عاقبت جوئیدہ یابندہ بود
چوں نشینی بر سر کوئے کسے	عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

چاہ سا تو چاہئے جیسے کنی ہر روز خاک　　　عاقبت نور ہی دارد آب پاک

(۳) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں یہ راز بھی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو جب سخت پریشانی ہوئی تو صفا و مروہ میں انہوں نے تیز رفتاری سے چلنا شروع کیا جس طرح کوئی متفکر آدمی جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہے اور خداتعالیٰ نے انکے فکر کو دو طریقوں سے رفع کیا ایک تو آب زمزم برآمد ہو گیا دوسرا لوگوں کے دلوں میں اس جنگل میں آباد ہونے کا الہام ڈالا گیا اس لئے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور انکے فرمان برداروں پر ضروری ہوا کہ اس نعمت کا شکر اور انکی کرامت کو یاد کریں تا کہ انکی قوت بہیمی مغلوب ہو کر خداتعالیٰ کی طرف ان کو رہنمائی کرے اور اس کیلئے کوئی بات اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے کہ اس ولی اعتقاد کو کسی خاص ظاہر فعل سے جو کہ انکی خلاف عادت ہے ظاہر کیا جاوے اور وہ فعل حضرت ہاجرہ کی اس تکلیف اور مشقت کا نقل کرنا ہے اور ایسے موقعہ پر ایک حالت کا نقل کرنا بدرجہا زبانی باتوں سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔

حج کیلئے خصوصیت مکہ کی وجہ : حج کیلئے ایسے مقام میں جمع ہونا لازم ہوا جہاں خداتعالیٰ کے نشانات و آیات بینات موجود ہوں کہ وہ مکہ میں بیت اللہ ہے جو سب جگہوں سے زیادہ حج کے قابل ہے۔ اس پر یہ علامات اسی موجود ہیں۔ چنانچہ : (۱) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جن کی نیکی اور خوبی کی شہادت اکثر امتوں کی زبان سے ظاہر ہے خدا کے حکم اور وحی سے اسکی بنیاد قائم کی۔ (۲) وہ مقام مبداء اسلام تھا پھر اس میں ایسے لوگوں کی یادگار تھی جنکی محبت اور کوشش سے سخت بت پرستی کا دنیا سے استیصال ہوا اور خالص توحید الٰہی قائم ہوئی۔

(۳) اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ مکہ معظمہ سے وعظ توحید شروع ہوا۔ اس معظم مکان نے مسئلہ توحید کی تائید کی اور شرک کا استیصال کیا قومی نفاق اور طوائف الملوکی اور خانہ جنگیاں عرب کی دور کی دختر کشی شراب خواری اور خطرناک قمار کا اس ملک میں نام و نشان نہ چھوڑا۔ نفاق، نسل

(۴) خانہ کعبہ کو اسلامی اصطلاح میں بیت اللہ کہتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی کے مکان کو جاتا ہے تو اس کا مطلب مکان والا ہوا کرتا ہے کسی تخت نشین بادشاہ اور بزرگ کے آداب و نیاز اس کے تخت کے آداب نہیں ہوا کرتے۔

(۵) اس میں اظہار نعمت بھی منظور ہے کہ یہ کامل مذہب یہ توحید کا آفتاب اسی پاک زمین سے نمودار ہوا اس استقبال سے وہ خداوندی نعمت حال رکھی گئی ورنہ اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی ذات مکان اور جہت کی قید سے منزہ ہے اور عنصری و کونی صفات سے بالکل اور مبرا ہے کوئی جہت نہیں جس میں وہ مقید ہو کوئی خاص مکان نہیں جس میں وہ رہتا ہو اسی مطلب کی طرف قرآن شریف اشارہ کرتا ہے اور معترض کے اعتراض کو پہلے ہی اپنے صحیفہ سے رد کر دیا ہے۔ وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ ترجمہ: خدا ہی کا مشرق و مغرب ہے سو جس طرف منہ کرو ادھر ہی توجہ ہے اللہ کی۔ (۶) ایک اور لطیف بات قابل ذکر ہے کہ آغاز نماز میں جب کہ مسلمان روبقبلہ کھڑا ہوتا ہے تو یہ آیت پڑھتا ہے۔ انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ ترجمہ: میں نے اپنا رخ کیا اس خدائے تعالیٰ کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں ہوں شریک کرنے والا۔ سواب جو اس تصریح کے مسلمانوں پر کعبہ پرستی کا شبہ کیسے ہو سکتا ہے۔

(۷) اس میں یہ بھی راز ہے کہ جماعت کے انتظام میں سہولت ہو اور تمام دنیا کے اہل اسلام ایک جہت رہیں۔

میقات پر احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بھید: مواقیت کی اصل یہ ہے کہ مکہ میں ایسی حالت میں آنا چاہیے کہ سر پر خاک بکھری ہوئی ہو، بدن میں میل کچیل اور نفس ذلت کی حالت میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مطلوب ہے پس ضرور ہوا کہ مکہ سے پہلے وہ احرام باندھیں پھر اگر اس بات کا حکم دیا جاتا کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں تو ظاہر ہے کہ اس میں

کس قدر دقت تھی کیونکہ بعض شہر مکہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر واقع ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ دور ہیں لہذا ضروری ہوا کہ احرام باندھنے کیلئے مکہ کے گرد چند مقامات تجویز کر دیئے جاویں کہ ان مقامات کے بعد تاخیر نہ کر سکیں اور ضرور ہے کہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور کوئی شخص ان مقامات سے ناواقف نہ ہو۔

رہا لبیک کا بھید سو میقات پر احرام اور لبیک کہنے سے یہ جانے کے لبیک کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالی کی پکار پر جواب عرض کر رہا ہوں کہ میں حاضر ہوں اس وقت یہ امید بھی کرے کہ یہ جواب مقبول ہو اور خوف ورجا کے درمیان متردد رہے اور اپنے تاب وطاقت سے علیحدہ ہو جاوے اور اللہ تعالی کے فضل وکرم پر تکیہ رکھے اس لئے کہ لبیک کہنے کا وقت ہی حج کا شروع ہے اور وہ خطرہ کہ جگہ اور وہ پکار جسکا یہ جواب دیتا ہے۔ وہ ہی جو اس نے فرمایا واذن فی الناس بالحج. ترجمہ :۔ یعنی پکار لوگوں کو حج کیواسطے۔

عرفات میں ٹھہرنے کا راز: (۱) عرفات کے وقوف میں یہ راز کہ ایک زمان اور ایک مکان میں مسلمانوں کا جمع ہونا اور انکا خدا تعالی کی طرف راغب ہونا اور انکا خشوع و خضوع کے ساتھ اس سے دعا کرنا یہ برکات الہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے انتشار میں اثر عظیم رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت اور خواری کی حالت میں ہوتا ہے اور نیز اجتماع میں مسلمانوں کی شان وشوکت معلوم ہوتی ہے اور اس یوم کی اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے بدستور منقول چلی آئی ہے چنانچہ حضرت آدمؑ اور ان کے مابعد انبیاء سے اسکی نسبت روایات منقول ہیں۔ (۲) عرفات پر ٹھہرنے میں جب لوگوں کا اژدہام اور آوازوں کا بلند ہونا اور زبانوں کا مختلف ہونا اور شعائر پر آمد ورفت کرنے میں ہر فرقہ کا اپنے اپنے اماموں کے قدم بقدم چلنا نظر پڑے تو یہ یاد کرے کہ اسی طرح میدان قیامت میں بھی تمام امتیں اپنے انبیاء کے ساتھ اکٹھی ہوں گی اور ہر امت اپنے نبی کی پیروی کرے گی اور ان کی شفاعت کی طمع کرے گی اور

اس میدان میں اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے باب میں تیر الہام ہے کہ جب اور جب آدمی اس کا خیال کرے تو چاہیے کہ اپنے دل سے لئے انکسار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کو لازم کر دے تاکہ اہل فلاح اور مرحوم فرقہ کے ساتھ اس کا حشر ہو اور اس جگہ یہ امید کے قبول ہونے کی قوی توقع رکھے کیونکہ یہ میدان شریف ہے اور اس میں رحمت الٰہی خلائق پر نازل ہوتی ہے اور یہ میدان ابدال اور اوتاد کے گروہ سے کبھی خالی نہیں رہتا اور صالحین کے گروہ بھی اس میدان میں ضرور حاضر ہوتے ہیں جب ان لوگوں کی ہمتیں جمع ہو کر خدا کے آگے انکسار و زاری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ان کی گردنیں اسی کی طرف جھک جاتی ہیں اور مجمع ہمت کے ساتھ طالب رحمت کے لئے آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو پھر یہ گمان نہ کرو کہ وہ اپنی امید میں محروم رہیں اور ان کی کوشش بیکار جائے بلکہ ان پر دوام رحمت نازل ہوتی ہے کہ سب کو ڈھانپ لے اسی واسطے بعض بزرگ کہتے ہیں کہ بہت بڑا گناہ ہے کہ آدمی عرفات میں موجود ہو کر یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت نہیں کی اور حج کا راز اور غایت مقصود یہی ہے کہ ہمتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور ابدال و اوتاد شہروں کے اطراف سے اکٹھے ہوتے ہیں ان کے قرب سے جمع ہمت میں سہارا ملتا ہے غرضیکہ رحمت الٰہی کے جذب کا طریق اس کے مانند اور کوئی نہیں ہے کہ ہمتیں اکٹھی ہوں اور ایک وقت میں ایک زمین پر سب قلوب ایک دوسرے کی مدد کریں۔

(۲) عرفات کے میدان میں جانا ایک ضروری فعل حج کا ہے جہاں نہ کوئی پتھر ہے نہ کوئی درخت صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہے اور اسی سے دعا۔

منیٰ میں اترنے کا راز: (۱) منیٰ کے اترنے کے اندر یہ راز ہے کہ منیٰ ایام جاہلیت کے بڑے بازاروں میں سے عکاظ مجنہ اور ذی المجاز وغیرہ کی طرح ایک عظیم الشان بازار تھا اور یہ بازار اسی سے اسی واسطے مقرر کیا تھا کہ حج میں کثرت سے دور دراز ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی اور اس تجارت کے حق میں اس سے زیادہ کوئی مناسب اور بہتر صورت نہیں تھی کہ اپنے اجتماع پر اس کا

وقت مقرر کیا جائے اور دوسری بات یہ تھی کہ مکہ کے اندر اس انبوہ کثیر کے رہنے کی گنجائش بھی نہیں تھی لہذا اگر ہر قسم کے لوگ منی جیسے پر فضاو کشادہ ہوا میں اترنے میں متفق نہ ہوتے تو بڑی دقت ہوتی نیز وہاں جمع ہو کر انساب وغیرہ پر تفاخر بھی کرتے تھے۔ غرض یہ مصالح ان لوگوں کے اسلام کو بھی ایسے اجتماع عظیم کی حاجت بمصلحت اظہار شوکت مسلمین وشہرت وعظمت اسلام کے تھی اس لئے حضور ﷺ نے اس اجتماع کو تو باقی رکھا اور بجائے ان کے اغراض واہیہ کے مصالح شرعیہ کو قائم کر کے اس کی اصلاح فرمادی اور ایک یہ بھی راز ہے کہ ایک ہی مقام وسیع میں لوگ اکٹھے ہو کر تبادلہ خیالات کر سکیں اور آپس میں تعارف پیدا کریں۔

مشعر الحرام میں ٹھہرنے کی وجہ: مشعر الحرام میں ٹھہرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ یہاں اہل جاہلیت باہم تفاخر اور نمود کے لئے قیام کرتے تھے اس کے بدلے میں کثرت سے ذکر الہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ ان کی اس عادت کا انسداد ہو اور ایسی جگہ کی توحید بیان کرنا گویا ان کو اس پر برانگیختہ کرنا ہے کہ دیکھیں تم خدا تعالی کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت کی طرح اپنے مفاخر کا زیادہ ذکر کرتے ہو۔

رمی جمار کا راز: (1) رمی جمار کرنے میں وہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رمی جمار خدا تعالی کا ذکر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ جس سے خدا تعالی کے دین کی تابعداری کا اعلان منظور ہو اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں رمی جمار یعنی کنکریاں پھینکنا اسی قبیل سے ہے اسی لئے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا مجمع کا حکم دیا گیا باقی کنکریوں کا ہونا سو یہ امر تعیین ذکر کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ اللہ اکبر کہنا مشروط ہے۔ ابوداؤد و ترمذی بروایت حضرت عائشہؓ کے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

انما جعل الطواف بالبيت والسعي بين الصفا والمروة ورمي الجمار لاقامة ذكر الله

وغیرہ ترجمہ۔ یعنی طواف کعبہ اور سعی درمیان صفا اور مروہ کے اور پتھر کا پھینکنا محض ذکر خدا قائم رکھنے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اور دوسری حدیث ذکر کی وجہ یہ ہے کہ جب خود اصل حج ذکر کا مقصود ہو وہاں خود کثرت ذکر بھی مشروع ہے جیسے بہت سے اذکار ہیں۔

(۲) رمی جمار یعنی کنکریاں پھینکنے میں یہ قصد کرے کہ غلامی اور بندگی ظاہر کرنے کے لئے امر کی اطاعت کرتا ہوں اور صرف تعمیل ارشاد کے لئے اقدام ہے بدون اس کے کہ اس فعل میں کچھ عقل و نفس کا حظ ہو۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا قصد کرے کہ اس مقام پر آپ کو شیطان مردود ظاہر ہوا تھا تاکہ آپ کی حج میں کچھ شبہ ڈال دے یا کسی معصیت میں مبتلا کرے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ اس کے دفع کرنے کو اور اس کی امید منقطع کرنے کے لئے اس کو کنکریاں مارو اس پر اگر کوئی کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو شیطان ظاہر ہوا تھا اور آپ نے اس کو دیکھا تھا اس لئے اس کو مارا تھا ہم کو تو شیطان دکھائی نہیں دیتا تھا پھر کنکریاں مارنے سے کیا غرض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ شیطان کی طرف سے ہے اس نے یہ شبہ تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ تمہارا ارادہ رمی جمار کا سست پڑ جاوے اور تمہارے خیال میں آوے کہ یہ فعل ایسا ہے جس میں کچھ فائدہ نہیں ہے ایک کھیل کی سی صورت ہے اس میں کیوں مشغول ہوتے ہو پس خوب کوشش اور مضبوطی کے ساتھ شیطان کو ذلیل کرنے کی نیت سے کنکریاں مار کر اپنے دل سے اس کو دفع کرو اور جانو کہ ہر چند کنکریاں پتھر پر مارتے ہیں لیکن واقع میں شیطان کے منہ پر مارتے ہیں اور اس کی پیٹھ پر کیونکہ اس کی ذلت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے حکم کی بجا آوری کریں جس کی تعمیل میں نفس اور عقل کا کچھ حظ نہیں صرف اس کی تعظیم ہوتا ہے۔

بطن محسر میں تیز چلنے کا راز: بطن محسر میں سواری کے تیز کرنے کا یہ سبب ہے کہ وہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا سبب ہے لہذا جس شخص کو خدا تعالیٰ اور اس کی عظمت کا خوف

معلوم ہوتا ہے وہ غضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس کو بھی خوف یاد دلاتا ہے اور اس کو آگاہ کرتا ہے منضبط فرمایا۔

حرم کے جانوروں کا شکار نہ کرنے کی مصلحت: (۱) حرم کے جانوروں کا نہ کھانا ایسا ہے جیسا کوئی شخص اپنے محبوب کے کوچے کے جانوروں کو باوجودیکہ دیگر گوشت کھایا کرتا ہو کچھ نہ کہے۔

(۲) مکہ کے لئے حرم مقرر کرنے میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک خاص طرز کی تعظیم ہوتی ہے چنانچہ کسی دین کی یہ تعظیم ہے کہ اس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جائے اور دراصل یہ تعظیم بادشاہوں کی حد اور ان کے شہر پناہوں سے ماخوذ ہے جب کوئی قوم ان کی فرمانبردار ہوتی ہے اور ان کی اطاعت اور تعظیم کرتی ہے تو ان کے مطیع ہونے میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ ان کی حدود کے اندر جو درخت و چارپائے وغیرہ ہیں ان سے ہم کچھ تعرض نہ کریں گے اور حدیث شریف میں آیا ہے ان لکل ملک حمی وحمی اللہ محارمہ ترجمہ:۔ یعنی ہر بادشاہ کے لئے باڑ ہوتی ہے اور خداتعالیٰ کی باڑ اس کے محارم ہیں۔

حاجی کی سواری کی عبرتیں: سواری جس وقت سامنے آوے اس وقت اپنے دل میں خداتعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو کہ اس نے ہماری سواری کے لئے چوپایوں کو اور عناصر یعنی آب و ہوا اور آتش وغیرہ جن سے ریل اور اگنبوٹ چلتے ہیں مسخر کیا کہ ہم کو تکلیف نہ ہو اور ہماری مشقت ہلکی ہو جاوے اور یہ یاد کرو کہ دار آخرت کی سواری بھی ایک دن اسی طرح سامنے آجاوے گی یعنی جنازہ کی تیاری ہوگی اس پر سوار ہو کر دار آخرت کا کوچ کرنا پڑے گا۔ الغرض حج کا سفر آخرت کے سفر کی طرح ہے لہٰذا اس پر ضرور نظر کر لینا چاہیے کہ حج کی سواری پر سفر کرنا اس قابل ہو کہ سفر آخرت کی سواری کا توشہ ہو سکے کیونکہ سفر آخرت آدمی سے بہت ہی قریب ہے کیا معلوم کہ موت

قریب ہو اور اونٹ کی سواری سے پیشتر اس تابوت آخرت پر سوار ہو جانے اور تابوت کی سواری یقینا ہو گی اور سامان سفر کا مہیا ہو جانا مشتبہ کے امر ہے تو مشکوک سفر میں احتیاط کرنا اور توشہ اور سواری سے مدد لینا اور یقینی سفر سے غافل رہنا کب زیبا ہے

معارف چادر ہائے احرام احرام کی دو چادر وقت خریدنے کے وقت اپنے کفن کو اور اس میں اپنے لپٹنے کو یاد کرو کیونکہ احرام کی چادر اور تہمد کو اس وقت باندھو گے جبکہ خانہ کعبہ کے نزدیک پہنچو گے اور کیا عجب کہ یہ سفر پورا ہو اور خدا تعالیٰ سے کفن لپیٹے ہوئے ملاقات ہو یقینی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جل شانہ کی زیارت بھی مرنے کے بعد بجز اس صورت کے نہ ہو گی کہ دنیا کے لباس کے مخالف لباس ہو کیونکہ احرام کا کپڑا کفن کے کپڑے سے مشابہ ہے۔

اسرار میقات و تکالیف حج جنگل میں داخل ہو کر میقات تک گھاٹیوں کے دیکھنے میں دو ہول واحوال یاد کرو جو موت کے باعث دنیا سے نکل کر میقات تک ہوں گے اس کے ہر ایک حال کو اس کی ہر کیفیت سے مناسبت ہے مثلاً رہزنوں کی دہشت سے منکر و نکیر کے سوال کے دہشت یاد کرنا چاہیے اور جنگل کے درندوں سے قبر کے سانپ بچھو اور کیڑوں کا دھیان کرو اور اپنے گھر بار اور اقارب کے علیحدہ ہونے سے قبر کی وحشت اور تنگی اور تنہائی کو سوچو۔

محرم پر جنایات کے بدلے میں کفارہ لازم ہونے کی وجہ: حج کے تمام افعال عاشقانہ رنگ کے آداب ہیں جو عاشقان الٰہی کے لئے اپنے معشوق حقیقی کے گھر کے پاس جانے کے لئے موضوع ہیں پس جو شخص ان آداب پسندیدہ معشوق کے برخلاف کوئی حرکت کرے اس پر عاشقانہ ادب کو چھوڑنے اور اپنے معشوق حقیقی کے خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے کفارہ دینا لازم ہوا لہذا محرم اگر اپنے کسی اندام کو خوشبو لگا دے تو اس کو صدقہ دینا چاہیے اور اگر ایک دن کامل سیا ہوا کپڑا پہنے یا اپنے سر کو ڈھانپے تو اس پر قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر اس سے کم مدت میں یہ فعل کیا ہو تو صدقہ دینا چاہیے اور اگر اپنے سر کا چوتھائی یا زیادہ منڈوا دے تو اس پر قربانی

لازم آتی ہے اور اس سے کم کے لئے صدقہ دینا چاہیے اور ایسا ہی ناخن کٹوانے کے باب میں ہے تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ان حرکات کو عاشقانہ نیاز و خشوع عشق کے برخلاف شمار کیا جاتا ہے کیونکہ خوشبو ملنا اور سلے ہوئے کپڑے پہننا اور سر منڈوانا اور ناخن کتروانا زیب و زینت کے اسباب اور حظوظ نفسانی و خود آرائی کی صورتیں ہیں اور یہ تمام حرکات عاشقانہ نیاز کے برخلاف اور معشوق حقیقی کی نظر میں حالت احرام ناپسندیدہ ہیں۔ لہذا ان مخالفانہ حرکات کے تدارک کے لئے کفارات مقرر ہوئے ہیں۔

ترک خود کی کناند خوب تر	عشق رو مال بود و عشق و کر
ہر کہ ترک خود کند باید خدا	چیست دل تو نفس خود کشتن خدا
لیک ترک نفس کے آسان بود	مردوات از خود شدن یکساں بود
ہست آں عالی تہہ بے بس بلند	بہر وصلش شود باید تحمد

زیب و زینت و آرائش اور تکلف و تاموس کے سامان و اسباب حالت عشق و فریفتگی و سکر کے نقیض و خلاف اور ایک قسم کی تصنع و تکلف پر دال ہیں ان سب کو حالت احرام حج یعنی کوچہ محبوب میں گشت کرنے کے وقت ترک کرنا مناسب ہوا اور محب صادق و عاشق خالص کو وہ آداب و طریقے اختیار کرنے ضروری ٹھہرے جو کہ کوچہ محبوب میں پہنچنے کے وقت معشوق حقیقی کی نظر التفات و توجہ رحمت کے جاذب ہوں۔ چنانچہ ایک عاشق صادق کا ترانہ اسی حالت و رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

ننگ و نام عزت و دنیا و مال در شکم	یار آمیز و مکر با عاشق آنچم
دل بہ او ہم از کیف و حال در عشق انداختم	و نہ بچے وصل نگار حیلہا انگیختم

حالت احرام اپنی عورت سے جماع کرنے سے حج فاسد ہونے کی وجہ: دنیا کے تمام لذائذ و مرغوبات میں جماع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے مگر حج میں ساری لذات کو چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ حج کی تمام صورتیں اسکے برخلاف ہوتی ہیں۔ حج میں عاشقانہ طرز و وضع

حقیر کی باقی ہے جس میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشتاق حقیقی و محبوب ابدی کے سوائے تمام لذات و مرغوبات کو میں نے ترک کر دیا ہیں جو شخص باوجود اس دعوے کے جماع جیسے لذیذ ترین فعل کا ارتکاب حالت احرام حج کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ٹھہرتا ہے لہذا اسکا حج فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ عاشقان صادق کے زمرہ میں شمار نہیں ہوتا بقول شاعر ہے

ہر کہ بیباکی کند در راہ دوست　　　راہزن مردان شد و نامرد اوست

دراصل بات یہ ہے کہ بعض عبادات میں حلال اشیاء بھی حرام ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ان عبادات کیلئے مخل و مفسد ہوتی ہیں جیسے کلام کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے مگر نماز میں حرام ہے ایسا ہی اپنی عورت سے مباشرت کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے مگر حالت روزہ یہ افعال حرام ہیں۔ کیونکہ یہ افعال ان عبادات کیلئے ناقض ہیں بس ایسا ہی حج کیلئے بعض محظورات ہیں جن سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور حج ان سے اس لئے فاسد ہوتا ہے کہ ان امور کی اوضاع افعال حج کے ضد ہیں اگر حج میں ایسے امور جائز ہوتے تو افعال حج ایک کھیل سا ہوتا۔

چیل، کوے، سانپ، چوہے، بھیڑیئے، بچھو، سگ دیوانہ کو حرم میں مار ڈالنا

جائز ہونے کی وجہ: یہ جانور موذی و ضرر رساں اور عاشقان الٰہی کو گزند پہنچانے والے اور کوچہ محبوب سے مانع ہوتے ہیں لہذا محبوب حقیقی خداوند تعالیٰ کی نظر میں اسی وجہ سے مبغوض و ممقوت ٹھہرے کہ اس کے عاشقوں کو اس کے کوچہ سے مانع ہوتے ہیں اور یہ امر اسکو ناپسند ہے پس جو امر محبوب حقیقی نظر میں مبغوض ہو بالضرور اسکے عاشقوں اور محبوں کی نظر میں بھی مبغوض ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان جانوروں کو حرم میں مار ڈالے تو اس پر کوئی تاوان اسکے بدلے میں دینا لازم نہیں ہوتا بلکہ کار ثواب و موافق رضا محبوب ہے۔

حالت احرام حج سب و شتم و جنگ و جدال منع ہونے کی وجہ:

حجاج معززے عاشقان و کوچہ گردان محبوب ہوتے ہیں۔ پس جو شخص عاشقان الٰہی کو سب و شتم کرے اور ان سے

لڑے بھڑے وہ خدا کا مبغوض ممقوت ٹھیرتا ہے اور ایسا ہی جو حاجی دوسرے حاجیوں سے لڑے اور انکو سب وشتم کرے وہ زمرہ عاشقان الٰہی سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ لڑنا بھڑنا اکثر ننگ وناموس وعزت وجستجوئے آرام وتن پروری کیلئے ہوتا ہے۔ سو ایسا شخص دو وجہ سے زمرہ عشاق سے خارج ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ عاشقان الٰہی کو ایذادہ ہوا۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنی عزت وننگ وناموس وآرام کا طالب اور محبوب حقیقی سے غافل ہوا یہی وجہ ہے کہ بعض حاجی وہاں جاکر بعض ایسے امور کے مرتکب ہونے سے سخت دل ہو کر واپس آتے ہیں کیونکہ وہ کوچہ محبوب حقیقی میں جاکر شرائط عاشقانہ کو توڑ کر اسکی نظر سے گر جاتے ہیں اس لئے اس نے ایسے محظورات کو جو اس محبوب ازلی کی نظر میں مبغوض ممقوت تھے پہلے ہی بتا دیئے کہ مبادا کوئی شخص حالت عدم علم ان امور کا مرتکب ہو کر مبغوض ومردود ٹھیر جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ الحج اشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج ۔ ترجمہ:۔ یعنی حج کے مہینے معلوم ومشہور ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کرنا ٹھیرا لے اسکو چاہیے کہ حج میں جماع ومحرکات جماع کا مرتکب نہ ہو اور کسی کو گالی نہ دے اور جھگڑا نہ کرے۔

برکات حج: حج کے برکات میں سے ایک یہ تعلیم ہے جو اسکے ارکان سے حاصل ہوتی ہے کہ اسمیں انسان کو عملی صورت میں اختیار سادگی وترک تکلفات اور کبر کو چھوڑنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حج کے سارے ارکان کبر اور بڑائی کے بڑے دشمن ہیں۔ دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ احباب واقارب چھوٹ جاتے ہیں۔ نفس پروری اور سستی وکسل کا استیصال ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑی یہ بات ہے کہ ہزارہا سال سے انسان کیلئے خدا تعالیٰ کا ایک پاک معاہدہ چلا آتا ہے جس کا ایفاء بذریعہ ادائے حج ہو جاتا ہے پس اس طرح سے اس میں ایفاء عہد کی بھی تعلیم ہے۔

کتاب النکاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقاصد نکاح: خداتعالیٰ قرآن کریم کے پارہ ۲۱ میں فرماتے ہیں۔ خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ. ترجمہ:۔ یعنی خداتعالیٰ نے تمہارے لئے تم میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور تم میں دوستی و نرمی رکھدی اور فرمایا نساؤکم حرث لکم یعنی تمہاری عورتیں (تمہاری اولاد پیدا ہونے کیلئے) بمنزلہ تمہاری کھیتی کے ہیں اور فرمایا حافظات للغیب یعنی تمہاری بیویاں تمہاری عدم موجودگی میں (تمہارے مال و عزت و دین کی) حفاظت کرنیوالی ہیں۔ (۱) بی بی آرام اور سکون کیلئے بنائی گئی ہے اور تفکرات اور ہزاروں افکار میں آرام کا موجب ہے انسان میں طبعی طور پر دوستی اور محبت کرنا فطری امر ہے اور دوستی اور محبت کیلئے بی بی عجیب و غریب چیز ہے۔ عورت نازک بدن اور ضعیف الخلقت ہے اور بچوں کو جننے اور گھر کا انتظام رکھنے میں ذمہ دار اور ایک عظیم الشان بازو ہے پس اسکے متعلق رحم سے کام لو خداتعالیٰ نے اسکو رحم کیلئے بنایا ہے اسکی غلطیوں اور فطری کمزوریوں پر چشم پوشی کرو۔

(۲) آدمیوں میں قدرتی طور پر شہوت کا مادہ ہے قدرت نے اسکا محل بی بی کو بنایا ہے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ عورت کھیتی ہے اور بیج بونے کے قابل ہے جس طرح کھیت کا علاج معالجہ ضرور ہوا کرتا ہے اور اس میں خاص غرض ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح عورت میں بھی خاص خاص اغراض ہیں جس سے متمتع ہونا چاہیے۔

(۳) عورت تمہارے ناموس اور مال و اولاد کی محافظ اور منتظم ہے۔

(۴) نیز قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی عفت و پرہیزگاری و حفظ صحت و حفظ نسل کیلئے ہوتی ہے۔ چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ ترجمہ:۔ یعنی جو لوگ نکاح کی طاقت نہ رکھیں (چونکہ پرہیزگار رہنے کا اصل ذریعہ

نہ ہو تو ان کو چاہیے کہ اور تدبیر ان سے طلب عفت کریں۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اس کے لئے پرہیزگار رہنے کی یہ تدبیر ہے کہ وہ روزہ رکھا کرے اور فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ جو کوئی تم میں سے نکاح کی قوت رکھتا ہو تو چاہیے کہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو خوب نیچا کر دیتا ہے اور شرم کے اعضا کو زنا وغیرہ سے بچاتا ہے اور شہوت اور نطفہ کو وہ خصی کر دیتا ہے۔

شرح اسکی یہ ہے کہ جو خواہش مرد کے دل میں عورت کی طرف یا عورت کے دل میں مرد کی طرف ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کو نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل میں سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے۔ اور اسکا ناجائز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کی طرف بہاتا ہے اور اسکے دل میں بد خیالات پیدا کر دیتا ہے۔ پس نکاح کو پاکیزگی کی طرف لیجانے اور اسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دل میں ایک دوسرے کیلئے موجود ہے اسکو گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس خواہش کو فطرت انسان میں پیدا کرنے والا خود خدا تعالیٰ ہے اور اسی نے اپنی مصلحت اور حکمت سے بعض اغراض کیلئے اس خواہش کو انسان کے نفس میں مرکوز فرمایا ہے ہاں اسکا بے جا استعمال یعنی ناجائز طریقوں سے اسکا پورا کرنا بیشک انسان کو ناپاکی اور بدی کیطرف لیجانے والا ہے۔ الغرض نکاح کا بڑا مقصد وہی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے کہ پرہیزگاری ہی کی غرض سے نکاح کرو اور اولاد صالح طلب کرنے کے لئے دعا کرو جیسا کہ ارشاد ہے محصنین غیر مسافحین. یعنی چاہیے کہ تمہارا نکاح اس نیت سے ہو کہ تم تقویٰ اور پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی طرح محض نطفہ نکالنا ہی تمہارا مطلب ہو اور فرمایا ابتغوا ما کتب اللہ لکم یعنی دل کی قرمعت سے اولاد کا قصد کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر فرمایا ہے نیز نکاح کرنے سے انسان پابند ہو جاتا ہے مستورات کے ساتھ گھومنے کی فکر کرتا ہے اور بیجا کام کرنے سے ڈرتا رہتا ہے۔ محبت، حیا

فرمانبرداری اس میں پائی جاتی ہے وہ نہایت اذیت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور بسا اوقات خود

امر قتل سے دوچار ہوتا ہے۔

یہ امر مفید صحت، اطمینان بخش، راحت رساں، مسرت افزا، کفایت آمیز، ترقی زندگی اور دین کا موجب ہے۔ اخلاق مذہبی ثقاوت، اس امر پر غور کرو گے تو اس میں سراسر فوائد ہی فوائد معلوم ہوں گے۔ تمدن کیلئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں۔ حب الوطنی کی بھی جڑ ہے اور ملک و قوم کیلئے اعلیٰ ترین خدمت میں سے ہے۔ بیماریوں سے بچانے اور صحت بالا امر نسل سے محفوظ رکھنے کیلئے یہ ایک حکمی نسخہ ہے۔ اگر یہ قانون الٰہی بنی آدم میں نافذ نہ ہوتا تو آج دنیا میں نہ انسان ہوتا، نہ کوئی مکان، نہ کوئی باغ، نہ کسی قوم کا نشان باقی رہتا۔

وجوہ تعدد ازدواج: (۱) منجملہ وجوہ تعدد ازدواج سب سے مقدم حفاظت تقویٰ یعنی پرہیزگار رہنا اور بدکاری سے بچنا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی ضروری چیز ہے کہ اسکا خیال ہر انسان کو اور سب باتوں سے مقدم رکھنا چاہیے۔ قدرت نے بعض آدمیوں کو معمولی آدمیوں کی نسبت زیادہ قوی الشہوت بنایا ہے اور ایسے آدمیوں کیلئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور اگر انکو دوسرا یا تیسرا نکاح کرنے سے روکا جاوے گا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقویٰ کو چھوڑ کر بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

زنا ایک ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر ایک پاکیزگی طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس میں ایک خطرناک زہر پیدا کر دیتی ہے اس لئے ان لوگوں کیلئے جو قوی الشہوت ہیں ضرور کوئی ایسا علاج ہونا چاہیے جس سے وہ زنا جیسی بدکاری میں پڑنے سے بچے رہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ قوی الشہوت آدمیوں کو ایک سے زیادہ عورت کی حاجت پڑے گی یہ اظہر من الشمس ہے۔

(۲) عورت ہر وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ خاوند اس سے ہمبستر ہو سکے کیونکہ اول تو طبعی طور پر ہر ایک عورت پر ہر ایک مہینے میں کچھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام حیض جن میں مرد کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے دوسرے ایام حمل عورت کیلئے ایسے ہوتے ہیں خصوصاً حمل کے پچھلے مہینے جن میں

عورت کو اپنے اور اپنے جنین کی صحت کیلئے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے اور یہ صورت کئی ماہ تک رہتی ہے پھر جب وضع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے اب ان تمام اوقات میں عورت کیلئے تو یہ قدرتی موانع واقع ہو جاتے ہیں مگر خاوند کیلئے کوئی امر مانع نہیں ہوتا تو اب اگر کسی مرد کو غلبہ شہوت کا ان اوقات ہو تو بجز تعدد ازدواج اسکا کیا علاج ہے ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ کثرت سے ایسے مرد ہیں جو ان وقتوں میں دوسری عورت کرنے کے بغیر بھی تقویٰ کو قائم رکھ سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہیں اور کوئی عقل مند اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں قوی الشہوات آدمی بھی موجود ہیں اور اس قوت کا زیادہ ہونا کسی صورت میں انکے لئے باعث الزام نہیں ہے پس اگر ان ایام یا اس قسم کے اور وقفات میں دوسری عورت سے نکاح کی اجازت نہ دی جائے تو پھر اس خواہش کے تقاضا کرنے کیلئے وہ ضرور ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

(۳) گرم ملکوں میں عورتیں آٹھ نو یا دس سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو جاتی ہیں اس لئے ان ممالک میں شادی کا زمانہ عمر کے لحاظ سے بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر میں وہ بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے عقل اور خوبصورتی دونوں ایک وقت انکے اندر جمع ہوتیں۔ جب خوبصورتی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ عورت حکومت کرے اسوقت عقل اور تجربہ کا نہ ہونا اس دعوے کا مانع ہوتا ہے اور جب عقل اور تجربہ حاصل ہوتا ہے تو خوبصورتی نہیں رہتی۔ اسی لئے عورتوں کو لازمی طور پر ایک محکومی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے کیونکہ عقل اور تجربہ بڑھاپے کے وقت وہ حکومت پیدا نہیں کر سکتی جو جوانی اور خوبصورتی میں کر سکتی تھی پس ہر حال میں عورت بزبان حال اپنے ناکافی ہونے کا اقرار کرتی ہے کیونکہ مرد کو ان دو وصفوں کے جمع کرنے کی ضرورت قدرتی طور پر ہے اور کوئی ایک عورت ان دو وصفوں کی جامع نہیں۔ اس لئے مرد اس ضرورت کو دو عورتوں کے جمع کرنے سے پوری کرتا ہے جن میں سے ایک میں حسن ہو اور ایک میں تجربہ تاکہ دونوں کے مجموعہ سے اس طرح متمتع ہو ایک اس کے نفس کو خوش کرے دوسری اس کی خدمت کرے

اس لئے یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے کہ ان ممالک میں تعدد ازدواج کا رواج ہو۔

(۴) ہر ملک میں مردوں کی نسبت عورتوں کے قویٰ بڑھاپے سے جلدی متاثر ہوتے ہیں۔ پس جہاں مرد کے قویٰ بالکل محفوظ ہوں جیسا کہ وہ اکثر حالات میں ہوتے ہیں اور عورت بوڑھی ہو چکی ہو تو دوسری عورت سے نکاح کرنا بعض حالات میں مرد کیلئے ایسا ہی ضروری ہو گا جیسا کہ پہلے کسی وقت پہلی عورت سے نکاح کرنا ضروری تھا۔ پس جو قانون تعدد ازدواج سے روکتا ہے وہ مردوں کو جن کے قویٰ خوش قسمتی سے بڑھاپے کی عمر تک محفوظ رہیں یہ راہ بتاتا ہے کہ وہ ان قویٰ کے تقاضا کو زنا کے ذریعہ سے پورا کریں۔ ایسا قانون عام انسانوں کی حالتوں کے مطابق کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۵) مذکورہ بالا ضروریات تو مردوں کی ہیں مگر خود عورتوں کو بعض وقت ایسی مجبوریاں آ پڑتی ہیں کہ اگر ان کے لئے یہ راہ کھلی نہ رکھی جائے کہ وہ ایسے مردوں سے نکاح کر لیں جن کے گھروں میں پہلی عورتیں موجود ہیں تو اسکا نتیجہ بدکاری ہو۔ ایک یہی امر پر غور کرو کہ کس طرح ہر سال دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں لاکھوں مردوں کی جانیں لڑائیوں میں تلف ہو جاتی ہیں حالانکہ عورتیں بالکل محفوظ رہتی ہیں۔ اور یہ واقعات بعض جنگوں میں مردوں کی جانوں کا تلف ہونا ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور جب تک دنیا میں مختلف قومیں آباد ہیں ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور نتیجہ اس سے مردوں کی تعداد میں کمی ہو کر عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی تو ایک ایسی امر ہے اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ عورتوں کی تعداد کی یہ زیادتی کسی قوم میں ہمیشہ کی نہیں رہتی تاہم اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک مدت تک مردوں کی اس کمی کا اثر ضرور رہیگا۔ اب یہ عورتیں جو مردوں کی تعداد سے زیادہ ہوں کیا ان کے لئے کیا سوچا گیا ہے تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت میں انکا کیا حال ہوگا۔ کیا انکو یہی جواب نہیں ملے گا کہ جس شئے دل میں مرد کی طرف وہ خواہش پیدا ہو جو قدرت نے فطرت انسانی میں رکھی ہے وہ ناجائز طریقوں سے اسے پورا کرے سوچ کر دیکھو کہ تعدد ازدواج کی راہ کو بند کرنے سے لاکھوں عورتوں کو یوں اس طرح لڑائیوں کے سبب سے بڑھ ہو

تھیں یا جن کے لئے نکاح کے ذرائع تھے۔ ہمیں یہ جواب دینا پڑے گا۔ باقی تعداد پر افسوس ہے کہ ایک غلط اصول کی حمایت میں انسانی ضروریات پر آپ تھوڑا بھی غور نہیں کرتے وہ نہیں سوچتے کہ تعدد ازدواج کے سوا اور کوئی ایسی راہ نہیں جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔

(۲) گذشتہ مردم شماری میں بعض محققین نے صرف نکاح کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج پر ایک بین دلیل ہے جسکو شک ہو وہ مختلف مقامات پر مردوں اور عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کرے تو عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔ انکے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ میں جنکو سب ممالک سے زیادہ تعدد ازدواج کی ضرورت سے منکر اور بیزار سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے۔ چنانچہ برطانیہ کلاں میں جرمنوں کی جنگ سے پہلے چودہ لاکھ ستر ہزار تین سو بیاسی عورتیں ایسی تھیں جن کیلئے ایک بیوی والے قاعدہ کی رو سے کوئی مرد میسر نہیں ہو سکتا۔ فرانس میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ چونتیس ہزار سات سو زیادہ تھی۔ جرمنی میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کیلئے ایک ہزار تیس عورتیں موجود تھیں۔ گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔ سویڈن میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں اور اسپانیہ میں ۱۹۰۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں مگر یہ بتایا جاوے کہ ان کم از کم چونتیس لاکھ عورتوں کیلئے کون سا قانون تجویز کیا گیا ہے کیونکہ ایک بیوی کے قاعدے کی رو سے یورپ میں تو خاوند نہیں مل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسان کی ضروریات کیلئے تجویز کئے جاتے ہیں وہ انسانوں کی ضروریات کے مطابق بھی

ہونے چاہئیں پڑ نہیں وہ قانون جو تعدد ازدواج کی ممانعت کرتا ہے ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور انکے دلوں میں مردوں کیلئے کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ تو ناممکن امر ہے جیسا کہ خود تجربہ شہادت دے رہا ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے روکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریق استعمال کریں گی۔ اس طرح پر ان میں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ زنا پھیلے گا خیال ہی خیال نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ہزارہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔

(۷) نکاح کے اغراض میں ایک یہ بھی ہے کہ مرد عورت ایک دوسرے کیلئے بطور رفیق کے ہوں پس اگر کوئی وجہ ایسی پیدا ہو جاوے کہ جس کے سبب سے عورت مرد کیلئے بطور رفیق کے نہ رہے یا اس سے سکون و خوشی حاصل نہ ہو سکے جو ایسے رفیق سے ہونا چاہیے۔ تو ان صورتوں میں بھی مرد کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر عورت کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جو اسکو ہمیشہ کیلئے یا بہت برسوں کیلئے ناقابل کردے یعنی اس امر کے قابل نہ رہنے دے کہ خاوند اس سے تعلقات زناشوئی رکھ سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ کیوں نکاح کی اصل غرض کو مرد دوسرے نکاح کے ذریعہ سے پورا نہ کرے جیسا کہ انسانی زندگی کے حالات کا دائرہ وسیع ہے ویسا ہی ان ضروریات کا دائرہ بھی وسیع ہے جو بعض وقت مرد کو دوسرا نکاح کرنے کیلئے مجبور کر دیتی ہے ہم مانتے ہیں کہ ایسی ضروریات اکثر پیدا نہیں ہوتیں مگر جب واقعی وہ ضرورتیں پیدا ہو جائیں اور یہ ضروری ہے کہ ہر انسان کے طبقہ میں وہ کم و بیش پیدا ہوتی رہیں تو سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی ذریعہ انکے پورا ہونے کا نہیں۔ پس اس علاج کو روکنا بیماریوں کو بڑھانا ہے اسی طرح تعدد ازدواج اکثر حالات میں طلاقوں کی کمی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

(۸) قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہیں جو مرد کیلئے باعث کشش ہیں اور مرد و عورت کے تعلق میں بہ فریفتگی اور کشش کے موجبات کی موجودگی ایک نہایت ضروری امر ہے اور صرف اسی صورت میں نکاح بابرکت ہو سکتا ہے کہ ایسے سامان کشش عورت میں موجود ہوں اور اگر

عورت میں ایسے سامان موجود نہ ہوں۔ یا کسی طرح سے جاتے رہیں تو مرد کا عورت سے وہ تعلق نہیں ہو سکتا پس ایسی صورت میں اگر خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی جائے تو یا تو وہ کوشش کرے گا کہ کسی طرح اس عورت سے نجات حاصل کرے اور یہ اگر ممکن نہ ہو تو بدکاری میں مبتلا ہو گا اور ناجائز تعلق پیدا کرے گا کیونکہ عورت کی رفاقت سے اسے وہ خوشی حاصل نہ ہو سکے جسکا حصول فطرت انسانی چاہتی ہے تو ناچار اس خوشی کے حصول کیلئے وہ اور ذریعے تلاش کریگا ان صورتوں کیلئے تعدد ازواج ہی ایک علاج ہے اور اسی ذریعہ سے ایک گھرانا خوشحال ہو سکتا ہے (۹) تعدد ازواج کے روکنے سے بعض اوقات نکاح کی تیسری غرض یعنی بقاء نسل انسانی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً اگر عورت بانجھ ہو اور اسکا عقم ناقابل علاج ہو تو تعدد ازواج کی ممانعت کی صورت میں قطع نسل لازم آئے گا۔ یہ بیماری عورتوں میں پائی جاتی ہے اور سوائے تعدد ازواج اور کوئی راہ نہیں جس سے یہ کمی پوری ہو سکے۔ ایسی صورت میں عورت کو طلاق دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں اور ممکن ہے کہ عورت و مرد میں ایسی محبت بھی ہو کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکتے ہوں۔ اس بقاء نسل کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ ایسی صورتوں میں مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دی جائے۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت وجوہ ہیں جو تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں اور ان سب کو تفصیل سے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

اصل سبب تعدد ازواج کا بدکاریوں سے بچنا ہے جو لوگ ملکوں میں تعدد ازواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشات اور افعال کا مطالعہ فرماویں۔ جس قوم نے زبان سے پاک تعدد ازواج کا انکار کیا ہے وہ عملی طور پر ناپاک تعدد ازواج یعنی زناکاری میں گرفتار ہوئے ہیں انکی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے ایک عورت پر قناعت نہ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو ضرور ہے خدا تعالیٰ کے قانون کا یہ مقتضا ہونا چاہیے کہ وہ انسان کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں پر مطلع اور حاوی ہو کر ایسی ترتیب اور طرز پر واقع ہو کہ مختلف جذبات والی طبائع کو بھی تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھے۔

مرد کیلئے تعدد ازواج چار تک محدود ہونے کی وجہ: مرد کیلئے چار عورت منکوحہ محدود ہونے کی وجہ خدا تعالیٰ کی نہاں حکمت و انتظام قدرت و مصلحت پر مبنی ہے ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ مرد کو قوتیں اور طاقتیں بہ نسبت عورت کے زیادہ عطا کی گئی ہیں۔ اس لئے کئی عورتوں سے ایک زمانہ میں نکاح کر سکتا ہے تعدد ازواج کی مصلحت نکاح کی علت غائی سے معلوم ہو سکتی ہے سو نکاح کی علت غائی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ سب سے اول و اہم تقویٰ و عفت و توالد ہے اور چونکہ تمام بنی آدم کی قوت یکساں نہیں ہوتی اس لئے خدا نے ان کی طاقتوں و قوتوں کے مناسب انکے لئے اسباب فراہم کئے ہیں سو جن اشخاص کو ہیجان و توقان شہوت زیادہ ہو انکی حفاظت عفت کیلئے ہر سال میں چار عورتیں تومت ہوتے انکے پاس ہونا چاہئیں اور ایسے آدمیوں کیلئے یہ حد عین قانون قدرت کے مطابق ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایسا آدمی جب کسی ایک عورت کو نکاح میں لائے گا تو کم از کم یہ عورت اس کیلئے تین ماہ تک کافی ہے کیونکہ حمل کی شناخت کم از کم تین ماہ تک مقرر ہے چونکہ اس میعاد میں اس عورت کو حمل ٹھہر جائے تو اسے ہیجان و جوش شہوت والا آدمی اگر اس عورت سے صحبت کرے گا تو جنین پر برا اثر پڑنے اور حمل گر جانے کا اندیشہ ہے لہذا اس عورت کو آرام دیوے اور اس عورت سے صحبت ترک کر کے دوسری عورت نکاح میں لائے گا اگر دوسری عورت کو بھی تین ماہ تک قرار حمل ہو جاوے تو اس سے بھی صحبت ترک کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس سے اسقاط حمل کا اندیشہ ہے اور والدین کے شہوانی جوش جنین پر برا اثر ڈالتے ہیں۔ یہ چھ ماہ ہوئے۔ اب تیسری عورت سے نکاح کرے گا۔ اگر تیسری عورت کو بھی حمل ہو گیا تو اب اس سے بھی اس کو صحبت ترک کرنی پڑے گی۔ یہ نو ماہ ہو گئے۔ اب پہلی عورت کا وضع حمل ہو جائے گا مگر وہ غالباً تین ماہ تک قابل صحبت نہیں ہو سکتی لہذا اسکو چوتھی عورت نکاح میں لانی پڑے گی۔ اب چوتھی عورت کے حمل کی شناخت بھی تین ماہ تک مقرر ہے یہ ایک سال ہوا اور اس اثناء میں

پہلی عورت جسکو وضع حمل سے تین ماہ گذر چکے ہیں تعلقات زناشوئی کے لئے تیار ہو جائے گی۔ اس طرح وضع حمل کے بعد ہر ایک قوت شہوت اسکے لئے مہیا ہو گی۔

پس یہ تعداد ہر ایک قوی الشہوت انسان کیلئے کافی اور عین قانون قدرت و فطرت کے مطابق ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے جو قرآن کریم میں دو دو تین تین چار چار تک فرمایا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ بعض آدمیوں کیلئے ہر سال میں دو عورتیں ہی کافی ہو سکتی ہیں کیونکہ بعض عورت کے اولاد نہیں ہوتی یا دیر سے حمل ٹھیرتا ہے اور بعض کے لئے سال میں تین ہی کافی ہو سکتی ہیں اور بعض کو چار کی ضرورت پڑتی ہے۔

حاملہ کے ساتھ منع صحبت کی وجہ ایک تو اندیشہ اسقاط حمل ہے۔ دوسرے اس حمل سے جو اولاد ہو گی اسکے اخلاق و اطوار میں والدین کے شہوانی جوش مرکوز ہو کر بد اخلاقی پیدا کریں گے۔ کیونکہ جوش شہوت کا اثر جنین پر بالضرور پڑتا ہے اور وہ طبع میں فطری ہو جاتا ہے اور گو طبی قاعدہ کی رو سے اس بات پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ دودھ پلانے والی سے صحبت کرنی بچہ کیلئے مضر ہے لیکن اطباء نے اس امر کی اصلاح بعض ادویہ کے ساتھ بتائی ہے۔ لہذا یہ امر قادح نہ رہا۔

اب رہی یہ بات کہ چار سے زیادہ کیوں نہ جائز ہوا تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرور تھا کہ ایک خاص حد بیویاں کرنے کی ہوتی ورنہ اگر حد مقرر نہ ہوتی تو لوگ حد اعتدال سے نکل کر صدہا تک بیویاں کرنے کی نوبت پہنچاتے اور ایسا کرنے سے ان بیویوں پر اور خود اپنی جانوں پر ظلم اور بے اعتدالیاں کرتے اور ضرورت چار سے رفع ہو گئی تھی اسلئے زائد کو ناجائز قرار دیا۔

خلاصہ وجوہ تعدد ازواج : (۱) تقویٰ (۲) حفظ القویٰ (۳) موافقت نہیں اور طلاق کا بھی موقع نہیں (۴) عقم (۵) کثرت تولد بنات بعض بلاد اور خاندانوں میں (۶) پولٹیکل مصالح اور سیاسی ضروریات عورت غالباً پچا ۔۔س کے بعد قابل نسل نہیں رہتی بخلاف مردوں کے کہ وہ نوے برس تک ہمارے ملک میں اس قابل ہیں (۸) مشاہدہ کثرت زنا جن بلاد میں تعدد ازواج جائز

نہیں ان بلاد میں بضرورت صحبت کی دور سے متعدد جو بالا اسباب ہیں جو تعدد ازدواج کی ضرورت کو
بیان کرتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہ نسبت اپنی امت کے زیادہ بیویاں کرنے کی وجہ۔

(۱) جیسا کہ آپ بنی آدم کے مردوں کیلئے رسول تھے ایسا ہی عورتوں کے بھی رسول تھے لہٰذا
ضروری تھا کہ کچھ عورتیں آنحضرت ﷺ کی دائمی صحبت میں رہ کر آنحضرت ﷺ سے تعلیم پا
کر دوسری عورتوں کو تعلیم و تبلیغ اسلام کریں سو اسی غرض کیلئے آنحضرت ﷺ نے بہ نسبت اپنی
امت کے زیادہ بیویاں کی ہیں۔

(۲) آپ کی جسمانی و روحانی قوت بہ نسبت اوروں کے بہت بڑھی ہوئی تھی آپ صوم وصال یعنی
روزہ پر روزہ رکھ لیا کرتے تھے مگر امت کو اس سے منع فرمایا لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ
تو صوم وصال رکھتے ہیں تو فرمایا تم میں مجھ سا کون آدمی ہے ابیت عند ربی هو يطعمني
ويسقيني. ترجمہ: یعنی میں اپنے پروردگار کے پاس شب باش ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

(۳) آنحضرت ﷺ کے نکاحوں کے متعلق بڑی غلط فہمی عیسائیوں وغیرہ میں ہے کیونکہ آپ
کے نکاحوں کی اصلی غرض یا تو محض ہمدردی و ترحم تھا یا مختلف قوموں کو ایک کرنا اور انکے علاوہ بعض
متعدد ملکی مصالح اور دینی اغراض تھیں مگر ہمارے مخالفین ان کی بنا نفسانی خواہش بتاتے ہیں
(نعوذ باللہ) تاریخ شاہد ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے ۲۵ برس کی عمر میں نکاح کیا تو آپ
عفت اور پرہیزگاری میں تمام عرب میں مشہور تھے پھر انکے بعد ۲۵ سال تک یعنی جب تک
حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ رہیں۔ آپ نے دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا۔ حالانکہ
عرب میں تعدد ازدواج کی رسم بلا قید کسی شرط کے مروج تھی پس ان لوگوں کا جو کہ ناحق نیک
افعال میں بد اغراض تلاش کرتے ہیں یہ فرض ہے کہ وہ اسکا سبب بھی تلاش کریں کیونکہ
آنحضرت ﷺ نے ۵۵ سال کی عمر تک جب آپ بوڑھے ہو چکے تھے ایک سے زیادہ بیوی سے

نکاح نہیں کیا اگر نفسانی خواہش کسی وقت ایک شخص کے دل پر غلبہ پا سکتی ہیں تو وہ جوانی کا وقت ہوتا ہے جبکہ جذبات جوانی جوش میں ہوتے

ہیں مگر اس جوانی کے وقت آپ نے ایک بی بی پر بس اکتفاء کیا کہ جس وقت قریش نے جمع ہو کر آپ کو یہ کہا کہ آپ بت پرستی کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور خوبصورت سے خوبصورت عورتیں آپ سے نکاح کرنے کیلئے حاضر کرتے ہیں تو آپ نے کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ نفسانی خواہشوں کے غلبہ کا وقت جوانی کا وقت ہے اور چونکہ آپ کے اس زمانہ کی نسبت آپکے سخت ترین دشمنوں کو بھی اقرار ہے کہ آپ اس وقت طہارت' پاکیزگی 'عفت کا نمونہ تھے اس لئے یہ الزام کہ نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کیلئے آپ نے شادیاں کیں آپ کی ذات عصمت مآب پر سخت بہتان ہے۔ (۴) آنحضرت ﷺ کے ابتدائی زمانہ اور آخری زمانہ میں بڑا بھاری تغیر واقع ہو چکا تھا ابتدائی سالوں میں جب مکہ میں آپ نے تبلیغ شروع کی تو اگرچہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ اور اذیتیں پہنچتی تھیں مگر رشتہ داری کے تعلق منقطع نہیں ہو چکے تھے خصوصاً ایسے لوگ جو ذی عزت و وجاہت تھے وہ نسبتاً کفار کے حملوں سے محفوظ تھے اور ان سے تعلقات بھی رکھتے تھے چنانچہ خود آنحضرت ﷺ کی ایک لڑکی ایک کافر سے بیاہی ہوئی تھی اور حضرت ابو بکرؓ کی لڑکی عائشہؓ کی منگنی بھی ایک کافر کے لڑکے جبیر بن مطعم سے ہوئی تھی۔ مگر مطعم نے بدیں وجہ انکار کر دیا کہ اس تعلق سے خوف ہے کہ لڑکا نئے دین میں چلا جائے گا۔ اسکے بعد ہی حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہوا۔ اگرچہ ابتدا میں ایسے تعلقات تھے مگر آہستہ آہستہ یہ تعلقات منقطع ہو چکے تھے اور کسی مسلمان عورت کا کفار کے ہاتھ پڑ جانا اسکے لئے ہلاکت کا موجب تھا پھر آپ کی ہجرت سے رہے سہے تعلقات بھی کٹ گئے پس مسلمان لڑکیوں یا بیوہ عورتوں کیلئے ضروری تھا کہ مسلمان ہی خاوند ہوں۔

ان واقعات کو مد نظر رکھ کر ہم کو آنحضرت ﷺ کے نکاحوں کو دیکھنا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں کہ سوائے حضرت عائشہؓ کے آپکی ساری بیویاں بیوہ عورتیں تھیں انکو ہم الگ الگ جماعتوں پر

تقسیم کرتے ہیں۔

اول وہ عورتیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کے ساتھ حبشہ و مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور دوسری وہ عورتیں جو کسی قوم کے سردار کی لڑکیاں یا بیوہ تھیں اور جنکے خاوند لڑائیوں میں مارے گئے انکا ذکر ہم اسی ترتیب سے کرتے ہیں جس ترتیب سے انکے نکاح ہوئے ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپ نے ام المؤمنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ سودہ اور انکا خاوند ابتدا ہی میں ہجرت کرکے حبشہ کو چلے گئے تھے اور اسی جگہ وہ بیوہ ہو گئیں۔ واپس آنے پر آنحضرت ﷺ نے آپ سے نکاح کیا۔

اسکے بعد ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپکا نکاح ہوا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی تھیں انہوں نے بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کی۔ جب آپ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے پہلے حضرت عثمانؓ کو اور پھر حضرت ابوبکرؓ کو آپ سے نکاح کرنے کیلئے کہا۔ مگر ان دونوں نے انکار کیا اس کے بعد آپکا نکاح رسول اکرم ﷺ سے ہوا۔ حضرت عمرؓ کا خود حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو کہنا بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو کس قدر مشکلات تھیں۔ اسکے بعد ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ اس پہلے گروہ میں شامل تھیں جو سب سے اول کفار کے ظلم سے تنگ آکر حبشہ کو ہجرت کر گیا۔ ام سلمہ کے خاوند کی موت کا موجب ایک زخم ہوا جو ان کو ایک لڑائی میں لگا تھا۔ ام سلمہ کے بعد ام حبیبہؓ سے آپ نے نکاح کیا یہ قریش کے مشہور سردار ابوسفیان کی لڑکی تھیں۔ آپ بھی اپنے خاوند کے ساتھ دوسرے گروہ میں شامل تھیں جو ہجرت کرکے حبشہ کو چلا گیا تھا وہاں ان کا خاوند عیسائی ہو گیا اور تھوڑے روز بعد مر گیا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں اور آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔

اسکے بعد آپ کا نکاح ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ سے ہوا انکو زید بن حارثہ نے بوجہ نااتفاقی طلاق دیدی تھی اسکے بعد آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ اسکے بعد ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا جو ام المساکین کے نام سے مشہور تھیں آپکا خاوند احد کی جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔

آپ خود بھی نکاح سے دو تین ماہ بعد ہی حضور ﷺ کے روبرو وفات ہو گئیں ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مہاجرات میں سے تھیں اور بیوہ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں اب اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جس قدر عورتیں آپکی ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں وہ سب کی سب ایسی تھیں جو ابتداء ہی میں مسلمان ہوئی تھیں اور آخر کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کے دکھ اٹھا کر جلاوطنی اختیار کر کے دوسرے ملکوں میں انہوں نے پناہ لی اور وہ سب کی سب قریش کے شریف خاندانوں سے تھیں۔ ایک طرف تو وہ اپنے گھربار کو چھوڑ چکی تھیں۔ اور اپنی جائیداد اور آسائش کو قربان کر کے صرف دین کی خاطر جلاوطنی قبول کی تھی۔ اب دوسری مصیبت یہ آپڑی کہ ان کے خاوند جو محنت و مشقت کر کے انکو کھلاتے تھے وہ بھی مر گئے یا جنگوں میں شہید ہو گئے اس بیکسی کی حالت میں انکی تکالیف کا اندازہ کون کر سکتا ہے کیا جائز تھا کہ ان عورتوں کو کفار کیطرف واپس بھیجا جاتا تاکہ وہ طرح طرح کے دکھ دیکر ان کو مار ڈالتے یا کیا درست تھا کہ انکو بغیر خبر گیری کے چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ خستہ حال ہو کر تباہ ہو جائیں نہیں نہیں۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے مذہب اور دین کی خاطر طرح طرح کے دکھ اٹھائے تھے یوں ذلت اور کس مپرسی کی حالت میں تباہ ہونے کیلئے چھوڑ دیا جاتا یا خود اپنے ہاتھوں سے دشمنوں کے حوالہ کر دیا جاتا تاکہ جو ظلم چاہیں ان پر کریں اس بیکسی کی حالت پر رحم کھا کر ہی رسول کریم ﷺ نے انکو اپنی ازواج مطہرات ہونے کا شرف بخشا تاکہ جس عزت کو انہوں نے گھربار چھوڑ کر دین کی خاطر چھوڑا تھا اس سے بھی وہ چند عزت انکو اس دنیا میں دیجاوے

ام المومنین جویریہ اور ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہما ان عورتوں میں سے تھیں جو قوم کے سرداروں کی لڑکیاں تھیں اور جنگوں میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان میں سے سابق الذکر ایک کافر کی بیوی تھیں جو لڑائی میں مارا گیا۔

مال غنیمت میں وہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں ثابت نے بہت سا روپیہ رہا کرنے کے معاوضہ میں ان سے مانگا جسے وہ نہ دے سکتی تھیں چنانچہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور سارا قصہ

آنحضرت ﷺ کے روبرو بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ میں اپنے قوم کے سردار کی لڑکی ہوں۔ پس آنحضرت ﷺ نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جائے تاکہ کوئی اور فساد نہ ہو اور خود روپیہ دے کر آپ نے ان سے نکاح کر لیا کیوں کہ عربوں کی غیرت یہ برداشت نہ کر سکتی تھی کہ ایک رئیس کی لڑکی ہو کر کسی کم درجے کے آدمی کے نکاح میں جاوے۔

ام المومنین صفیہ خیبر کی لڑائی میں ہاتھ آئی تھیں پہلے دحیہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ قیدی عورتوں میں سے ایک مجھے دی جائے جس پر آپؐ نے اسے یہ کہا جسے چاہے لیو۔ انہوں نے صفیہ کو چنا۔ مگر لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ وہ ایک سردار کی لڑکی ہے اور مناسب نہیں کہ آپکے سوا وہ کسی دوسرے کے قبضہ میں آئے یا نکاح کرے۔ اس پر آپؐ نے ان سے نکاح کیا۔

ان آخری دونوں نکاحوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کی غرض یہ تھی کہ ایک تعلق سے وہ کل کی کل قوم فساد سے رک جاوے اور اسی طرح یہ وہ قومیں جنکی عمریں جنگوں میں گذرتی ہیں ایک ہو جائیں یہ امر کہ اس ذریعہ سے آپ نے پوری پوری کامیابی حاصل کی ایسا بدیہی اور صاف ہے کہ جس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

نکاح میں تعیین مہر کا راز: (۱) نکاح میں یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جائے تاکہ خاوند کو اس نظم و تعلق کے توڑنے میں مال کے نقصان کا خطرہ لگا رہے اور بلا ایسی ضرورت کے جس کے بغیر اسکو چارہ نہ ہو اس پر جرات نہ کر سکے پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائداری ہے۔ (۲) نکاح کی عظمت بغیر مال کے جو کہ شرمگاہ کا بدلہ ہوتا ہے ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے اور کسی چیز کی نہیں ہے لہذا اسی کے صرف کرنے سے ایک چیز کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور اسکے مہتم بالشان ہونے سے اولیا کی آنکھیں اس شخص کو اپنے لخت جگر کے مالک ہوتے ہوئے دیکھنے سے ٹھنڈی ہو سکتی ہیں۔

(۳) مہر کے سبب سے نکاح وزنا میں امتیاز ہو جاتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین. ترجمہ: بذریعہ اپنے مالوں کے تم اپنی عفت کی حفاظت کرنیوالے ہو اور صرف مستی نکالنے والے نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ رسوم سلف میں سے آنحضرت ﷺ نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا۔

تعیین ولیمہ کی وجہ: ولیمہ یعنی نکاح کے بعد جو عام لوگوں کو روٹی کھلائی جاتی ہے اسکے تقرر میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔

(۱) اس سے نکاح کی اور اس بات کی اشاعت اور شہرت ہوتی ہے کہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ ہو اور نکاح وزنا میں تمیز بادی الرائے میں معلوم ہو جاوے اور لوگوں کے سامنے اس عورت کے ساتھ جائز تعلق متحقق ہو جاوے (۲) اس عورت سے اور اسکے کنبے کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک پایا جاتا ہے کیونکہ اسکے لئے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کا اس کیلئے جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت اور عزت ہے اور میاں بیوی کے مابین اس قسم کے امور الفت قائم کرتے ہیں خاص کر اکے اول اجتماع میں ضروری ہوتے ہیں۔

(۳) ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا اظہار شکر و سرور خوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کی پیروی کرنے سے سخاوت کی عادت وخصلت پیدا ہوتی ہے اور بخل کی عادت جاتی رہتی ہے اسکے علاوہ بہت سے فوائد ہیں سوچونکہ سیاست مدینہ و منزلیہ و تہذیب نسل واحسان کے متعلق کافی فوائد اور مصالح ولیمہ میں مودع ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسکی طرف رغبت اور حرص دلائی اور خود بھی اسکو عمل میں لائے اور آنحضرت ﷺ نے ولیمہ کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بکری ہے اور آپ نے حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں لوگوں کو ملیدہ کھلایا تھا اور آپ نے بعض اپنی بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے بھی کیا ہے اور فرمایا

اذا دعی احدکم الی الولیمة فلیا تہا. ترجمہ ۔ یعنی جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی مسنون دعوت میں بلایا جائے تو چلا آوے۔

نکاح میں تقرر گواہ و اعلان کی وجہ: سب انبیاء و امم اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح کو شہرت دیجائے تاکہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جاوے۔ لہذا گواہ بھی مقرر ہوئے اور مزید شہرت کیلئے مناسب ہے کہ ولیمہ کیا جائے اور لوگوں کو اس میں دعوت دی جاوے اسکا اظہار کیا جاوے کہ دوسرے لوگوں کو بھی خبر ہو جاوے اور بعد میں کوئی تنازع پیدا نہ ہو۔

تعیین عقیقہ اور بچہ کا سر منڈانے کی وجہ: اہل عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جنکا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کی طرف تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو بدستور قرار رکھا خود بھی اس پر عمل کیا اور اوروں کو بھی اسکی ترغیب دی۔

(۱) منجملہ ان مصلحتوں کے ایک یہ ہے کہ عقیقہ میں اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہو۔

(۲) ازانجملہ سخاوت کے معنی اس میں پائے جاتے ہیں۔

(۳) ازانجملہ ایک یہ ہے کہ نصاریٰ میں جب کسی کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اسکو معمودیہ کہتے تھے یعنی تعمید اور انکا قول تھا کہ اسکے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے اسی کی مشاکلت کے طور پر اللہ پاک نے فرمایا ہے صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة. پس مناسب معلوم ہوا کہ ملت حنیفہ یعنی دین محمدی میں بھی انکے اس فعل کے مقابلہ میں کوئی ایسا فعل پایا جاوے جس فعل سے اس فرزند کا حنیفی اور ملت ابراہیمی و اسمٰعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو۔ سو جس قدر افعال حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص تھے اور آپکی اولاد میں چلے آتے تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خداتعالیٰ کا اس کے فدیہ میں ذبح عظیم کے ساتھ انعام کرنا ہے اور ان دونوں کے شرائع میں سے زیادہ مشہور حج ہے جس کے اندر

سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان باتوں میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت حنیفی پر آگاہ کرنا اور اس بات سے اطلاع دینا ہوتا ہے کہ اس فرزند کے ساتھ اس ملت کا رتاؤ کیا گیا۔

ساتویں روز تعیین عقیقہ اور نام رکھنے کا سبب: عقیقہ میں ساتویں روز کی تخصیص اس لئے ہے کہ ولادت و عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب کنبہ اس زچہ و بچہ کی خبر گیری میں اول مصروف رہتے ہیں پس ایسے وقت میں یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کو عقیقہ کا حکم دے کر ان کا شغل اور زیادہ کیا جائے اور نیز بہت سے لوگوں کو اسی وقت بکرے دستیاب نہیں ہو سکتے بلکہ تلاش کرنے کی حاجت ہوتی ہے اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جائے تو لوگوں کو وقت ہو لہذا سات روز کا فاصلہ ایک کافی اور معتدبہ مدت ہے اور ساتویں روز نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کا نام رکھنے کی کیا حاجت ہے بلکہ نام رکھنے میں بھی مہلت چاہیے تاکہ خوب غور و تدبر کر کے اچھا نام رکھا جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ عجلت کے سبب کوئی خراب نام مقرر کر دیں۔

بچہ کے سر کے بالوں کے برابر چاندی تصدق کرنے کا راز: آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو حضرت حسنؓ کے متعلق فرمایا کہ اے فاطمہؓ اس کے سر کے بالوں کو منڈوا دو اور ہموزن اسکے بالوں کے چاندی خیرات کرو چاندی کے خیرات کرنے میں یہ سبب ہے کہ بچہ کا حالت جنینیت سے منتقل ہو کر طفلیت کی طرف آنا خداتعالے کی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے اور بہترین شکر یہ ہے کہ اسکے بدلہ میں کچھ دیا جاوے اور جنین بال جنینہ کے نشان کا بقیہ تھے انکا دور ہونا طفلیت کے نشان کے استقبال کی نشانی ہے اس لئے واجب ہوا کہ اسکے بدلے میں چاندی جاوے او ر چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں ہے بجز امراء کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا اور چیزیں کم قیمت بہت ہیں چاندی اوسط ہے۔

لڑکے کا عقیقہ دو بکرے سے اور لڑکی کا عقیقہ ایک سے ہونے کی وجہ:

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ شاۃ. ترجمہ:۔ یعنی لڑکے کی

طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ میں دینی چاہیے اسکا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں کا نفع زیادہ تر ہے لہذا لڑکا ذبح کرنا زیادتی اور اسکی عظمت کے مناسب ہے حضرت ابن قیم اسکے بارہ میں لکھتے ہیں۔ امر التفضیل فیہا تابع لشرف الذکروما میزہ اللہ تعالیٰ بہ علی الانثی ولما کانت النعمۃ علی الوالد اتم والسرور والفرحۃ بہ اکمل کان الشکر علیہ اکثر فانہ کلما کثرت النعم کان شکرھا اکثر. ترجمہ:۔ یعنی لڑکے کیلئے دو سے اور اور لڑکی کیلئے ایک بکری سے عقیقہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکے کو لڑکی پر فضیلت ہے اور جب لڑکے کے وجود سے والد پر تمام و کمال نعمت اور سرور خوشی زیادہ ہوتی ہے تو اس پر مزید شکر واجب ہے کیونکہ جب زیادہ نعمت ملی تو زیادہ شکر کرنا لازم آتا ہے۔

عورت کے نکاح میں اجازت ولی کی حکمت : آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لانکاح الابولی. ترجمہ:۔ یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اسکی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں عورتوں کو حکم کرنا روا نہیں ہے کیونکہ وہ ناقصات العقل ہوتی ہیں اور انکے فکر ناقص ہوتے ہیں اسلئے بسا اوقات مصلحت کیطرف انکو راہبری نہ ہو سکے گی۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ شاید وہ حسب کی حفاظت نہ کریں گی اور بسا اوقات انکو غیر کفو کی طرف رغبت پیدا ہو سکتی اور اس میں قوم کی عار ہے پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جاوے تاکہ یہ مفسدہ ختم ہو۔

(۳) لوگوں کا عام طریق یہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام بندوبست انہی کے متعلق ہوتا ہے اور سارے خرچ مردوں ہی کے متعلق ہوا کرتے ہیں اور عورتیں ان کی مقید ہوتی ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے : الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض . ترجمہ:۔ یعنی مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ (۴) نکاح کے اندر ولی کی شرط مقرر ہونے میں اولیاء کی عزت و حرمت ہے اور عورتوں

کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں بے عزتی ہے جس کا مدار بے حیائی پر ہے اور اس میں اولیاء کی مخالفت اور انکی بے قدری ہے۔ (۵) یہ بات واجبات سے ہے کہ نکاح کو زنا کے ساتھ شہرت سے امتیاز ہو اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیاء نکاح میں موجود ہوں البتہ کسی صورت میں ولی کا ہونا مستحب اور کسی صورت میں شرط ہے تفصیل کیلئے فقہ کا فن ہے۔

مرد پر بعض اہل قرابت عورتوں کے حرام ہونے کیوجہ :

(۱) سلامت مزاج کا یہ اقتضاء ہے کہ آدمی کو اس عورت کی جانب رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے وہ عورت پیدا ہوئی ہے یا وہ دونوں ایسے ہیں جیسے ایک باغ کی دو شاخیں یعنی بھائی بہن۔

(۲) جب اقارب خود ایسی قرابت والی عوارت سے نکاح کر لیا کرتے تو کوئی شخص عورتوں کی طرف سے ان اقارب سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا نہ ہوتا باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص انکی طرف سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا ہو اور ایسا ارتباط جس میں یہ دونوں وصف پائے جاویں یعنی رغبت نہ ہونا اور کسی کا اس سے مطالبہ نہ کر سکنا طبعی طور پر مرد اور اسکے ماں' بہن' بیٹی' پھوپھی' خالہ' بھتیجی' بھانجی میں واقع ہوا ہے پس یہ سب حرام ہوئیں۔ (۳) اسی طرح رضاعت بھی موجب حرمت ہے کیونکہ دودھ پلانے والی عورت مثل ماں کے ہو جاتی ہے اس لئے کہ وہ اخلاط بدن کے اجتماع اور اسکی صورت قائم ہونے کا سبب ہوتی ہے پس وہ بھی فی الحقیقت ماں کے بعد ماں ہے اور دودھ پلانے والی کی اولاد بہن بھائیوں کے بعد اسکے بہن بھائی ہیں۔ پس اسکا مالک ہو جانا اور اسکو اپنی زوجہ بنا لینا اور اسکے ساتھ جماع کرنا ایسی بات ہے جس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے۔

(۴) اسی طرح دو بہنوں کا جمع کرنا حرام ہے کیونکہ ان میں سوکن پنے کا حسد منجر بعداوت ہوگا جس سے قطع رحم ہوگا اور یہ امر خدا تعالی کو منظور نہیں ہے کہ اہل قرابت میں قطع رحم ہو اور علی ہذا القیاس اس قسم کی قرابت واری قریبی عوارت کا آپس میں ایک شخص کے نکاح میں ہونا حرام

ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ لا یجمع بین المراۃ وعمتھا ولا بین المراۃ وخا لتھا۔ یعنی نہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرو اور نہ ایک عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرو۔

(۵) اسی طرح مصاہرت باعث حرمت ہے اسلئے کہ اگر لوگوں میں اس قسم کا دستور جاری ہو کہ ماں کو اپنی بیٹی کے خاوند کی طرف اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں کی اور اپنی بیویوں کو بیٹوں کی طرف رغبت ہو جو کہ حلت نکاح کی صورت میں محتمل ہے۔ تو اس تعلق کے توڑنے یا اس شخص کے قتل کرنے میں کوشش کریں۔ حکمت جواز نکاح مرد مسلم با یہودیہ یا نصرانیہ نہ بالعکس جسکی طرف خواہش پائے کو کوشش کیا کریں۔

مسلمان مرد کا نکاح کسی یہودن و عیسائن سے اس لئے جائز ہے کہ خدا تعالیٰ نے مرد کو غالب اور عورت کو مغلوب قرار دیا ہے تو ایسے نکاح اور ازدواج سے یہ صورت ہوگی کہ توحید کے نقشہ کو بالا اور غالب اور شرک و کفر کو پست و مغلوب کر کے دکھایا گیا جس میں یہ ایماء ہے کہ توحید شرک پر غالب ہے اور واقع میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ چونکہ مرد کی تاثیر قوی ہوتی ہے اس لئے عورتیں خواہ یہودی ہوں یا عیسائن وہ اکثر مسلمان ہو جاتی ہیں مگر اسکے برعکس ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مسلمہ عورت کا نکاح یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ کسی مجبوری کے سبب جائز ہو سکے کیونکہ یہ امر حکمت الٰہی کیخلاف ہے وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نکاح جائز ہوتا تو یہ نقشہ یوں دکھائی دیتا کہ شرک بالا اور توحید پست ہوئی اور اس امت خدا کی غیرت اور اسکا قانون قدرت و حکمت اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت و افضلیت مانع ہیں کیونکہ ایسے ازدواج سے افضل الرسل و خاتم الانبیاء و سید ولد آدم حضرت محمد رسول ﷺ کے دین کو پست و مغلوب دکھانا پڑتا۔ سو یہ امر خدا کو منظور نہیں ہے۔

یار امد شو کہ تا غالب شوی یار مغلوباں مشو تا اے غوی

باب الطلاق

حکمت جواز طلاق زن: واضح ہو کہ طلاق عربی لغت ہے جس کے معنی اردو زبان میں کھولنے یا چھوڑ دینے کے ہیں اور اصطلاح شریعت اسلام میں مرد کا اپنی عورت کو اپنے نکاح سے خارج کر دینا ہے۔ جسکا مطلب تفصیل ذیل سے بخوبی معلوم ہوگا۔

واضح ہو کہ مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے اسلام اور مہر اور تعہد نان ونفقہ وحسن معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری کے عہدو شرائط ضروریہ ہیں ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتا ہے صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح توڑنے کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑ سکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کراسکتی ہے اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شتابکاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے معاہدہ نکاح کا باندھ سکتا ہے ایسا ہی عورت کی طرف سے شرائط ٹوٹنے کے وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار ہے سو یہ قانون فطرتی قانون سے جو عنقریب مذکور ہوتا ہے مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے گویا کہ اس فطرتی قانون کی عکسی تصویر ہے کیونکہ فطرتی قانون نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہر ایک معاہدہ شرائط قرار دادہ کے فوت ہونے سے قابل فسخ ہو جاتا ہے اور اگر فریق ثانی فسخ سے مانع ہو تو وہ اس فریق پر ظلم کر رہا ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے فسخ عہد کا حق رکھتا ہے سو جب ہم سوچیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز اس کے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ کی شرائط کے نیچے دو انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ عدالت کی رو سے معاہدہ کے حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہو جاتا ہے اور اسی محرومی کا نام دوسرے لفظوں میں طلاق ہے پس جس مطلقہ کی حرکات سے شخص طلاق دہندہ پر کوئی بد اثر پہنچا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت کسی کی

منکوحہ ہو کر نکاح کے مقصد کو کسی پہلو سے چھوڑ دے تو وہ اس عضو کی طرح ہے جو گندہ ہو گیا اور سڑ گیا یا اس دانت کی طرح جس کو کیڑے نے کھایا اور وہ اپنے شدید درد سے ہر وقت تمام بدن کو ستاتا اور دکھ دیتا ہے تو اب حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے اور نہ وہ متعفن عضو حقیقت میں عضو ہے اور سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو اکھاڑ دیا جائے اور کاٹ دیا جائے اور پھینک دیا جائے یہ سب کارروائی قانون قدرت کے موافق ہے عورت کا مرد سے ایسا تعلق نہیں ہے جیسے اپنے ہاتھ اور پاؤں کا لیکن تاہم اگر کسی کا ہاتھ یا پاؤں کسی آفت میں مبتلا ہو جائے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے اس پر اتفاق کرلے کہ زندگی اس کے کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کوئی ہے کہ ایک جان کے بچانے کے لئے اس کے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو پس اگر یہ اتفاق کسی کی منکوحہ اپنی بد چلنی اور کسی شرارت سے اس پر وبال لاوے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا ہے اور سڑ گیا ہے اور اب وہ اس کا عضو نہیں ہے اس کو کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینکے ایسا نہ ہو کہ اس کا زہر اس کے سارے بدن میں پہنچ جاوے اور تجھے ہلاک کر دے پھر اگر اس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کو کوئی پرندہ یا درندہ کھالے تو تجھ کو اس سے کیا کام کیونکہ وہ جسم تو اسی وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ اس نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا۔

وہ ہدایتیں جن کی پابندی کے بعد ہر ایک شخص طلاق دینے کا مجاز ہو سکتا ہے

قال اللہ تعالیٰ واللتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا ان اللہ کان علیا کبیرا وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا ترجمہ۔ یعنی جن عورتوں کی طرف سے نا موافقت کے آثار ظاہر ہو جائیں پس تم ان کو نصیحت کرو اور خوابگاہوں میں ان سے جدا ہو اور ان کو مارو جتنی جیسی صورت اور مصلحت پیش آوے پس اگر وہ تمہاری تابعدار ہو جائیں تو تم بھی ان کے طلاق

سزا دینے کی راہ مت نکالو کیونکہ خدا تعالیٰ صاحب علو صاحب کبریا ہے اور بجز اگر میاں بیوی کی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک منصف خاوند کی طرف سے مقرر کرو، اگر منصف صلح کرانے کے لئے کوشش کریں گے تو خدا تعالیٰ ان میں باہمی موافقت دیدے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ علم والا خبر والا ہے۔

عورت کے لئے تقرر عدت کی وجہ: عدت کے بڑی وجہ رحم کے احوال کا معلوم کرنا ہے چنانچہ جس عورت کو قبل از جماع حقیقی یا حکمی طلاق ملے اس کے لئے کوئی عدت مقرر نہیں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے یاایها الذین امنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحاً جمیلا ترجمہ: یعنی اے ایماندارو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرلو پھر ان کو مس کرنے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے انکی عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے جس کی تکمیل پوری کراؤ پس ان کو کچھ مال دیکر اچھی طرح سے رخصت کرو۔

عورت کو خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ: اس حکمت کی شرح تفصیل کے ساتھ فرق عدت موت و عدت طلاق کے بیان میں عنقریب آئے گی اور بقدر ضرورت یہاں بھی کسی قدر لکھی جاتی ہے۔ اعلمو ان الاحداد علی الزوج تابع للعدة وهو من مقتضیاتها ومکملاتها فان المراة انما تحتاج الی التزین والتجمل والتعطر لتحبب الی زوجها ویحسن مابینها من العشرة فاذامات الزوج وعندت منه وهی لم تصل الی زوج اخرفا قتضی تمام حقوق الاول وتاکید المنع من الثانی قبل بلوغ الکتاب اجله ان تمنع ممات صنعه النسالازواجهن مع مافی ذلك من سد الذریعة الی طمعها فی الرجال وطمعهم فیها بالزینة والخضاب والتطیب فاذابلغ الکتاب اجله صارت محتاجة الی ما یرغب فی نکاحها فابیح لها من ذلك مایباح لذات الزوج فلاشئ ابلغ فی المحسن من هذا المنع والاباحة ولواقترحت عقول العالمین لم تقترح شیئاً احسن منه

ترجمہ:۔واضح ہو کہ خاوند کا سوگ تابع عدت کے ہے اور یہ سوگ عدت کے مقتضاؤں اور اس کے متعلقات میں سے ہے کیونکہ عورت کو اپنے خاوند کی زندگی میں اپنی زینت و تجمل و تعطر کی ضرورت پڑتی ہے کہ اپنے خاوند کی محبوب و مرغوب رہے اور ان دونوں میں حسن معاشرت ہو پس جب خاوند مر جائے تو وہ اس کی عدت میں رہے اور دوسرے شوہر کے پاس نہیں پہنچے خاوند کا تمام حقوق اور دوسرے شوہر کا میعاد عدت کامل ہونے سے پہلے پہلے نکاح سے روکنا یہ اس کو مقتضی ہے کہ عورت کو ان امور سے منع کیا جاوے جو اور تیں اپنے خاوندوں کے لئے کیا کرتی ہیں نیز اس میں اس بات کا سد دور کرنا ہے کہ عورت کو مردوں کی طمع ہو اور اس کی زینت و اسباب کے ملاحظہ سے اس کی طرف مردوں کی چشم طمع دراز ہو پس جب عدت ختم ہو جاوے تو وہ ان امور کی محتاج ہوتی جو محرک و مرغب فی النکاح ہیں پس اس عورت کو وہ امور مباح ہوئے جو خاوند والی عورت کے لئے مباح ہوا کرتے ہیں پس یہ ممانعت اور اباحت نہایت حسن و مناسبت پر واقع ہوئی ہے تمام عالم کی عقلیں بھی اس سے بہتر تجویز نہیں کر سکیں۔

عدت طلاق ایک حیض سے زیادہ ہونے کی وجہ: سوال۔جب کہ رحم کے خالی یا حامل ہونے کا علم ایک ہی حیض سے معلوم ہو سکتا تھا تو پھر طویل عدت کے مقرر ہونے کی کیا وجہ؟

جواب۔۔اس کی وجہ ان مصالح الٰہی سے معلوم ہو سکتی ہے جن کے لئے یہ مشروع کی گئی ہے عدت کے مشروع ہونے میں چند مصلحتیں ہیں جس کی تفصیل ذیل میں ہے۔

(۱)رحم کے خالی ہونے کا علم حاصل کرنا تا کہ دو شخصوں کا نطفہ مل جانے سے اختلاط نسب ہو کر باعث فسادات ہو عدم تقرر عدت کی وجہ سے ایسے فساد اور جھگڑے ہوتے جن کو شریعت و حکمت الٰہی مانع ہے۔

(۲)طلاق دینے والے کے لئے لمبا زمانہ مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد طلاق دینے سے نادم ہو

اور عورت کی طرف رغبت نہ کرے۔

(۳) تقرر عدت کی ایک وجہ خاوند کے حق کا اظہار اور خاوند کے فوت ہو جانے سے تاسف کا اظہار ہے اور یہ امر زینت اور آرائش کے ترک کرنے سے ہوتا ہے اس سے واضح ہوا کہ عدت محض براءت رحم کا علم حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ یہ امر بھی عدت کے بعض مصالح و حکمتوں میں سے ہے باقی اور مصالح بھی ہیں جو ایک حیض کی عدت میں حاصل نہیں ہو سکتیں۔

اقسام عدت: (۱) حاملہ کی وضع حمل تک (۲) عدت بیوہ مرگ شوہر چار ماہ دس دن (۳) عدت مطلقہ تین طہر (۴) عدت آئسہ صغیرہ جس کو زیادہ عمر کے سبب یا کم عمری کے سبب حیض نہ آتا ہو تین ماہ ہے۔

عدت بیوہ کی دوسری عورتوں سے مختلف ہونے کی وجہ: عدت بیوہ کی چار ماہ اور دس دن مقرر ہے خواہ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ عدت کا حکم محض ایک عبادت کے لئے ہے اس میں عقل کو دخل نہیں ہے مگر یہ بات اس وجہ سے غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ عبادت محضہ ہوتی حالانکہ عدت محض عبادت نہیں ہے کیونکہ عدت چھوٹی اور بڑی اور عاقلہ اور دیوانہ اور مسلمہ و ذمیہ سب کے حق میں لازمی ہے اور یہ سب مکلف نہیں ہیں نیز اس میں نیت کی ضرورت نہیں اور عبادت میں نیت ضروری ہے پس معلوم ہوا کہ اس میں مصالح ضرور ہیں اور اس کے ساتھ ہی جب اس میں اطاعت الٰہیہ کا قصد ہو بشرط ایمان محض عبادت سے بھی خالی نہیں سو بعض مصالح تو نفس عدم میں ہیں جن کا حاصل رعایت حقوق زوج اول و اولاد و رعایت حق شوہر والی تفصیل عنقریب آتی ہے یعنی پہلے خاوند کی رعایت تو اس میں ایک یہ ہے دونوں میں جو تعلق نکاح کا تھا اس کا احترام اور وقعت باقی رہے اور دوسری رعایت یہ ہے کہ اس میں دوامی حقوق اور معاہدہ مصاحبت کی کسی قدر وفاداری کا اظہار ہے اور تیسری یہ ہے کہ اس سے ظاہر ہو سکے اور نسب میں بھی اشتباہ نہیں ہوتا اور حق خاوند کی حرمت و عزت کا اس کی وفات کے بعد قابل لحاظ ہونا

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کے تحقق کی وجہ سے آپ
کی وفات کے بعد آپ کی عورتوں سے اور دوسروں پر ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہو گیا ہے اور آپ
کی حرمت کے اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ آپ کی دنیا والی عورتیں آخرت میں بھی آپ کی ازواج
مطہرات ہوں گی اس لئے بھی آپ کے بعد کسی کو ان سے نکاح کرنا حلال نہیں ٹھہرایا گیا۔ یہ امر
دوسروں کے لئے نہیں ہے کیونکہ جس قدر کسی شوہر کا احترام ہے وہ تو ہر حق ان کے حق میں
معلوم ہے بلکہ اگر اس حالت میں خاوند کے مرنے سے عورت کو دوسرا نکاح کرنا حرام ہوتا تو اس
کو سخت ضرر لاحق ہوتا بہرحال نکاح ثانی تو حلال ہوا مگر کچھ احکام حفاظت احترام شوہر مشروع ہونے
چاہییں اور زمانہ جاہلیت میں بھی احترام حق شوہر اور عزت عقد نکاح میں بہت مبالغہ کرتے تھے
سال بھر تک عورت دوسرا نکاح نہ کرتی اور نہ گھر سے باہر نکلنے کی مجاز ہوتی تھی اور اس میں بھی
حرج تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس مبالغہ کو اپنی شریعت حقہ کے ذریعے سے جو کہ محض حکمت و رحمت
و مصلحت و حکمت پر مبنی ہے تخفیف کر دیا اور بجائے سال کے چار مہینے اور دس دن کی عدت مقرر کی
جو سراسر حکمت و مصلحت پر مبنی ہے کیونکہ اس مدت میں رحم میں بچہ کا ہونا یا نہ ہونا معلوم
ہو سکتا ہے کیونکہ چالیس دن تک رحم میں نطفہ ہوتا ہے پھر چالیس دن تک لوتھڑا (خون) کی پھٹکی
ہوتی ہے پھر اس کے بعد چالیس دن میں بچہ تیار ہوتا ہے اور یہ پورے چار مہینے ہوتے ہیں پھر اس
مدت کے بعد چوتھے چلہ میں روح پھونکی جاتی ہے جس کا اندازہ دس دن ہے کہ اگر حمل ہو تو
حرکت سے ظاہر ہو سکے اور یہ مصلحت مدت کی اسی مدت خاص کی ہے۔ الغرض شارع نے بیوہ
کی عدت چار مہینے اور دس دن اس لئے مقرر کی ہے کہ چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں اور اس
مدت کے اندر جنین میں جان پڑتی ہے اور حرکت کرنے لگتا ہے اور دس روز اس پر اور زیادہ کئے گئے
تاکہ وہ حرکت پورے طور پر ظاہر ہو جاوے اور نیز یہ مدت حمل معتاد کی نصف ہے جس میں حمل
پورے طور پر ایسا ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر شخص دیکھ کر جان سکتا ہے اور مطلقہ کی عدت میں بچہ کے
محسوس ہونے کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ اس کی عدت حیض سے مقرر کی گئی اور اس بیوہ کی چار مہینے دس

دن سے مقرر کی گئی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مطلقہ میں تو حق دار یعنی خاوند زندہ ہوتا ہے جو نسب کی مصلحت اور قرائن کو جانتا ہے پس ممکن ہے کہ عورت کو اس چیز کے ساتھ عدت شمار کرنے کا حکم دیا جاوے جس کا علم اس کے ساتھ خاص ہے اور خاوند اس کو امین سمجھے اور بیوہ کے واقعہ میں خاوند موجود نہیں ہوتا اور دوسرا شخص اس کا باطنی حال اور قریب ایسا معلوم نہیں کر سکتا جس طرح خاوند پہچان سکتا تھا پس ضروری ہوا کہ اس کی عدت ایسی مقرر کی جاوے جس کے معلوم کرنے میں قریب و بعید سب برابر ہوں اور وہ بچہ کے محسوس ہونے کی مدت ہے اور اس کے فرق سے عدت مطلقہ میں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب وہاں حمل کا ظاہر و بین طور پر معلوم کرنا نہیں ہے بلکہ محض رحم کا خالی ہونا ہے تو وہ ایک حیض سے بھی معلوم ہو سکتا ہے جواب یہ ہے کہ صرف برات رحم مقصود نہیں ہے اگرچہ برات رحم بھی عدت کے بعض ضروری مقاصد میں سے ہے بلکہ عدت میں متعدد حکمتیں ہیں اور وہ جب معلوم ہو سکتی ہیں کہ جبکہ وہ حقوق معلوم ہوں جو اس میں ملحوظ ہیں چنانچہ عدت میں ایک تو خدا تعالیٰ کا حق ہے اور وہ اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی طلب رضا ہے اور دوسرا طلاق دینے والے خاوند کا حق ہے اور یہ حق اس کے رجوع کرنے کے لئے لمبا زمانہ ٹھیرایا گیا اور رجعت سے یا نکاح جدید سے۔ تیسرا حق زوجہ کا ہے اور یہ حق اس کا استحقاق نفقہ و سکونت خاوند پر ہے جبتک عورت عدت میں ہو اور چوتھا حق بچہ کا ہے یہ حق بچہ کے ثبوت نسب کی احتیاط کے لئے ہے تاکہ اس کا نسب دوسرے کے ساتھ نہ مل جائے۔ پانچواں حق دوسرے خاوند کا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو دیکر ضائع نہ کرے اور شارع علیہ السلام نے ہر ایک کے مناسب خاص خاص احکام بھی مرتب فرمائے چنانچہ رعایت حق خاوند میں یہ امر قرار پایا ہے کہ زوجہ گھر سے باہر نہ جاوے اور نہ خاوند اس کو باہر نکالے اور نیز یہ حق ٹھیرایا ہے کہ عدت کے اندر اگر زوجہ سے طلاق دینے والا رجعی طلاق میں رجوع کرلے تو زوجہ مانع نہ ہو اور زوجہ کا حق خاوند پر نفقہ و سکونت کا مہیا کرنا ہے۔ اور حق بچے کا یہ ہے کہ اس کے نسب کا ثبوت ہو جاوے اور وہ اپنے باپ سے ملحق ہو اور دوسرے سے ملحق نہ ہو اور دوسرے خاوند کا حق یہ ہے کہ

وجہ یہ ہے کہ برأت رحم کا علم ہو جائے کہ منکوحہ عورت سے جو دخول کرے مبادا رحم میں پہلے شخص کا بچہ ہو اور اس طرح سے اختلاط نسب ہو جاوے۔ پس مطلقہ کے لئے تین حیض مقرر کر کے ان حقوق کے مذکورہ کی رعایت و تکمیل کے لئے ہے کہ ان میں بعض حقوق ایک حیض میں حاصل نہیں ہو سکتے اور عدت طلاق میں جو حقوق بیان کئے ان میں سے بعض طلاق و وفات میں مشترک بھی ہیں چنانچہ تامل سے معلوم ہو سکتے ہیں پس اس تقریر سے اس وعدہ کا بھی ایفاء ہو گیا جو شروع [illegible] کے قریب کیا گیا تھا کہ تفصیل عنقریب آتی ہے۔

حرمت نکاح متعہ کی وجہ: (۱) متعہ کی رسم جاری ہونے سے نسب کا خلط ملط ہوگا اور اس کی تباہی و بربادی لازم آتی ہے کیونکہ اس مدت متعہ کے گذرتے ہی وہ عورت متعہ کے قبضہ سے خارج ہو جاتی ہے اور عورت کو اپنا اختیار ہوتا ہے اب معلوم نہیں کہ وہ جب حاملہ ہوئی تو کیا کرے گی اور عدت کا انضباط نکاح صحیح جو شریعت میں معتبر ہے اس میں ابطال لازم آتا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنے والوں کی خواہش غالباً شہوت شرمگاہ کا پورا کرنا ہوتا ہے۔

(۲) صرف جماع کی اجرت دینا طبیعت انسانی سے بالکل انسان باہر ہو جاتا ہے اور بے حیائی ہے اس کو قلب سلیم بالکل پسند نہیں کرتا باوجود اس قباحت کے ابتداء میں چند روز اس کی اجازت ہو گئی تھی سے بعد اضطرار اور نکاح پر قدرت ہو سکنے سے تھا جیسا میتہ کی مخمصہ میں اجازت ہو جاتی ہے پھر ان قباحت کے سبب ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو گیا۔

احادیث سے متعۃ النساء کی حرمت: حدثنا محمد بن عبداللہ ابن النمیر حدثنا ابی عبدالعزیز بن عمر حدثنا الربیع بن سبرة الجهنی ان اباه حدثه انه كان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال یاایها الناس انی كنت اذنت لكم فی الاستمتاع من النساء ان اللہ قد حرم ذلك الی یوم القیمه فمن كان عنده منهن شیء فلیخل سبیلها ولاتاخذوا مما اتیتموهن شیئاً صحیح مسلم مع نووی صفحہ ۴۵۱۔

ترجمہ: یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے لوگو میں نے تم کو متعۃ النساء کی پہلے اجازت دی تھی اب خدا تعالیٰ نے متعۃ النساء کو قیامت تک حرام کر دیا ہے جس شخص کے پاس ان عورتوں میں سے کوئی عورت ہو تو اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے کچھ نہ لو۔ صحیح مسلم

حدثنا مالك بن اسمعيل قال حدثنا ابن عيينه انه سمع الزهري يقول اخبرني الحسن بن محمد بن علي واخوه عبدالله عن ابيه ان عليا قال لابن عباس ان النبي ﷺ نهى عن المتعة وعن لحوم الحمر الاهلية زمن خيبر بخاري وعن سفيان نهى عن النكاح المتعة. فتح الباري ترجمہ: یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کو فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعۃ النساء اور خوانگی گدھے کے گوشت سے خیبر کے ایام میں منع فرمایا اور سفیان سے روایت ہے کہ نکاح متعہ ممنوع ہو چکا ہے۔

متعۃ النساء کی تردید پر وجدانی دلیل: ہر شریف الطبع بھلا مانس شریف قوم کا امیر آدمی اپنی جگہ سوچے کہ اگر شرعاً متعۃ النساء موجب کار ثواب ہے تو پھر نکاح میں اور اس میں یہ فرق کیوں ہے کہ نکاح کی نسبت کرنے میں اپنی بیٹی بہن کی طرف تو عار نہیں آتی مگر کیا کوئی شریف مجالس میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری ماں اور بیٹیاں اور بہنوں نے متعے کئے ہیں وجدانی رنگ میں یہ لاجواب دلیل ہے اور یقینی تو یہ ہے کہ جیسے ازدواج و تزویج میں صریح مبارکباد قبول کرتے ہیں اس طرح اپنی اقارب عورتوں کے متعہ کے متعلق اس مبارکباد کو برداشت نہ کر سکیں یہ تو عقلی دلیل تھی اور نقلی تو پہ بیان ہو چکیں اور اور بھی لکھی جاتی ہیں۔ عن علي بن ابي طالب ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن متعة النساء ترجمہ: یعنی علی المرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا عورتوں سے متعہ کرنا ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کی تصحیح کی اور حرمت متعہ پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق تھا البتہ حضرت ابن عباس قدیم ملکی روایات اور عادت کے باعث چند روز مجوز رہے مگر جب ان کو شرعی حکم کی اطلاع پہنچی تو تجویز متعہ سے رجوع کیا اور متعہ

کی حرمت تمام حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ اور اہل حدیث اور صوفیائے کرام میں متفق علیہ ہے۔

مستورات اور مردوں کے لئے اسلامی پردہ کے وجوہ: پردہ کے متعلق اسلام نے مرد و عورت کیلئے ایسے ایسے اصول بتائے ہیں جن کی پابندی سے ان کی عفت و عزت پر حرف نہ آنے اور بدی کے ارتکاب سے محفوظ اور معصوم رہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن الی قولہ تعالیٰ ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعاً ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً۔ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم۔ الی قولہ تعالیٰ فما رعوھا حق رعایتھا۔** ترجمہ: یعنی ایماندار مردوں کو کہہ دے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں یعنی ایسی عورتوں کو کھلے طور پر دیکھیں جو شہوت کا محل ہو سکتی ہوں اور ایسے موقع پر نگاہ کو پست رکھیں اور اپنی ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں (ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں یعنی بیگانہ عورتوں کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں ان کے حسن کے قصے نہ سنیں جیسا دوسری نصوص میں ہے) یہ طریق نظر اور دل کے پاک رہنے کے لئے عمدہ طریق ہے ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہہ دے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں (نیز ان کی پر شہوات آوازیں نہ سنیں جیسا دوسری نصوص میں ہے) اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنے زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آ جائے یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر (ناچنے والیوں کی طرح) نہ ماریں (یہ وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے) اور دوسرا طریق بچنے

گئے ہیں یہ ہے کہ) خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اس سے دعا کرو تا کہ ٹھوکر سے بچاوے اور
لغزشوں سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دور رہو جن سے یہ خیال
بھی دل میں پیدا ہو سکتا ہے اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو۔ جو زنا
کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ زنا کی راہ بہت بری ہے یعنی منزلِ مقصود سے روکتی ہے اور
تمہاری آخری منزل کیلئے سخت خطرناک ہے اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہیئے کہ وہ اپنی عفت کو
دوسرے طریقوں سے بچاوے مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے تن آزار کام لے اور
ان لوگوں نے یہ طریق بھی نکالے تھے کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح وغیرہ سے دست بردار رہیں یا خوجے
(مخنث) بنیں اور کسی طریق سے انہوں نے رہبانیت اختیار کی مگر ہم نے ان پر یہ حکم فرض
نہیں کیا اور پھر وہ ان بدعتوں کو بھی پورے طور پر نباہ نہ سکے خدا تعالیٰ کے قول کے مفہوم میں یہ
مضمون کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ خوجے بنیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر خدا کا
حکم ہوتا اور سب لوگ اس پر عمل کرتے ہوتے تو اس صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر
کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو چکتا اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنا ہو کہ عضو مردی کو کاٹ دیا
جاوے یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز ثواب کا تمام مدار تو اس بات پر
ہے کہ قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا تعالیٰ کا خوف کر کے اس قوت کے جذبات
کا مقابلہ کرے اور اجازت کی جگہ اس کے منافع سے فائدہ اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل کرے اور
جس میں بچے کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اس کو ثواب کیا ملے گا کیا بچہ کو عفت کا ثواب مل سکتا ہے
ان آیات میں مع دیگر نصوص کے خدا تعالیٰ نے خلق احصان یعنی عفت حاصل کرنے کے لئے
صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاک دامن رہنے کیلئے پانچ علاج بھی بتلا دیئے ہیں یعنی یہ
کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا نامحرموں
کے قصے نہ سننا اور ایسی تمام تقریبوں سے جن میں اس فعل بد کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا اور اگر
نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔ یہ اعلیٰ تعلیم ان سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے

بیان فرمائی ہیں صرف اسلام ہی سے خاص ہے اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اس کے جذبات شہوت محل اور موقع پا کر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے یا یوں کہو کہ سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں اسلئے خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف دیکھ تو لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر بھی ڈال لیں اور ان کے تمام ناز و ادا ناچنا وغیرہ بھی مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سنا کریں لیکن پاک خیال سے بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور ان کے حسن کے قصے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے بلکہ ہمیں چاہیے کہ ان کے سننے اور دیکھنے سے ایسی نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تا ٹھوکر نہ کھاویں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آئیں سو چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اسلئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی اور اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ضرور ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے اگر ہم بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھ دیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں سو خدا نے چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی تقریب پیش نہ آوے جس سے بد خطرات جنبش کر سکیں اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اسکو نہیں چاہیے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے بلکہ اس کیلئے اس تمدنی زندگی میں غض بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائے گی اور اسکی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑے گا یہی وہ خلق ہے جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں

حیض میں عورت سے حرمت جماع کی وجہ : خداتعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن ترجمہ :۔ یعنی پوچھتے ہیں تجھ سے حکم حیض کا تو کہو وہ ناپاکی ہے سو تم حیض میں عورتوں سے کنارہ کرو اور صحبت نہ کرو ان سے جب تک وہ پاک نہ ہولیں۔ جب کہ خداتعالیٰ حیض کو ناپاکی واذی فرماتا ہے تو ایسی حالت میں صحبت کرنے سے شدید ضرر پہنچنے کا قوی مظنہ ہے لہذا خداتعالیٰ نے حیض میں جماع سے منع فرمایا طب کی رو سے جو شخص حالت حیض میں عورت سے جماع کرے اسکو مندرجہ ذیل امراض لاحق ہونے کا احتمال ہے۔ جرب یعنی خارش نامردی سوزش یعنی جلن۔ جریان جذام اولاد۔ یعنی جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو جذام ہو جاتا ہے اور عورت کو مندرجہ ذیل بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اس کو اکثر ہمیشہ کے لئے خون جاری ہو جاتا ہے اور بچہ دان یعنی رحم باہر کو لٹک آتا ہے بعض عورات کیلئے اکثر اوقات کچا حمل گر جانے کا باعث منجملہ دیگر امور کے یہ اسباب بھی ہوتا ہے چونکہ حالت حیض میں جماع کرنے سے مذکورہ بالا امراض اور بھی دیگر عوارض پیدا ہو جاتے ہیں اسلئے خداتعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کر کے حالت حیض میں جماع کرنے سے منع فرمادیا۔

وجہ حرمت جماع حائض وحکمت اباحت وطی مستحاضہ : حائضہ سے جماع حرام ہونا اور مستحاضہ سے جائز ہونا باوجودیکہ دونوں نجاست کی قسم سے ہیں اسمیں وجہ یہ ہے کہ یہ امر شارع کی کمال حکمت میں سے ہے کہ اس نے دونوں خونوں میں فرق ظاہر کر دیا کیونکہ حیض کی نجاست بہ نسبت استحاضہ کے زیادہ تر قوی ہے استحاضہ کا خون شرمگاہ کی ایک رگ سے جاری ہوتا ہے پس شرمگاہ سے جریان خون استحاضہ کا ایسا ہے جیسا کہ ناک سے نکسیر جاری ہوتی ہے اس خون کا نکلنا مضر ہے اور اس کا بند ہونا دلیل صحت ہے بخلاف حیض کے اگر حیض کا خون بند ہو جاوے تو وہ موجب بیماری ہے اور اس کا جاری ہونا موجب صحت ہے پس خون حیض واستحاضہ دونوں ازروئے

طلاق رجعی کا دو تک محدود ہونے کی وجہ ۔اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دیکر رجوع کر لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں عورت پر کس قدر ظلم تھا لہذا آیت کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرتان یعنی ایسی طلاق دوبار ہے جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے پھر اگر تیسری طلاق دے تو اس کے بعد تو جبتک وہ عورت برضا خود کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے پہلے کے لئے وہ حلال نہیں ہو سکتی آنحضرت ﷺ نے اس نکاح کے ساتھ صحبت کرنے کو بھی شرط فرمایا ہے اور اس اشتراط سے جاری یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ وہ عورت خاص حلالہ ہی کی غرض سے دوسرے سے نکاح کرے گی بلکہ نکاح تو ہمیشہ کی آبادی کی غرض سے کرے مگر اتفاقاً اگر وہاں بھی طلاق ہو جاوے تو شوہر اول سے نکاح جائز ہے۔

تین طلاق دینے اور پھر نکاح ثانی کے بعد پہلے مرد پر اس عورت کے حلال ہونے کی وجہ ۔ یہ سوال حضرت ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پر وارد ہوا تھا اس پر جو جواب انہوں نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العالمین میں درج فرمایا ہے ہم اس کا ترجمہ بطور ملخص یہاں لکھ دیتے ہیں۔ وھوھذا

تین طلاق کے بعد مرد پر عورت کے حرام ہونے اور دوسرے نکاح کے بعد پھر پہلے مرد پر جائز ہونے کی حکمت کو وہی جانتا ہے جس کو اسرار شریعت اور مصالح کلیہ آلہیہ سے واقفیت ہو پس واضح ہو کہ اس امر میں شریعتیں حسب مصالح ہر زمانہ اور ہر امت کے لئے مختلف رہی ہیں شریعت توراۃ نے طلاق کے بعد جب تک عورت دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پہلے مرد کا رجوع اس کے ساتھ جائز رکھا تھا اور جب وہ دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی تھی پہلے شخص کو اس عورت سے کسی صورت میں رجوع جائز نہ تھا اس امر میں جو حکمت و مصلحت الہی ہے ظاہر ہے کیونکہ جب مرد جانے گا کہ اگر میں نے عورت کو طلاق دیدی تو اس کو پھر اپنا اختیار ہو جائے گا اور اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا بھی جائز ہو جائیگا اور پھر جب اس نے دوسرا نکاح کر لیا تو مجھ پر ہمیشہ کے لئے یہ

عورت حرام ہو جاتی ہے کیونکہ ان امور خاصہ کے تصور سے مرد کا عورت سے تعلق و تمسک پختہ ہوتا تھا اور عورت کی جدائی کو ناگوار جانتا تھا شریعت توراۃ حسب حال موزوں امت موسوی نازل ہوئی تھی کیونکہ تشدد اور غضب خدا اس امت پر ان کے زمان میں بہت تھا پھر شریعت انجیل آئی تو اس نے نکاح کے بعد طلاق کا دروازہ باطل بند کر دیا جب مرد کسی عورت سے نکاح کر لیتا تو اس کیلئے عورت کو طلاق دینا ہرگز جائز نہ تھا پھر شریعت محمدیہ آسمان سے نازل ہوئی جو کہ سب شریعتوں سے اکمل افضل و اعلیٰ اور پختہ تر ہے اور انسانوں کے مصالح معاش و معاد کے زیادہ مناسب اور عقل کے زیادہ موافق ہے خدا تعالیٰ نے اس امت کا دین کامل اور ان پر اپنی نعمت پوری کی اور طیبات میں سے اس امت کیلئے بعض وہ چیزیں حلال فرمائی ہیں جو کسی امت کیلئے حلال نہیں ہوئی تھیں چنانچہ مرد کے لئے جائز ہوا کہ حسب ضرورت چار عورات تک سے نکاح کر سکے پھر اگر مرد و عورت میں نہ بنے تو مرد کو اجازت دی کہ اس کو طلاق دے کر اور عورت سے نکاح کرے کیونکہ جب کہ پہلی عورت موافق طبع نہ ہو یا کوئی اس سے فساد واقع ہو اور وہ اس سے باز نہ آئے تو شریعت اسلامیہ نے ایسی عورت کو مرد کے ہاتھ اور پاؤں اور گردن کی زنجیر بنا کر اسے جکڑنا اور اس کی کمر توڑنے والا بوجھ بنانا نہیں تجویز کیا اور نہ اس دنیا میں مرد کے ساتھ ایسی عورت کو رکھ کر اس کا دوزخ بنانا چاہا ہے

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ او

لہٰذا خدا تعالیٰ نے ایسی عورت کی جدائی مشروع فرمائی اور وہ جدائی بھی اس طرح مشروع فرمائی کہ مرد عورت کو ایک طلاق دے پھر عورت تین طہر یا تین ماہ تک اس اس مرد کے رجوع کا انتظار کرے تاکہ اگر عورت سدھر جائے اور شرارت سے باز آ جائے اور مرد کو اس عورت کی خواہش ہو جائے یعنی خدائے مصرف القلوب عورت کی طرف مرد کے دل کو راغب کر دے تو مرد کو عورت کی طرف رجوع ممکن ہو سکے اور مرد کے لئے رجوع ممکن ہو سکے اور مرد کے لئے رجوع کرنے کا دروازہ مفتوح رہے تاکہ مرد عورت سے رجوع کر سکے اور جس امر کو غصہ و شیطانی جوش نے اس کے ہاتھ سے نکال دیا تھا اس کو مل سکے اور چونکہ ایک طلاق کے بعد پھر بھی جانبین کی طبعی

عباس رضی اللہ عنہ لعن رسول اللہ ﷺ المحلل والمحلل له۔ ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے
حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی تو شرط کی حلالہ دوسرے سے یہ غرض ہے کہ ایسے سبب پیدا نہ
جائیں کہ جس طرح پہلے خاوند نے بلا تامل عورت کو طلاق دی تھی اسی طرح دوسرا بھی طلاق دے دے یا
مر جائے تو عورت کا دوبارہ بعد عدت پہلے خاوند کی طرف بلا کراہت درست ہے۔ غرض تین سخت
رکاوٹوں کے بعد پہلے خاوند کی طرف رجوع مشروع ہونے کی وجہیں مذکورہ سے ظاہر ہو رہی ہیں کہ
اس میں عزت و عظمت امر نکاح کی اور شکر نعمت الٰہی کا اور اس نکاح کا دوام اور عدم قطع ملحوظ ہے
کیونکہ جب خاوند کو عورت کی جدائی سے اس کے وصل ثانی تک اتنی رکاوٹیں درمیان میں حائل
ہونے والی متصور ہوں گی تو وہ تیسری طلاق تک نوبت نہیں پہنچائے گا۔ ان الشارع حرمها عليه
حتى تنكح زوجا غيره عقوبة له ولعن المحلل والمحلل له لمناقضتهما ما قصده الله سبحانه
من عقوبة وكان من تمام هذه العقوبة ان طول مدة تحريمها عليه فكان ذلك ابلغ فيما
قصده الشارع من العقوبة فانه اذا علم انها لا تحل له حتى تعتد بثلاثة قروء ثم يتزوجها
آخر بنكاح رغبة مقصود لا تحليل موجب للعنة ويفارقها وتعتد من فراقه ثلاثة قروء آخر طال
عليه الانتظار وعيل صبره فامسك عن الطلاق الثلاث وهذا واقع على وفق الحكمة
والمصلحة والزجر فكان التربص الثلاثة قروء في الرجعية نظرا للزوج ومراعاة لمصلحته
لما لم يوقع الثالثة المحرمة لها عليه وههنا كان تربصها عقوبة له وزجرا لما اوقع الطلاق
المحرم لما احل الله له واكدت هذه العقوبة بتحريمها عليه الا بعد زوج واصابة وتربص
ثان۔

ایلاء کی مدت چار ماہ مقرر ہونے کی وجہ: خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ للذين يؤلون من
نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاءوا فان الله غفور رحيم وان عزموا الطلاق فان الله
سميع عليم۔ ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں سے جدا ہونے کے لئے قسم کھا لیتے ہیں ان کے لئے
چار مہینے کا انتظار ہے۔ اگر وہ اس چار ماہ کے عرصہ کے اندر اپنے ارادہ سے باز آ جاویں (اور رجوع

کرلیں) تو خدا تعالیٰ غفور و رحیم ہے اور طلاق دینے پر پختہ ارادہ کرلیں (اسی طرح سے کہ رجوع نہ کریں) تو (یاد رکھیں کہ) خدا سننے اور جاننے والا ہے۔

ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں اہل جاہلیت اس بات کا حلف یعنی قسم کھایا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے کبھی یا ایک مدت دراز تک جدا رہیں گے ایسی عورتوں پر نہایت ظلم اور ضرر تھا لہذا خدا تعالیٰ نے چار مہینے سے زیادہ مدت ایلاء کی منسوخ فرمادی اور اس ایلاء کی مدت چار مہینے مقرر ہونے میں بہت سے راز ہیں از انجملہ چند درج ذیل ہیں

(۱) اس مدت کے معین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر انسان عارف نہ ہو تو اسکے چھوڑنے سے ضرر پہنچتا ہے۔

(۲) یہ مدت سال کا ایک ثلث حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ثلث کیساتھ ہوا کرتا ہے اور نصف کو مدت کثیرہ شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) اگر ایلاء کی مدت زیادہ ہوتی تو مرد لاپرواہ ہو کر عورت کے نان و نفقہ کو ٹال دیتا اور یہ امر عورت کے لئے سخت مضر ہے کہ وہ کہاں سے کھاتی اور کہاں سے پہنتی اور کہاں رہتی۔

(۴) ممکن ہے کہ اس ایلاء سے مرد نے عورت سے جماع کرلیا ہو جس سے احتمال حمل ہو سکتا ہے اندریں صورت مدت رحم چار ماہ میں بالکل وجوہ معلوم ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کی مدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے پس اس مدت میں بالکل واضح اور پورے طور سے ہر کسی کو شناخت حمل ہو سکتی ہے پھر اگر معلوم ہوا اور مرد رجوع بھی نہ کرے تو پھر مدت وضع حمل تک ہے۔

(۵) خدا تعالیٰ نے جو کہ دانائے راز نہاں و آشکارا ہے ایلاء کی مدت چار ماہ مقرر کرنے میں یہ راز رکھا ہے کہ بالعموم فطرتی طور تندرست جوان عورت کو چار ماہ سے زیادہ اپنے مرد کی جدائی گراں و ناگوار گزرتی ہے اور وہ غالباً اس مدت تک پھر اپنے مرد کا وصال چاہتی ہے چنانچہ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔ اخرج ابن جریج قال

اخبرني من اصدقه ان عمر بينما هو يطوف سمع امرأة تقول شعراء

تطاول هذا الليل واسود جانبه   وارقني ان لاخليل الاعبه

فلو لاحذار الله لاشيء مثله   لزعزع من هذا السرير جوانبه

فقال عمر ومالك قالت اغربت زوجي عند اشهر وقد اشتقت اليه قال اردت سوءا قالت معاذ الله قال فاملكي عليك نفسك فانما هو البريد اليه فبعث اليه ثم دخل على حفصة فقال اني سائلك عن امر قد اهمني فافرجيه عني كم تشتاق المرأة الى زوجها

• فخفضت راسها واستحييت قال فان الله لا يستحيي من الحق فاشارت بيدها

ثلاثة اشهر والافاربعة اشهر فكتب عمران لاتحبس الجيوش فوق اربعة اشهر۔ ترجمہ:۔ یعنی ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی اس شخص نے جس کی بات کو میں سچ جانتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مدینہ منورہ کی گلیوں میں اپنی خلافت کے زمانہ میں بغرض خبر رعیت گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت کو شعر ذیل پڑھتے سنا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رات دراز ہو گئی اور اس کے اطراف تخت تاریک وسیاہ ہو گئے اور مجھے اس خیال نے بیدار کر دیا ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے کہ جس کے ساتھ کھیلوں اگر خدا سے بے مثل وبے مانند کا ڈر نہ ہوتا تو میری اس چارپائی کی طرفیں ہلائی جاتیں۔ پس حضرت عمر نے اس عورت کو آواز دے کر کہا تو کیا چاہتی ہے اس عورت نے کہا کہ آپ نے میرے خاوند کو کئی ماہ سے غزوہ میں بھیجا ہے اور اب مجھے اپنے خاوند کے ملنے کا اشتیاق ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تو بدخیال رکھتی ہے اس عورت نے کہا خدا کی پناہ میرا خیال بد نہیں ہے پس حضرت عمر نے اس کو فرمایا کہ تو اپنے آپ کو ضبط رکھو ابھی تیرے خاوند کو بلانے کے لئے قاصد روانہ کیا جائے گا پھر حضرت عمر بی بی حفصہ کے پاس گئے اور حفصہ سے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں جس کا مجھے بڑا ہی سوچ ہے اس کو حل کر دو۔ اور وہ یہ ہے کہ کتنی مدت کے بعد عورت کو اپنے خاوند کے وصال کا شوق پیدا ہوتا ہے حضرت حفصہؓ نے اپنا سر نیچے کر لیا اور شرما گئیں حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ حق بات سے نہیں

شرماتا پس حفصہ نے اپنے ہاتھ سے تین مہینے کا اور پھر زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی مدت تک کا اشارہ کیا یعنی مرد کو چاہیے کہ تین ورنہ چار ماہ تک ضرور اپنی عورت سے ملے پس حضرت نے لشکروں کے افسروں کے نام خط لکھ کر روانہ کئے اور تاکید کی کہ کسی سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ لشکر میں بند نہ رکھا جائے یعنی ہر سپاہی کے ہر چار ماہ کے بعد گھر پر آنے کی رخصت کا عام حکم نافذ فرمادیا۔

وفات انبیاء کے بعد ان کی عورتوں سے اوروں کو نکاح حرام ہونے کی وجہ :

انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی قریب قریب وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل از مرگ تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے اجسام مثل اجسام احیاء کے پھولتے پھٹتے نہیں چنانچہ احادیث میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ انکی ازواج مثل ازواج احیاء اوروں سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں اور یہی وجہ ہے کہ انکے اموال کو مثل احیاء ان کے وارث تقسیم نہیں کر سکتے اور اسی وجہ سے حدیث لانورث کو معارض آیت یوصیکم اللہ اور آیت لاتنکحوا ازواجہ مامن بعدہ ابدا کو آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً نہیں کہہ سکتے کیونکہ آیت یوصیکم اللہ اورایت والذین یتوفون کے مصداق وہ ہیں جن کی ارواح کو ان کے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا ہو جو حالت حیات میں تھا۔ چنانچہ للرجال نصیب مما ترک الوالد ان میں لفظ ترک اورایت والذین یتوفون میں لفظ توفی اس کا شاہد ہے علیٰ ہذا آیت والیخش الذین لوترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا میں لفظ ترکو قرینہ مضمون معروض ہے کیونکہ جیسے مضمون توفی جس کے معنی لغوی قبض کے ہیں جب بھی چسپاں ہوتا ہے جب کہ کوئی چیز نکال لی جائے اور یہ بات یہاں اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے کہ جب روح کو بدن سے نکال باہر کیا جائے کیونکہ الذین کا مصداق آیت والذین یتوفون میں وہی ہے اور نیز وہ نہ ہو تو جسم ہوگا اور ظاہر ہے کہ جسم مورد توفی وقت مرگ نہیں ہوتا کیونکہ وہ کہیں نکالا نہیں جاتا اسلئے بھی کہنا پڑے گا کہ ایسے لوگوں کی روح کو اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا ایسے ہی مضمون ترک بھی گرفتاران

محبت اولاد و اموال کے حق میں جب بھی صحیح ہو سکتا ہے جب کہ اس خاکدان سفلی کو چھوڑ کر عالم علوی کو چلے جاویں سو یہ بھی جب بھی متصور ہے جب کہ روح کو وہ تعلق نہ رہے ورنہ وہ ترک نہیں باعث مثل بند ایوان دست وپا ملاقات اولاد و تصرف اموال سے مجبور ہیں یہی وجہ ہے کہ سکتہ والے کی ازواج و اموال بدستور اس کے ملک میں باقی رہتے گو ان لفظوں میں یہ فرق ہے کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہو جاتے ہیں مگر ان قید خانہ یہی جسم خاکی ہوتا ہے اس لئے وہ پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعال اختیاریہ ہوا کرتا ہے اور نور آفتاب و قمر کے پھیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہے ایسی طرح بند ہو جاتا ہے جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھ دینے کے وقت اس کے نور کا پھیلاؤ بند ہو جاتا ہے سو یہی صورت بعینہ انبیاء علیہم السلام کی موت کی سمجھو اتنا فرق ہے کہ سکتہ میں سوائے بعض مواقع تمام اعضاء میں سے روح کھینچ لی جاتی ہے اور تمام قوائے روحانی کو مثل قوت سامعہ و قوت باصرہ اپنے اپنے مواقع سے کھینچ لیتے ہیں اور اس وجہ سے اگر تدبیر مناسب نہ بن پڑے تو رفتہ رفتہ بالکل کھینچ کر باہر کر دیتے ہیں اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اس لئے حیات جسمانی کو نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کرو کہ چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو بہر حال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے باعث کیفیت حیات میں بوجہ اجتماع اور بھی قوت آجاتی ہے اور مثل چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات و موت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں

الغرض بقائے حیات انبیاء ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں اور اسی وجہ سے انکے اموال میں میراث کا جاری ہونا مقرر نہیں ہوا اور نیز اس حکم میں عظمت انبیاء بھی منظور ہے اور لفظ ترک گو ایک حدیث میں منسوب الی الانبیاء بھی ہے مگر دلائل حیات کے قرینہ سے وہ مشاکلۃ و مجاز اہے۔

عورت کیلئے ایک سے زیادہ خاوند کرنے سے ممانعت کی وجہ :(۱) عورت اولاد کے حق میں ایسی ہے جیسے زمین پیداوار کے حق میں مگر پیداوار کو تو وجہ تشابہ اجزاء ہم بانٹ سکتے ہیں اسلئے اسکی شرکت میں کچھ حرج نہیں مگر ایک عورت اگر چند مردوں میں مشترک ہو تو وجہ استحقاق قضائے حاجت اس صورت میں اول تو اسی وجہ سے اندیشہ فساد و عناد ہے شاید ایک ہی وقت سب کو ضرورت ہو دوسرے بعد نکاح اگر بوجہ استحقاق مذکور سب اس سے اپنا مطلب نکالتے ہیں تو در صورت تولد فرزند واحد تو فرزند کو پارہ پارہ نہیں کر سکتے جو اسطرح تقسیم کر کے اپنے پارہ کو ہر کوئی لے جائے اور متعدد فرزند ہوں تو وجہ اختلاف ذکورت و انوثت و تفاوت شکل و صورت و جمال خلق و سیرت و فرق قوت و ہمت موازنہ ممکن نہیں جو ایک کو لیکر اپنے دل کو سمجھالیں پھر بوجہ تساوی محبت جملہ اولاد یہ دوسری دقت رہی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا پھر اس وجہ سے خدا جانے کیا فتنہ برپا ہو۔ غرض ہر طور اس انتظام میں خرابی نظام عالم تھی۔ ہاں اگر ایک مرد ہو اور متعدد عورتیں ہوں تو جیسے ایک کسان متعدد کھیتوں اور زمینوں میں تخم ریزی کر سکتا ہے۔ ایسے ہی ایک مرد بھی متعدد عورتوں سے بچے جنوا سکتا ہے اور پھر اسکے ساتھ اور کوئی خرابی نہیں عورتوں کے رنج سے چنداں فساد کا اندیشہ نہیں قتل و قتال کا کچھ خوف نہیں۔

(۲) عورت موافق قواعد اسلام محکوم اور مرد حاکم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو وہ مالک ہوتا ہے کہ اسکو مالک کہا کرتے ہیں اور کیونکہ نہ کہیں باندیاں تو مملوک ہوتی ہی ہیں بیبیاں بھی بدلیل مہر ان کی خریدی ہوئی ہوتی ہیں وہاں اگر اعتاق تو یہاں طلاق یعنی جیسے باندی غلام باختیار خود قید غلامی سے رہا نہیں ہو سکتے۔ ہاں مالک کو اختیار ہے وہ چاہے تو آزاد کر دے۔ ایسے ہی عورت باختیار خود قید خاوند سے رہا نہیں ہو سکتی البتہ خاوند کو اختیار ہے چاہے تو طلاق دیدے جیسے باندی غلام کا نان و نفقہ مالک کے ذمہ ہوتا ہے ایسے ہی عورت کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ ہے جیسے مالک ایک اور غلام

باندی بنائی گئی ہوتے ہیں اپنے ہی خداوند ایک اور عورتیں کئی کئی ہوتی ہیں بالجملہ عورتیں موافق
قواعد اہل اسلام مملوک اور محکوم اور مرد خداوند مالک اور حاکم ہوتا ہے اور نیز دونوں کی طرف سے نتیجہ یہ کہ
نہ ہو سکنا دلیل عدم الملک نہیں اگر یہ بات دلیل عدم الملک ہوا کرے تو خدا کا مالک ہونا بھی ثابت
نہیں ہو سکتا بلکہ نتیجہ یہ ہے کہ منتقل نہ ہونا بعد ثبوت ملک جیسا بیان ہو چکا اسی طرح قوت ملک پر
دلالت کرتا ہے جیسے خدا کے ملک کا منتقل نہ ہونا اسکے ملک کی قوت پر دلالت کرتا ہے اور اسوجہ
سے شوہر کو زیادہ مناسبت خدا سے مشابہت تام ہے ہر چند خدا کے ملک کے سامنے شوہر کی ملک
برائے نام ہے اور پھر اسکے ساتھ خدا کی ملک ممتنع الانفکاک اور شوہر کی ملک بوجہ ثبوت طلاق
ممکن الزوال مگر پھر بھی جس قدر خدا کی ملک سے شوہر کی ملک مشابہ ہے اسقدر اور کسی کی ملک
مشابہ نہیں۔ الحاصل شوہر کی ملک میں بوجہ کلام نہیں بلکہ اسکی ملک اوروں کی ملک سے قوی ہے وہ
حاکم ہے اور عورت محکوم اور ظاہر ہے کہ محکوموں کا تعدد اور ان کی کثرت موجب عزت ہے وہ
بادشاہ زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے جس کی رعیت زیادہ ہو اور احکام کی کثرت موجب ذلت ہے اور
طریقہ تو حکام کی کثرت کا نہیں ہاں یہ صورت ہوتی ہے کہ نیچے سے اوپر تک جتنے حکام ہوں ان
سب کا یا اکثر کا یا بعض کا محکوم ہو عوام رعیت کو دیکھئے وہ سب کے محکوم ہوتے ہیں اور کسی کے حاکم
نہیں ہوتے ان سب سے بڑھ کر کوئی ذلیل نہیں اور احکام ماتحت حکام بالادست کے تو محکوم
ہوتے ہیں اور رعیت کے حاکم اور رعیت سے معزز اور حکام بالادست سے ذلیل ہوتے ہیں اسی
طرح دور تک چلے چلو بادشاہ سب کا حاکم ہوتا ہے اور کسی کا محکوم نہیں ہوتا اس سے بڑھ کر کوئی
معزز بھی نہیں ہوتا اس صورت میں اگر کسی عورت کے متعدد خاوند ہوں تو یہ ایسی صورت ہوگی
جیسے فرض کرو ایک شخص تو رعیت ہو اور اس کے بادشاہ اور حاکم کثیر سب جانتے ہیں کہ یوں نہیں
ہوا کرتا اور مرد کیلئے بہت سی عورتیں ہونا کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ مرد مخدوم ہے اور عورت
خادم ایک مخدوم کیلئے بہت خادم ہو سکتے ہیں مگر ایک خادم بہت سے مخدوموں کیلئے نہیں ہو سکتا۔
(۳) عورت کے اندر خدا تعالیٰ نے فطرۃً ایک شرم و حیا کا وصف ایسا پیدا کیا ہے کہ وہ غیر مرد سا

کے سامنے آتے جھجکتی ہے عورت جب مرد سے کوئی بات کرنے نکلتی ہے تو شرم کے مارے بے چاری اپنی آنکھیں جھکا لیتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فاحشہ عورتوں کے سوائے جنکی فطرت قوت حیا بالکل ضائع اور معدوم ہو جاتی ہے باقی سب عورتیں اپنی ہر حالت میں مردوں سے حیا اور حجاب کرتی ہیں۔ مادہ حیا جو خدا تعالیٰ نے انکی فطرت میں پیدا کر رکھا ہے ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک ہی خاوند کیلئے ہیں کیونکہ کئی مردوں سے تعلق رکھنے میں بے حیا رہ نہیں سکتی جیسا بازاری عورتوں میں مشاہدہ ہے۔

(۴) تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ ایک مرد عند الضرورۃ کئی جورو کرے تو بھی سب کے ساتھ نباہ سکتا ہے مگر ایک عورت دو خاوندوں کی بیاہی ہو کر کبھی نباہ نہیں ہو سکتی اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرد کیلئے کئی جوروئیں ہو سکتی ہیں مگر ایک عورت کیلئے کئی خاوند نہیں ہو سکتے۔

(۵) دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے اکثر زیادہ رہتی ہے اور یہ امر صریح دلیل ہے اس بات کی کہ ایک مرد کیلئے کئی جوروئیں ہو سکتی ہیں مگر اسکے برعکس قدرت کی مرضی نہیں

(۶) مرد کو پروردگار نے عورت کی نسبت قوی اور زبردست پیدا کیا ہے اور عورت کو نازک اور ضعیف الاعضاء۔ لہذا اس سے ظاہر ہے کہ قوی کئی زبردستوں کو اپنے ماتحت رکھ سکتا ہے نہ برعکس (۷) قدرتی تعلق کی طرف غور کریں تو ایک عورت کے اگر سو خاوند بھی ہوں تاہم ایک حمل میں وہ ایک دو بچے سے زیادہ جن نہیں سکتی مگر ایک مرد کے چاہے متعدد جوروئیں ہوں وہ سب توالد کو پورا کرنے کا واسطہ ہو سکتی ہیں۔

بہشت میں مردوں کیلئے زیادہ عورتیں ملنے کا راز اور عورتوں کیلئے ایک سے زیادہ خاوند نہ ہونے کی وجہ

(۱) انعام میں راحت کے سامان اور اعزاز و اکرام کے اسباب تو دیئے جاتے ہیں پر رنج و کلفت کے سامان اور تحقیر و توہین کے اسباب انعام میں نہیں دیئے جاتے یہ چیزیں سزا کیلئے ہوتی ہیں بہشت میں جو چیز ہو گی بطور انعام و جزا ہو گی اگر مانا ایک مرد کو

متعدد عورتیں ملیں تو اعزاز و احترام بھی ہے اور راحت و آرام بھی ہے اور ایک عورت کو متعدد خاوند ملیں تو راحت و آرام تو بجائے زیادہ ہونے کے گھٹ جائیں گے اس صورت میں جب کہ مرد کی قوت سب عورتوں کی خواہش کے مطابق ہو جیسا سابق بیان ہو چکا ہے اہل اسلام کی روایات اس پر شاہد ہیں۔ رہا عزت اعزاز و اکرام لیکن تحقیر و تذلیل و توہین ہوگی۔ اگر ایک عورت کیلئے کئی خاوند قرار دیئے جاتے تو یوں کہو کہ حاکم متعدد ہوں گے۔ اور حاکم متعدد ہونے تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت زیادہ ہوگی سو یہ تحقیر اور تذلیل اور توہین عورت کے حق میں اگر جائز ہوتی تو دنیا میں کسی مذہب میں شاید اسکی اجازت ہوتی۔ بہشت میں جو جائے عزت و آرام ہے یہ صورت تحقیر ہرگز ممکن الوقوع نہیں۔ ہاں اگر ایک خاوند سے رفع ضرورت متصور نہ ہوتی یا لذت میں کمی رہتی تو اس وقت شاید لاچاری یہ امر ان کیلئے تجویز کیا جاتا مگر روایات متعددہ اہل اسلام اس پر شاہد ہیں کہ ایک مرد کو بہشت میں اتنی قوت ہوگی کہ علی الاتصال تیس تیس عورتوں کے پاس جا سکے اور جس طرح رب العالمین نے دنیا کے اندر مرد و عورت کی حالت اور فطرت میں اختلاف کیا ہے یعنی مرد حاکم ہے اور عورت محکوم مرد مخدوم ہے اور عورت خادم مرد کا پاسبان ہے اور عورت کا نہیں۔ اسی طرح جنت میں بھی انکی حالتوں میں اختلاف ہوگا۔

عورت کیلئے کیوں ایک ہی خاوند ٹھہرایا گیا اسکی ایک اور وجہ : خدا تعالیٰ نے مردوں کو رسالت و نبوت و خلافت و بادشاہی و امارت میں عورتوں پر فضیلت دی ہے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا تاکہ وہ عورتوں کے مصالح و بہبودی میں کوشاں رہیں اور انکے امور معاش کیلئے چلتے پھرتے رہیں اور خطرناک مقامات میں وارد ہوں اور جنگلوں اور بیابانوں کو طے کریں اور اپنی جانوں کو عورات کیلئے محنت و مشقت میں ڈالیں پس خدا تعالیٰ نے مردوں کو وہ طاقتیں دی ہیں جو عورتوں کو نہیں دیں جب تم مردوں کی محنت و مشقت میں غور کرو گے جو کہ عورتوں کے مصالح و بہتری میں ساعی رہتے ہیں تو تم پر صاف عیاں ہو جائے گا کہ عورات کی محنت مردوں کا

حصہ محنت ومشقت وتحمل میں زیادہ تر ہے اور یہ امر خداتعالیٰ کے کمال حکمت اور اسکی رحمت پر مبنی ہے پس جب کہ مرد پر اسقدر بوجھ ڈالے گئے ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ان بوجھوں کی برداشت کی طاقت بھی زیادہ ور کھی گئی ہے اور وہ کئی عورتوں کو بھی رکھ سکتا ہے اور جب کہ عورت پر اسقدر بوجھ نہیں ڈالے گئے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان بوجھوں کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتی اس لئے خداتعالیٰ نے عورت کی فطرت وسرشت کے مطابق ہر ایک عورت کیلئے ایک ہی خاوند تجویز فرمایا۔

کتاب الرق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی غلامی کی فلاسفی اور سلام سے پہلے غلامی کی حالت: الحمد للہ الذی خلق الناس نوعین الا الیٰ و الا عالی لیتخذ بعضھم بعضا سخریا والصلوٰۃ و السلام علی رسولہ محمد المصطفیٰ واحمد المجتبیٰ الذی جعلہ اعدل الناس لیکون لھم اسوۃ حسنۃ وشفیعا وعلی الہ واصحابہ ھذا طریق الحق وحماۃ الاسلام. امابعد واضح ہو کہ جن لوگوں نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انہوں نے اسکی اس قدر تضحیک کی ہے اور اسکو سر تاپا خوبیوں سے اسقدر خالی اور مضرات سے اس قدر پر تاب کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہو کر اس مضمون پر قلم اٹھاوے (جسکا یہ مقصد ہو کہ ہر شی کی تہ تک پہنچے اور بدی پر اسوقت بھی لعنت بھیجنے کیلئے تیار ہو جبکہ وہ نیکی کا لباس پہن کر نکلے اور نیکی کی اسوقت بھی تعریف کرنے کے لئے آمادہ ہو جب کہ تمام دنیا اس نیکی کو برا سمجھ رہی ہوا) اس شخص کا فرض ہو گا کہ ابتداء ہی میں اس غلط فہمی کو دور کرے کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا جس سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا۔ اسلئے میں بھی اس غلط فہمی کو دور کرتا ہوں پس سنئے حق یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی اپنی تدریجی ترقی میں ایسی حالتوں سے ہو

گزری ہے کہ ان حالات نے ماتحت غلام بنانے میں نہ صرف وہ حق بجانب تھے بلکہ ضروری تھا کہ
ایسے مواقع میں غلامی کا رواج ہوتا تو دنیا میں بہت سے رواج اب تک ایسے چلے آتے ہیں کہ جن
پر غور کریں تو وہ دل پر ایک وحشت سی پیدا کرتے ہیں مگر تاہم بہت سے اغراض ترقی کیلئے ان کا
جاری رہنا ضروری ہے جس وقت ایک تیغ یا بم جرنیل ہوتے ہوئے جہازوں کو جن پر ہزارہا انسان
ملک کے چیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہیں ایک دم غرق کر کے سمندر کی تہ میں پہنچا دیتا
ہے یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کر کے بے شمار بے گناہ عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی
دنیا کی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں آتا مگر ہر حالت میں یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک سخت دل ظالم
اور بے رحم انسان ہے وہ لوگ جو اپنی رحم دلی کے سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہیں کر
سکتے اور ایسے واقعات کو سن کر کانپ اٹھتے ہیں وہی دوسرے موقعوں پر ہزارہا انسانوں کو اپنے
ہاتھ سے قتل کر کے یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھ کر کبھی لرزہ نہیں کھاتے بلکہ بسا
اوقات خوش ہوتے ہیں جنگوں کا ہونا انسانی سوسائٹی کی ضروریات میں سے رہا ہے اور اب تک
بھی جاری ہے۔ جوں جوں انسانی گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے یہ معلوم ہوگا کہ لڑائیاں انسان کی
ابتدائی ترقی میں اسکی موجودہ حالت سے بڑھ کر ضروری رہی ہیں اور انہی جنگوں کے لوازم میں سے
ہی غلامی بھی ہے بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی میں ایک عظیم مرحلہ تھا کیونکہ اس رواج
کے ساتھ وہ بے رحمی جاتی رہی جس کی رو سے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ
میں ہاتھ لگے ہوں قتل کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے۔ مگر اس بات کو ابھی
تک لوگوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا کہ پچھلی تمدنی تدریجی ترقی میں جنگ ایک ضروری فرض کو
ادا کرنے والی تھی۔ اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصل مقصود یہ تھا کہ متفرق قومیں ایک ہو جائیں اور
اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ انہیں میں سے جو لوگ پکڑے جائیں وہ ایک ماتحتی کی حالت میں
رکھے جائیں تاکہ دوبارہ اس قوم کو سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو اور یوں جنگ کا اصلی مقصد حاصل ہو
دوم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابتدا میں انسانی سوسائٹی میں محنت اور مشقت کے کاموں

سے شروع ہو جاتا ہے اور خود آرام طلبی پیدا ہوتی ہے یعنی جب ایک قوم نے دیکھا کہ اپنے مخالفوں نے دوبارہ آمادہ ہیں تو مجبوراً انہیں یہی تدبیر کرنی پڑی کہ اس لئے ضروری ہوا کہ ان کو غلام بنا کر ان سے کام لیا جائے۔ پس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم میں بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک ملک میں جہاں تک علم ہے یہی نظر آتا ہے کہ زبردستوں نے مجبور کر کے زیردستوں کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاق کے کام لئے ہیں اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر ان قوموں کی عادت میں داخل ہو گئی۔ امراء ان کے لحاظ سے آزاد قومی اور جنگ پیشہ تھے اور غلام محنت کا کام کرنے والے لوگ تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کیلئے بطور معاون تھے اور ایک کا وجود دوسرے کیلئے ضروری تھا اور یوں بغیر مقابلہ اور جھگڑے کے دونوں ایک دوسرے کے معاون ہو کر انسانی سوسائٹی کی ترقی کے ذرائع تھے۔

اسلام میں غلاموں سے سلوک: یہ ایک امر واقع ہے جس کی تصدیق روزمرہ واقعات سے ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں مالک اور مملوک کا تعلق مغرب میں آقا اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہیں وہ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ تحقیرات مغربی اقوام میں سب سے بڑھی ہوئی ہے جنہیں اس بات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غلامی کے نام کو انہوں نے دور کر دیا ہے مگر اس کی حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ایک مہذب مغربی جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھ کر سلوک کرتا ہے خصوصاً اس حالت میں جب ملازم کا کام ادنیٰ درجہ کا ہو اور جہاں تک تحقیر سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہیں کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانہ میں ایک رومی کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گزرتا ہو گا جب یہ آواز ہمارے کانوں میں نہ پڑتی ہو کہ ایک

قریب پہنچتا تھا تو آقا نے مدد کی صرف نکلنے بلانے کر دیا۔ اس مدت قسمت کو تنگ کر دیا گیا تھی
تھی اس علامت تک نہیں سمجھتا کہ روحانی طلب اور کو تنہا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا جواب
ایک مذہب عیسوی کو اپنے غلام پر حاصل نہیں ہوا کہ یہ معنوی امر ہے تو جواب نہیں دی جاتی اور
گالیاں دینا یا معمولی طور پر مار دینا تو کوئی بات ہی نہیں۔ مذہب مغربی اقوام کو غلامی سے موقوف
کرنے پر اس وقت تک فخر نہیں کرنا چاہیے جب تک کہ حقیقت غلامی کی ان کو مزدوروں پر ظلم کرنے
سے تھ حد سلوک سے وہ نجات حاصل نہ کریں اگر غلامی موقوف کرنے میں بڑی غرض یہ تھی کہ جو
ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے میں کر سکتا ہے وہ دور کیا جائے اور ان لوگوں کو جو کہ غلام
کہلاتے ہیں انکی ذلیل حالت سے نکال کر دوسرے انسانوں کی طرح انکو سمجھا جائے تو میں دعوے
سے کہہ سکتا ہوں کہ یورپ میں سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہیں ہوا اور ابھی تک وہ مقصد
حاصل نہیں کیا جو اسلام اس سے تیرہ سو برس پہلے حاصل کر چکا ہے کیا یہ حق نہیں ہے کہ یورپین
دیسی ملازموں کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہیں وحشیوں سے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر اس بات
سے کیا فرق ہو جائے گا کہ وہ انکا نام غلام نہیں بلکہ خادم رکھتے ہیں؟ آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو
سمجھنے میں یورپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیاں گزر جانے کے بہت پیچھے ہے جو ذلت قدیم
اقوام میں غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیوں کی کی
جاتی ہے اسلام نے اسکو غلامی کے نام سے قطعاً دور کر دیا اور نہ صرف لفظوں ہی میں بلکہ عملی طور پر
اسے جڑ سے کاٹ دیا۔ اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے
برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے خادم کی محنت کے کاموں میں شریک ہونے لگا اور غلام
اپنے آقا کی وجاہت اور عزت میں شریک ہو گیا یہ صرف انہیں آقاؤں کی حالت نہ تھی جو
سوسائٹی کے درمیانی یا نیچے درجہ میں تھے بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤں کا بھی
یہی حال تھا۔ سب سے پہلے ہمیں قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیے کہ وہ غلاموں کے ساتھ
کیا سلوک چاہتا ہے۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم کی وارد ہے۔ واعبدوا الله

ولا تشرکو بہ شیئاً وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتمی والمساکین والجارذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا . (النساء رکوع ۶ آیت ۳۶)۔

یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اتراتے ہیں (یعنی دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہ کریں اور بڑائی مارتے پھریں (یعنی دوسروں کو حقیر سمجھیں) اس آیت شریف میں دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کرکے بیان کئے گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکی مخلوق سے نیکی اور دوسرے حصہ میں بعض لوگ جن کے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہیے مخصوص کرکے بیان کئے گئے ہیں۔ تاکہ انکی طرف زیادہ توجہ ہو ان دونوں احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اسکا کوئی شریک نہ ٹھہرانا اسلام لانے کیلئے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزاء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اسکی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہاں انجیل غلاموں کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق ایک لفظ بھی کہتی نہیں قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ میں دونوں احکام بیان کئے گئے ہیں یہ اس قدر صاف حکم غلاموں سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہیں کر سکتا۔

چنانچہ ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں غلاموں کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔"

اسکے علاوہ دینی اخوت کا مسئلہ جو اسلام نے قائم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست تحریک نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتوں اور غلاموں کے درمیان اور آزاد مرد اور لونڈیوں کے درمیان نکاح جائز قرار دیئے گئے ایک مشرک آزاد عورت اور مسلمان لونڈی میں نکاح کے وقت ترجیح لونڈی کو دی گئی اور ایک مشرک مرد اور مسلمان غلام میں ترجیح غلام کو دی گئی بات بات پر غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیکر یہ سمجھایا گیا کہ غلاموں کے ساتھ نیکی کرنا اور انکو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی ہے۔ غلاموں کے نکاح کرنے کا خاص طور پر حکم دیا گیا چنانچہ فرمایا۔ وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقرا یغنیھم اللہ من فضلہ (النور رکوع ۴ آیت ۳۲) ترجمہ اور تم میں سے جن کے ازواج نہیں انکے نکاح کرو۔ اور نیز تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں انکے بھی نکاح کرو اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیگا۔ قبل از اسلام جو بدیاں عرب میں لونڈی غلاموں کے معاملہ میں تھیں ان سب کو دور کر دیا مجملہ انکے ایک یہ بد رسم بھی تھی کہ لونڈیوں سے بدکاری کرا کر اس مال سے فائدہ اٹھاتے۔ جس کی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف میں کی گئی ہے۔ یہ ہیں قرآن شریف کے احکام ان میں سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیے کہ ان احکام سے آنحضرت ﷺ کے اقوال اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور ان پر کیونکر عمل کیا۔ اس غرض کے لئے احادیث میں آنحضرت ﷺ کے اقوال اور آپ کے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیے احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر زور ہمارے نبی کریم ﷺ نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا اور پھر خود بھی اس حسن سلوک کا نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپ کے بالمقابل کچھ بھی نہیں کیا سب سے پہلے میں صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہوں اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ان اخوانکم خولکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوه تحت یده فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبس ولا تکلفوا هم ما یغلبهم فان کلفتموهم ما یغلبهم فاعینوهم۔ یعنی یہ تمہارے بھائی تمہارے خدمتگار ہیں اللہ نے انہیں تمہارے ہاتھ کے نیچے رکھا ہے پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی میں سے اسے بھی کھلاوے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اسی میں سے اسے بھی پہناوے اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر ان کی طاقت سے زیادہ کام لو تو پھر انکو مدد بھی دو۔

بتاؤ کہ اور کونسا انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کون مصلح ہے جس نے اپنے کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی رنگ میں ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک ایسا ہی لباس اور ایک ہی خوراک ہو پھر یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت جیسی ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے جب ہم آپ کے ایک صحابیؓ کے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں۔ والذی نفسی بیده لولا الجهاد فی سبیل الله والحج وبرامی لا جلبت ان اموت وانا مملوک۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور اپنی ماں کی خدمت نہ ہوتی تو میں پسند کرتا کہ غلامی کی حالت میں ہی مر دوں۔ پھر غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کی جائے بلکہ انکی عمدہ پرورش کیلئے بھی جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ لونڈیوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی قال النبی ﷺ ایما رجل کانت له جاریة فادبها فاحسن تعلیمها واعتقها وتزوجها فله اجران۔ فرمایا نبی کریم ﷺ نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اسکی تادیب کرے یعنی اسے اعلیٰ درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسے آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے اسکے لئے دوہرا اجر ہے۔

اس حدیث کی طرف میں خصوصیت سے ان کوتاہ نظروں کو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے' وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف رہیں اسلام تو لونڈیوں کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دی جاوے اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مطمع نظر غلاموں اور لونڈیوں کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔ بہت سی اور حدیثیں ہیں جن میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارہ میں تاکید کی گئی ہے ان میں سے مشکوٰۃ کی بعض حدیثوں کا ترجمہ لیں۔ صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹوں میں دیا ہے اور انہی کو ہیوں نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں نقل کیا ہے ان میں سے بعض کا اردو ترجمہ میں یہاں کر دیتا ہوں۔

اپنے غلاموں کو اس کھانے میں سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ۔ جو تم خود پہنتے ہو اور انکو ایسا کام کرنے کو نہ دو جو ان کی طاقت سے بڑھ کر ہو جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ مارتا ہے یا اسکے منہ پر مارتا ہے اسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کرے۔ جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا جو شخص ماں اور بیٹے میں جدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لونڈی کو بیچ کر) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اسکے دوستوں سے جدا کرے۔

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام میں غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا بلکہ اسکے کام کو الگ چھوڑ کر جو اس سے سپرد کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتیں جاری کیں نہ صرف جاری کیں بلکہ ان پر عمل کیا اور کرایا مگر آج باوجود تیرہ سو سال گذر جانے کے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعووں کے کسی شخص میں اس قدر اخلاقی جرأت بھی نہیں جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو در کنار رہا۔ نوکروں کے متعلق اسی قسم کی ہدایتیں دینے کی جرأت کرے۔

اب میں چند اور حدیثیں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے

کس قدر تاکید غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مرض الموت میں آپ کے منہ میں یہ الفاظ تھے :الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم جس کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھو یعنی نماز اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث سے کیسی صفائی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں انسانوں کے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جسکو دنیا کی سب قوموں نے ذلیل سمجھا اور اب تک ذلیل سمجھ رہے ہیں (یعنی غلام) کیسا سچی ہمدردی کا جوش تھا اور کس قدر ان کی بہتری کا فکر آپ کو تھا کہ اخیر وقت میں بھی یہی لفظ آپکے منہ سے نکلے آپ کیا چاہتے تھے۔

ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپکے پاس آیا اور آپ سے پوچھا کہ میں کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کروں آپ نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب اسکے سوال کا نہ دیا وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دہرایا اور آنحضرت ﷺ اسی طرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا چوتھی مرتبہ جب اس نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اعف عن عبدك سبعين مرة في كل يوم. یعنی تو ہر روز ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا آج ان اقوام میں جو مہذب کہلاتی ہیں ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اسکے قصور کے ستر دفعہ معاف کر سکے مگر اسلام میں غلاموں کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا آپ کا دل یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جائے کیونکہ اس نام میں حقارت پائی جاتی تھی اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر ان کی جائے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمتہ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ لا يقل احدكم عبدى وامتى وليقل فتاى وفتاتى وغلامى. چاہیے کہ تم یہ نہ کہو کہ میرا غلام یا میری لونڈی بلکہ یوں کہو کہ میرا فتا یا فتاۃ یا اے میرے نوجوان (یہ لفظ فتی ہر ایک جوان مرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہیں لفظ غلام بھی عربی میں عبد اور امۃ کہنے سے اس لئے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیوں اور غلاموں پر ہی بولے جاتے تھے اور وہ الفاظ جن کے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہیں آزاد مردوں اور عورتوں پر بھی بولے

جاتے ہیں اور اس نہی کی اور توجیہہ بھی ہے۔ اسکے بعد میں یہ بیان کروں گا۔ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہیں اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک مگر قبل اسکے کہ میں عمل کی نظیریں پیش کروں ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلاموں کو اس قدر حقوق دیئے گئے تھے اور انکی اس قدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثوں سے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور مملوک میں فرق ہی کیا تھا۔ اسکا جواب خود آنحضرت ﷺ کی حدیث میں موجود ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالامیر الذی علی الناس راع وھو مسئول عنھم والرجل راع علی اھل بیته وھو مسئول عنھم والمرأة راعیته علی بیته بعلھا وولده وھو مسئوله عنھم والعبد راع علی مال سیده وھو مسئول عنه یعنی تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس امیر جو لوگوں پر مقرر حاکم ہے اور اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اسکی اولاد پر حاکم ہے اور اسے ان کے متعلق پوچھا جائے گا اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا اس حدیث کی رو سے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے۔ اور ایک رنگ میں ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ میں وہی محکوم ہے اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہیں دیتا جس سے چھوٹوں بڑوں کا امتیاز بھی اٹھ جائے اور دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں بلکہ ایک ایسی اخوت قائم کرتا ہے کہ کام بھی سب کے الگ الگ رہیں اور سوسائٹی میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ان میں انسان اور پھر بھائی ہونے کی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو۔ کام مقرر کرنے سے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشاء ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھ کر اسے ہاتھ نہ لگانے دے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھ کر سمجھا جاوے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام میں اسکی مدد کرے اور جو فوائد آقا اٹھاتا ہے غلام کو ان سے محروم نہ رکھا جائے البتہ فرق دونوں میں یہ رکھا ہے کہ آقا کو چاہیے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی کرے اور احسان برتے اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے

فرمانبرداری کرے وہ اپنے اپنے مفوضہ کاموں کو نکالیں۔ باقی امور میں وہ مساوی ہیں۔

اب میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ہمارے نبی ﷺ نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات میں خود ایک پاک نمونہ بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپکی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپکے صحابہ اور مسلمانوں پر ہوا۔ حضرت انسؓ نے آپ کے واقعات خادموں کے ساتھ نیکی کرنے کے بیان کئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتا رہا اس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھ کو اف تک نہیں کیا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں نہیں کیا اور آپکا سلوک تمام دنیا سے بڑھ کر اچھا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی خادم یا کسی عورت کو نہیں مارا۔

آپ کے صادق محب اور مخلص بھی آپکے نقش قدم پر ہی چلتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اسیران جنگ میں سے ایک اسیر ایک صحابی ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور انکو نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرنا۔ ابو الہیثم اس غلام کو لے کر گھر گئے اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہ غلام دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا کیونکر عمل کر سکتے ہو۔ سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کرو چنانچہ ابو الہیثم نے وہ غلام اسی وقت آزاد کر دیا۔ زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اسکی ناک کاٹ ڈالی غلام آنحضرت ﷺ کے پاس گیا آپ نے پوچھا کہ کس نے تیرا یہ حال کیا ہے غلام نے کہا زنباع نے چنانچہ اسی وقت زنباع کو طلب کیا گیا اس نے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ میں کس کا مولیٰ کہلاؤں گا۔ (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپ نے فرمایا خدا اور اسکے رسول کا مولیٰ۔ چنانچہ اسی وعدہ کے مطابق آپ جب تک جیتے رہے اسکی مدد کرتے رہے آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور واقعہ آپکو یاد دلایا اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اسکے بعد وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا آپ نے پوچھا تو کہاں جانا چاہتا ہے عرض کیا مصر میں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حاکم

مصر کے نام حکم لکھ دیا کہ اسکو اسکے گزارہ کیلئے زمین دیدو۔ سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک اس کا ایفاء ہوا۔

ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگہاں میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابو مسعودؓ یاد رکھو کہ جس قدر طاقتور حاکم تم اس پر ہو اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا تم پر ہے ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اسی وقت اسکو خدا کیلئے آزاد کر دیا آپ نے فرمایا کہ اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو تم آگ میں پڑتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک روز دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اسکا غلام اسکے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپ نے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھالو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اسکی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

کہتے ہیں میں نے ابو ذرؓ کو دیکھا کہ وہ ایک عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک آدمی کو اس سے مراد کوئی غلام ہے کچھ برا بھلا کہا۔ اس نے میری شکایت نبی کریم ﷺ کے پاس کی آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اسکی ماں سے اسکو عار دلائی اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہیں پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ اپنے کھانے سے اسے کھلاوے اور اپنے لباس سے کپڑا پہناوے تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اسکے کرنے میں خود مدد دو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک غلام کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا کان مروڑا اور پھر اپنے فعل سے توبہ کی اور اسی غلام کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اس نے انکار کیا آپ نے اصرار کیا تو اس نے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا آپ نے کہا زور سے مروڑ کیونکہ میں قیامت کے دن سزا برداشت نہیں کر سکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ انکے ایک غلام نے بھیڑ کو پکڑتے ہوئے اسکی ایک ٹانگ توڑ دی انہوں نے کہا کہ تم نے یوں ایسا کیا۔ کہا آپکو غصہ دلانے کیلئے۔ آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی میں اسے غصہ دلاؤں گا یعنی شیطان کو۔ جا اور تو خدا کیلئے آزاد ہے۔

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ اسامہ کو جو کہ حضرت زید کے بیٹے تھے خود آنحضرت ﷺ نے ایک فوج کا افسر بنایا قبل اسکے کہ یہ فوج روانہ ہو آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا حضرت ابوبکرؓ کو لوگوں نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائیں۔ مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے میں اسے منسوخ کروں۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوار تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جائیں اور یا مجھے اجازت دیں کہ میں بھی پیدل چلوں مگر آپ نے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔

جب حضرت عمروؓ نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جسکا سردار عبادہؓ کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانہ میں بطور غلاموں کے فروخت ہوتے تھے۔ جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکال دو انہوں نے کہا کہ یہی تو ہمارا سردار ہے اور جو کچھ یہ کہے گا یا کرے گا اسکے ہم پابند ہیں۔ مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تم نے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا۔ انہوں نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہیں بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب میں سے افضل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بادشاہ کا سلوک جو اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں غلاموں کی کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے نبی ﷺ کے لفظوں پر عمل کرتے تھے۔ جب حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے آپ کے ساتھ آپکا غلام بھی تھا۔ مگر سواری کیلئے اونٹ صرف ایک ہی تھا اسلئے خلیفہ

اور غلام باری باری اس پر چڑھتے اور جس کی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔ جب آپ عبیدہ کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی آپ اتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظریں آپکی طرف لگی ہوئی تھیں ابو عبیدہ نے اس بات سے ڈر کر کہ امیر المومنین کو اسطرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یروشلم کی اہالی پر برا اثر نہ ہو اور مبادا جنگ رخ پلٹ دے عرض کیا تمام نظرین آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں اس صورت میں یہ مناسب نہیں کہ آپکا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکروں کی طرح ساتھ ساتھ بھاگیں۔

حضرت عمرؓ اس بات کو سن کر غضب میں آئے اور فرمایا کہ تجھ سے پہلے مجھے ایسے کسی نے نہیں کہا۔ ہم سب لوگوں سے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے تھوڑے تھے خدا نے اسلام کے ذریعے ہمیں بڑائی اور عزت دی اور اگر ہم ان راہوں سے جو کہ اسلام نے ہمیں سکھائی ہیں الگ چل کر عزت تلاش کریں گے تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا۔ جس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی میں سمجھو کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر رکھو اگر ہم اس مساوات میں اپنی ذلت سمجھنے لگیں گے۔ تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا۔ کیونکہ اسکی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آیا آج بھی دنیا میں کوئی ایسا فاتح موجود ہے یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہو ایسا ہے کہ وہ ایسی اخلاقی جرات دکھا سکے جو حضرت عمرؓ نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے بادشاہ اسلام نے دکھایا۔ کیا حضرت عمرؓ اس سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قائم رکھنا کس قدر ضروری ہے؟ نہیں وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت انکے دل میں تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہیں راہوں پر چلنے سے ملے گی اور اگر بعد کے زمانہ میں مسلمانوں نے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اس طریق کے برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ انہوں نے اسلامی راہوں کو چھوڑ کر اور راہوں سے عزت تلاش کی

پس وہ عزت کو کھو بیٹھے۔اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چل کر دنیا میں معزز بننا چاہتے ہیں اور اسلام کی راہوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں انھیں یہی بات یاد رکھنی چاہیے

مگر باوجود ان عملی غلطیوں کے جن میں پچھلے مسلمان پڑ گئے اور مرور زمانہ سے نبی کریم ﷺ کی تعلیم پر کاربند ہونے سے دور جا پڑے یہ امر قابل غور ہے کہ آپ کی نیک تعلیم ایسی انکے خونوں کے اندر رچ گئی تھی یا یوں کہو کہ آپکی قوت قدسی ایسی ان پر غالب آئی تھی کہ اس پر بھی مسلمانوں کا سلوک اپنے نوکروں اور غلاموں سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر رہا ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ ہمیں اسکا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں خود عیسائیوں نے اسکو تسلیم کر لیا ہے۔لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ کے نوٹوں میں لکھتا ہے۔اور یہ وہ شخص ہے جو مدتوں مصر میں رہا اور مسلمانوں کی حالت کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا۔وہ کہتا ہے کہ "مسلمانوں میں غلاموں کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے"۔

دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ "جن سیاحوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں سفر کیا ہے انکی شہادت غلاموں کیساتھ مسلمانوں کے حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے" اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں جو ہدایتیں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہیں عموماً ان سب پر یا ان کے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق عیسائیوں کے گال کے طمانچہ کی تعلیم کی طرح نہیں کہ سر اجتے ہزار ہا کاغذ سیاہ کریں اور جب اسکو دیکھیں تو ایک بھی عمل دنیا میں نظر نہ آئے۔یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہلیو کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کا ممالک میں غلاموں کے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ میں کیا جاتا ہے جہاں غلاموں کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا" ایسا ہی انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانوں کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہے "شرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت میں مزدوروں کی طرح کام کرنے کی

غلامی نہیں بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے غلام کو خاندان کے ایک ممبر کی طرح سمجھا جاتا ہے اور اسکے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے قرآن شریف غلاموں کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنے کی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات یقینی کو پیش کرنے کے بعد میں اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غلامی جسکے رواج کو اسلام نے روک نہیں دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کی رو سے جو دنیا سمجھا جاتا ہے اس کو غلامی کہہ سکیں نہیں بلکہ جہاں تک کہ آجکل کی نوکری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کریں گے اور وہ اس خادمی کی حالت سے اس غلامی کی حالت کو بدرجہا بہتر سمجھیں گے۔ غلامی کے معمولی مفہوم کی رو سے تو یہ کبھی جائز نہیں کہ ایک حد تک بھی اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا جو اپنے آقا کے برابر ہے اسکو غلام کیوں کہا جائے گا۔ اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کی طرح ہونا صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے بلکہ عملی بھی ہے یہ دونوں باتیں اس سے ظاہر ہوتی ہیں کہ جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے جو لباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہاں وہ رہے اسی جگہ غلام رہے طاقت سے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اسے مخاطب نہ کرنا اور نہ مارنا اس سے بڑھ کر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرست ہے اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے نام کو تو غلامی موقوف کر دی گئی مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسی طرح موجود ہے عنقریب دنیا دیکھ لے گی کہ جب تک خادموں کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جس کی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانوں کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدوں میں سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلامی کی موقوفی صرف لفظاً موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کیلئے ضروری ہے اسلام ہی کی تعلیم وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے اور جس پر انسان انسانوں کیلئے مفید اور خدا تعالیٰ کا سچا بندہ بن سکتا ہے۔

المصالح العقلیہ لاحکام النقلیہ

جلد سوم

کتاب البیوع

بسم اللہ الرحمن الرحیم : نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وجہ حلت بیع سلم :۔اما بعد۔ بعض اشخاص کا اعتراض ہے کہ بیع سلم خلاف قیاس ہے کیونکہ وہ معدوم اشیاء پر ہوتی ہے اور معدوم اشیاء کی بیع خلاف قیاس و عقل ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لا بیع مالیس عندک یعنی اس چیز کی خرید و فروخت نہ کر جو موجود نہ ہو۔

الجواب :۔ واضح ہو کہ بیع سلم من وجہ موافق قیاس و عقل کے ہے کیونکہ بیع سلم میں بیان وصف و معرفت قدر و جنس اور بائع کی طرف سے چیز کے ادا کرنے کا ذمہ شرط ہے اور یہ بیع اس معاوضہ کی طرح ہے جو اجارہ میں منافع پر ہو پس بیع سلم کا قیاس من کل الوجوہ معدوم شئی پر کرنا کہ جن کے حاصل ہونے کا احوال معلوم نہ ہو درست نہیں ہے۔ البتہ صورۃ بیع معدوم کے مشابہ ہے لیکن حقیقتاً معنیً بیع موجود کے مشابہ ہے خدا تعالٰی نے عاقلوں کی فطرت میں اس امر کی تمیز رکھی ہے۔ کہ وہ ان چیزوں میں فرق کرتے ہیں کہ جن کا انسان نہ مالک ہو سکتا ہو اور نہ اس کی مقدار بین ہو اور درمیان ان اشیاء کے کہ جن کو بائع ادا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور وہ عادۃً اسکے ادا کرنے پر قادر ہو یہ تو فرق اجمالی ہے باقی تفصیل فرق و ہ رائے پر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس میں وحی کی ضرورت ہے پس اس کی جزئیات کے احکام نقل سے تلاش کئے جاویں کہ کہاں یہ درست ہے مثلاً سلم بغر انظ اور کہاں یہ درست نہیں مثلاً بیع ثمار قبل ظہور۔

جواز اجارہ کی حکمت : جو لوگ اجارہ کو خلاف قیاس کہتے ہیں انکا گمان ہے کہ اجارہ ایک معدوم چیز کی خرید ہے کیونکہ منافع عقد اجارہ کے وقت معدوم ہوتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ

شریعت نے محل منافع کے وجود کو بجائے وجود منافع کے قرار دیا ہے لوگوں کی ضرورت پر نظر
کرکے یہ دو کر صورۃً معدوم ہیں۔ مگر معنی موجود ہیں جیسا ابھی ہم سلم میں لکھ چکے ہیں۔

خمر و مردار و خنزیر و بت کی خرید و فروخت و اجرت زنا و اجرت کاہن حرام ہونے کی وجہ: اشیاء کی حرمت کا مدار چند امور پر ہوتا ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ بعض اشیاء
عادت کے اعتبار سے معصیت پر مشتمل ہوں یا لوگوں کو ان اشیاء سے اس قسم کا فائدہ و تمتع حاصل
کرنا مقصود ہو جو ایک قسم کی معصیت و گناہ ہو مثلاً خمر و بت و طنبور وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی
بیع کا طریق جاری کرنے اور انکے بنانے میں ان معاصی کا ظاہر کرنا اور لوگوں کو ان معاصی پر آمادہ
کرنا اور رغبت دلانا اور نزدیک کرنا پایا جاتا ہے لہذا مصلحت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ان چیزوں کا بیع و شراء
کرنا اور انکا گھروں میں رکھنا حرام کیا جائے کیونکہ اس میں ان معاصی کو دور کرنا اور لوگوں کو اس
بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے پرہیز و اجتناب کریں۔ اسی وجہ سے آنحضرت
ﷺ نے فرمایا ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام
ترجمہ: یعنی خدا تعالیٰ اور اسکے رسول نے شراب اور مردار اور خوک اور بتوں کا خرید و فروخت
حرام کیا ہے اور پھر فرمایا ان اللہ اذا حرم شیئا حرم ثمنہ۔ یعنی خدا تعالیٰ جب جس چیز کو حرام
کرتا ہے تو اسکی قیمت کو بھی حرام کرتا ہے۔

یعنی جب ایک چیز سے نفع اٹھانے کا طریق مقرر ہے۔ مثلاً شراب صرف پینے کیلئے اور بت صرف
پرستش کیلئے بنائے جاتے ہیں اور اسلئے خدا تعالیٰ نے اسکو حرام کیا ہے۔ پس حکمت الٰہیہ کا مقتضا ہوا
کہ انکی بیع کو بھی حرام کیا جاوے اور نیز آپ نے فرمایا مہر البغی خبیث یعنی اجرت زنا کی خبیث
ہے اور آنحضرت ﷺ نے کاہن کی اجرت سے منع فرمایا اور مغنیہ کے کسب سے بھی نہی فرمائی۔

وجہ یہ ہے کہ جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے اس مال سے بدوجہ نفع

حاصل کرنا حرام ہے۔ ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے اور اس قسم کے معاملات کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اس گناہ پر امداد کرنا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی سمجھ اور خیال میں فطری طور پر یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ ثمن بیع سے پیدا ہوتا ہے تو ملاء اعلیٰ میں اس ثمن کیلئے ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے پس اس بیع اور اس عمل کی خباثت ملاء اعلیٰ کے علم میں اس ثمن اور اس اجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔ اور لوگوں کے نفوس میں بھی اس صورت عملیہ کا اثر ہوتا ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے شراب کے بارے میں اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور پینے والے اور لے جانے والے اور جس کے پاس لے جاتا ہے سب پر لعنت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کی مدد کرنا اور اس کا پھیلانا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے اور ایک یہ وجہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثلاً مردار و خون و گوبر اور پاخانہ وغیرہ کے ساتھ ملابست کرنے میں نہایت قباحت اور خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور اس کے سبب سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور چونکہ کسی قدر مخالطت کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے اسلئے کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں لوگوں پر نہایت دقت و دشواری ہوتی ہے لہٰذا اسی قدر ضروری ہوا کہ ان ناپاک چیزوں میں سے جس کی ضرورت شدید واقع ہوتی ہے جیسے کھاد اس کی بیع کی تو اجازت دیدی جاوے تاکہ لوگوں کا حرج نہ ہو اور باقی کو منع کر دیا جاوے کیونکہ اس میں کسی کا حرج نہیں جیسے خمر و خنزیر کی بیع۔

کتاب الاکل والشرب

وجوہ حرمت خنزیر: (۱) اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خوار بے غیرت و دیوث ہے اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر

بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی ہوگا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے پس جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے لہٰذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعت اسلامیہ نے منع فرما دیا۔ جنکی صفات دنیہ شیاطین کے ساتھ بالکل مشابہت رکھتی ہوں اور ملائکہ سے بعید ہونیکا سبب ہوں اور اخلاق صالحہ کے خلاف صفات کو پیدا کرتے ہیں۔

(۲) خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی براز اسکی خوراک ہے۔ اسکا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اسکا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔

(۳) صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک اور اسکی حرمت کے تیرہ وجوہ ذیل تحریر کرتے ہوئے ظاہر فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے وہ لکھتے ہیں کہ گوشت خوک مولد خلط غلیظ ست و مورث جرص شدید وصداع مزمن دوار الفیل داو جاع المفاصل وفساد عقل وزوال مروت وغیرت وحمیت وباعث فحش است واکثرے از فرق غیر اسلامی آنرا می خورند وقبل از ظہور نور اسلام گوشت آنرا در بازارہا می فروختند وبعد ازاں در مذہب اسلام حرام وبیع آں ممنوع وموقوف گردید بسیار کثیف وبدہیئت است۔

نیز اسکا گوشت کھانے سے انسان پر فوراً سوداوی امراض حملہ آور ہوتے ہیں

جملہ درندوں اور شکاری پرندوں کے حرام ہونے کی وجہ: سارے درندے جانور جنکی سرشت وفطرت میں پنجوں سے چھیلنا اور صولت سے زخم پہنچانا اور جن میں سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھیڑیئے کے بارے میں

فرمایا ہے۔ او یا کل احد یعنی کیا بھیڑیے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے۔ یعنی اسکو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ انکی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور انکے دلوں میں رحم نہیں ہوتا اسی واسطے ہر شکاری پرند کے کھانے سے بھی آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اور بعض جانوروں کو آپ نے فاسق سے تعبیر فرمایا انکے کھانے سے ان ہی جیسی خصلت کھانیوالے میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ عن ابی هريره رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله ﷺ حرم یوم خیبر کل ذی ناب من السباع . وعن جابرؓ حرم رسول الله ﷺ خیبر الحم الا نسیة ولحوم البغال و کل ذی ناب من السباع و ذی مخلب من الطیر. ترجمہ:۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ایک ذی ناب درندے کو حرام فرمایا اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن اہلی گدھے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک ذی ناب کو یعنی درندے جانوروں اور پنجوں والے پرندوں کو حرام فرمایا۔

شیر۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ گیدڑ۔ لومڑی۔ نیولا۔ باز۔ شاہین۔ چیل۔ باشا وغیرہ سب حرام ہیں کیونکہ یہ سب ذی ناب اور درندے جانور ہیں۔

وجہ حرمت مردار و خون: (۱) مردار کا حرام ٹھہرانا عین حکمت الٰہی ہے کیونکہ جانور کے بدن کو پاک کرنے والا روح ہے جب روح اس سے جدا ہو جائے تو اسکی عفونت کو دور کرنے والا نہیں رہتا لہٰذا وہ عفونت اسکے سارے بدن کو فاسد کر دیتی ہے اور بہت بد مزہ اور بدبو اور بد تاثیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ مفلسی سے مردار خوار ہوتے ہیں انکی صورت و شکل و اخلاق ایسے قبیح ہوتے ہیں کہ گویا انکا مزاج ہی انسانیت سے خارج ہوتا ہے رذالت طبع و فسادت قلبی انکی فطرت و جبلت ہو جاتی ہے۔

(۲) مردار کے اندر ایک خطرناک زہر ہوتا ہے جسکا نتیجہ انسان کیلئے اچھا نہیں ہوتا

چنانچہ جتنی مردار خوار قومیں ہیں انکی زبان اور عقل موٹی اور بھدی ہوتی ہے۔

(۳) خون کے اندر اس قسم کا زہر ہوتا ہے جس سے اعصاب کو تشنج اور فالج اور

استرخاء ہو جاتا ہے۔

(۴) خون کا کھانا درندوں کے اخلاق کی طرف مائل کرتا ہے اور مزاج میں تمرد و شقی

پیدا کرتا ہے جیسے کہ چماروں اور مردار خوروں میں جو کہ خون کھانے کے معتاد ہیں یہ اخلاق ظاہر

ہیں بمقتضائے حکمت الٰہی سے یہ چیزیں حرام کی گئیں۔

(۵) خنزیر و مردار خون کی حرمت کی وجہ خدا تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ گندی

چیزیں ہیں انکے کھانے سے انسان کا ظاہر و باطن گندہ ہو جاتا ہے اور ایسا ہی غیر اللہ کے نام پر کسی

چیز کے ذبح کرنے اور اسکے کھانے کا حال ہے کہ وہ سبب ہے فسق ہونے کا چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا

ہے۔ الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغیر الله

به. ترجمہ۔ یعنی حلال نہیں ہے مردار اور خون جاری اور گوشت خوک کا کھانا کیونکہ یہ چیزیں

گندی ہیں (ان کے کھانے سے گندے اخلاق گندے اعمال ظاہر ہوتے ہیں) اور ایسا ہی غیر اللہ

کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز کا کھانا بھی حلال نہیں ہے کیونکہ ایسے جانور کے کھانے سے انسان

فاسد و بدکار بن جاتا ہے الغرض مردار کا کھانا اس لئے شریعت میں منع ہے کہ مردار کھانے والے کو

بھی اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہر ہے کہ صحت کے لئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون

اندر ہی اندر رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا یہ تمام جانور در حقیقت مردار کے حکم

میں ہی ہیں کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا اور نیز

خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مر کر ایک زہرناک عفونت بدن

میں پھیلا دیں گے اسی لئے تمام ملل میں مردار جانور ہیں ملل حقہ کا اس بات پر اس نے اتفاق

ہوا کہ حظیرة القدس سے ان ملت والوں کو اس بات کی تفہیم و تلقی ہوئی کہ یہ چیزیں خبیث ہیں اور

مذاہب باطلہ کو اس واسطے اتفاق ہے کہ ان کے علم میں اکثر مردار چیزوں میں زہریلا اثر ہوتا ہے

مردار جانور کے بدن میں مرتے وقت اخلاط سمیہ پھیل جاتے ہیں جن کو انسانی مزاج سے منافات ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مردار جانور کو غیر مردار سے جدا کیا جاوے اس کا انضباط احکام شرعیہ کی تفصیل سے کیا گیا جن کی وجہ آگے آتی بھی ہے ان سرخیوں میں حرمت مذبوحہ غیر اہل کتاب الخ بوقت ذبح جانور پر الخ غیر اللہ کے نام ذبح کئے ہوئے الخ (حمیہ)میتة دم لحم الخنزیر مااھل به لغیرالله ۔ کے آثار میں یہ تفاوت ہے کہ مردار کا اثر بد جسم پر اور خون کا اثر بد روح پر اور گوشت خوک کا اثر بد اخلاق وعادات پر اور مذبوح باسم غیر اللہ کا اثر بد اعتقادات پر پڑتا ہے۔

کوے کے بعض اقسام ۔چیل ۔سانپ ۔بچھو۔ چوہے کی وجہ حرمت :

حیوانات کی طبیعت میں آدمیوں کو ایذا دینا اور تکلیف پہنچانا اور ان سے کسی چیز کا اچک لینا ہے اور یہ ان پر لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور ان میں شیطانی الہام کے قبول کرنے کا مادہ ہے اسلئے وہ سب حرام ہیں اور احادیث نبویہ میں ان کی تفصیل آئی ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے بالفاظ ذیل روایت فرمائی ہے ۔قال رسول اللہ ﷺ خمس فواسق يقتلن في الحرام الفارة والمقرب والغراب والحدى والكلب العقور رواه الترمذى۔ ترجمہ ۔یعنی پانچ جانور جو کہ فاسق ہیں ان کو حرم میں بھی قتل کیا جاوے چوہا۔ بچھو۔ کوا۔ چیل۔ دیوانہ کتا۔

چونکہ حرم کے جانوروں کے مارنے اور شکار کرنے میں نہی تھی۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے ان جانوروں کو انکی شدت سرکشی وعصیان کے باعث حرم میں بھی مار ڈالنے کا حکم فرمایا کیونکہ باغی وسرکش کو حرم میں بھی امن نہیں مل سکتا پس آنحضرت ﷺ نے ان جانوروں کو فاسق فرما کر ان کی حرمت کی وجہ بیان فرمائی ہے یعنی جو کوئی ان جانوروں کو کھائے گا۔ اس میں فسق کے اوصاف پیدا ہو جائیں گے دوسرا ان جانوروں کو فاسق کہتے ہیں اس امر کی طرف ایما فرمایا کہ ان جانوروں کو

جس قدر کوئی پالتو بنائے اور انکی پرورش کرے انکو بالآخر ضرر دیں گے اور حق و حد تربیت کو توڑ دیں گے۔ اور اس امر کی وجہ کہ آپ نے کیوں ان جانوروں کو حرام نہ کہا اور فاسق فرمایا یہ ہے کہ اگر آپ یہ فرما دیتے کہ یہ جانور حرام ہیں تو پھر انکی وجہ حرمت کیلئے جسکا آپ یہ فرما دیتے کہ یہ جانور حرام ہیں تو پھر انکی وجہ حرمت کیلئے جسکا آپکو بیان کرنا مطلوب تھا دوبارہ کلام دوہرانا پڑتا لہٰذا ایک ہی بار میں حرمت اور وجہ حرمت بیان فرما دی اور یہ جوامع الکلم آنحضرت ﷺ کی صفت ہے۔

اب ان جانوروں کی وجہ حرمت ظاہر ہے کہ جو کوئی انکا گوشت کھاوے وہ انہی کے وصف کے ساتھ متصف ہو جائے اور ان جانوروں کے اوصاف کا مذموم ہونا ظاہر ہے مگر اس سے ہر کوامر ادنہیں۔ فقہ میں اسکی تفصیل لکھی ہے۔

وجہ حرمت حشرات الارض ہزار پا وغیرہ: وہ حیوانات جنکی سرشت و فطرت میں ذلت اور گڑھوں میں چھپا رہنا پایا جاتا ہے مثلاً چوہا اور دیگر حشرات الارض وغیرہ جو اس قسم کے جانور ہیں وہ سب حرام ہیں اور انکی وجہ حرمت یہ ہے کہ انکا کھانے والا انہی جانوروں کے اوصاف اور خصلتیں قبول کرتا ہے۔ دوسری وجہ حرمت ان جانوروں کی یہ ہے کہ تمام حشرات الارض میں سمی مادہ ہوتا ہے انکے کھانے سے انسان ہلاک ہوتا ہے۔

وجہ حرمت کتے اور بلی کی: کتا اور بلی دونوں درندے جانور ہیں اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں کتا باعتبار اوصاف مذمومہ کے شیطان ہوتا ہے چنانچہ اسکو آنحضرت ﷺ نے شیطان فرمایا ہے پس اس کے کھانے والے کو بھی شیطان اور درندہ بنا پڑتا ہے وہ اوصاف ذمیمہ یہ ہیں کہ کتا خبیث ترین و ذلیل ترین وخسیس ترین و حریص ترین حیوانات سے ہے اسکی ہمت اسکے پیٹ سے آگے نہیں گزرتی۔ اسکی شدت حرص میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب وہ چلتا ہے تو شدت حرص کی وجہ سے ناک زمین پر رکھ کر زمین کو سونگھتا جاتا ہے۔ اور اپنے جسم کے سارے اعضاء کو چھوڑ

کہ ہمیشہ اپنی دبر کو سونگھتا اور جب اسکی طرف پتھر پھینکو تو وہ فورا حرص وغصہ کی وجہ سے اسکو کاٹتا ہے۔ الغرض یہ جانور بڑا حریص وذلیل ودنی ہمت ہوتا ہے کہ مردار کو بہ نسبت تازے گوشت کے زیادہ پسند کرتا ہے اور نجاست کو بہ نسبت حلوا کے بڑی رغبت سے کھاتا ہے اور جب کسی ایسے مردار پر پہنچے جو صدہا کتوں کو دو روز بھر کھانے نہیں دیتا اور اسکی بدخلقی میں سے ایک یہ امر بھی عجیب ہے کہ جب وہ کسی خستہ حال اور پھٹے پرانے کپڑوں والے شخص کو دیکھتا ہے تو اسکو بھونکتا اور اس پر حملہ آور ہوتا ہے گویا اس کو حقیر سمجھتا ہے جو کہ خاصہ ہے کبر کا اور جب کسی وجیہ اور اچھے لباس والے اور رعب ناک آدمی کو دیکھتا ہے تو اسکا مطیع ہو جاتا ہے گویا اسکے لئے منقاد ہونے سے عار نہیں کرتا تو اہل جاہ کی تعظیم یہ شعبہ ہے تملق کا۔

پس جب کتے کے ایسے اوصاف مذمومہ ہیں تو جو شخص اسکو کھاتا وہ بھی ان ہی اوصاف سے متصف ہوتا لہذا یہ جانور حرام ٹھہرایا گیا اور چونکہ کتا پالنے میں اسکے ساتھ زیادہ تلبس ہوتا ہے جیسا کہ مشاہد ہے اسلئے بلا خاص ضرورت کی صورتوں میں اسکا پالنا بھی ممنوع قرار دیا گیا کہ اسکی صفات خبیثہ اس شخص میں اثر کریں گی۔ اور چونکہ ان صفات خبیثہ سے ملائکہ کو نفرت ہے تو اس شخص سے ملائکہ بعد اختیار کرتے ہیں چنانچہ وہ ایسے گھر میں بھی نہیں آتے جہاں کتا ہوتا ہے اور یہ سب کے ملائکہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

وجہ حرمت گرگٹ کی اور اسکے مارنے کی تاکید شدید کا راز : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گرگٹ کے مارنے کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آگ پر یہ پھونک مارتا تھا اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض حیوانات کی سرشت وخلقت میں یہ مادہ داخل ہے کہ ان سے مدام افعال قبیحہ وخبیثہ شیطانیہ صادر ہوتی رہتی ہے اور وہ حیوانات شیطان کے قریب تر ہوتے ہیں اور وسوسہ کے اعتبار سے اسی کے تابع ہوتے ہیں۔

اور رسول کریم ﷺ نے معلوم کر لیا تھا کہ گرگٹ بھی ان ہی حیوانات میں سے ہے اور

اس بات پر آپ نے آگاہ فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آگ کو پھونکتا تھا۔ شیطان
کے وسوسہ کے سبب سے۔ لہٰذا یہ کام مقتضائے طبع سے تھا۔ اگرچہ اسکے پھونکنے سے آگ میں کچھ
اثر نہ ہوتا تھا۔ گرگٹ کے قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی۔ ایک تو یہ کہ اس میں
نوع انسانی کی ایذاء کا دفعیہ ہے گویا اس میں لشکر شیطانی کا توڑنا اور اسکے وسوسہ کا دور کرنا ہے۔
دوسری وجہ اسکے گوشت کا مضر ہونا۔ چنانچہ مخزن الادویہ میں گرگٹ کے متعلق لکھا ہے کہ

راقم گوید چوں بتجربہ رسیدہ است و مانند خار دو گوشت او سم قاتل است و عارض می گردد از
خوردن آں سے روز تپ و آنکہ ہمیشہ نظر با آفتاب دارد و در ایام گرما چہرہ آں سرخ می شود و مخالف آں باشد
و چشمہائے آں محبوس۔ جماعت حرارت ... برائے اکل ... سرف ... باشد ... چوں
سیاہ ... و احتمال آں ... نزدیک ... زبان خوردہ ... دوائے ... کردی
چندر ... آں ... صیدی ... ماند ... صیدی ... اس سے بھی اس
جانور کی حرمت کی ایک وجہ صاف ظاہر ہے کہ اسکا گوشت قاتل و مہلک ہوتا ہے۔

الو و چمگادڑ کی وجہ حرمت: ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ غذا کا اثر بدن کے علاوہ دماغی
اخلاق و اطوار پر بھی ہوتا ہے۔ اسی پر غور کیجئے الو کی حماقت اور بیوقوفی و ذلت ثابت شدہ امر جو کہ
ضرب المثل ہے چنانچہ جب کوئی حماقت و بیوقوفی کا کام کرتا ہے تو اس کو کہتے ہیں الو تو نے ایسا کام
کیوں کیا۔ صاحب مخزن لکھتا ہے کہ خوردن گوشت آں مورث بلید و بیوقوفی و ... امور است
یعنی اس جانور کا گوشت کھانے سے انسان میں کند ذہنی و حماقت و بیوقوفی پیدا ہوتی ہے۔ اس جانور کی
حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اسکو کھاتا اسکو الو بننا پڑتا یہی حال چمگادڑ کا ہے کہ اس جانور کی
فطری کور بینی و حماقت و ذلت بھی اسکی مشہور و معروف ہے کہ ضرب المثل ہو گئی ہے چنانچہ
جب کوئی ظاہر و باہر حق کو نہیں مانتا تو اسکو کہا کرتے ہیں تیرے سے بہتر کہ روز روشن را شب
قرار می دہد۔ یعنی چمگادڑ۔ جو کہ روز روشن کو رات قرار دیتا ہے پس جو کوئی اس جانور کو کھاتا اسکی

خالق بینی کی آنکھ میں کوری پیدا ہوتی۔ لہذا اس جانور کا کھانا بھی حرام ہوا۔

گدھے اور خچر کی حرمت کی وجہ: وہ حیوانات جو نجاستوں اور ناپاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان میں رہتے ہیں اور وہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بدن بھی ان میں بھرے رہتے ہیں مثلاً گدھا جو علاوہ اس تلبس نجاست کے حماقت وبیوقوفی وذلت میں بھی ضرب المثل ہے چنانچہ جو کوئی بیوقوفی وحماقت کا کام کرتا ہے تو اسکو گدھے کا خطاب ملتا ہے پس اگر ایسے جانور کا گوشت کھائے تو بالضرور اس میں ذلت اور حماقت وبیوقوفی وبے تمیزی کا اثر آجائے اور یہ جانور مزاج نوع انسان کے مخالف ہے لہذا طب کے اعتبار سے بھی اسکو کھانا نہ چاہیے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ہر ایک ایسے جانور کے کھانے اور اسکا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے اسکی وجہ بھی ظاہر ہے وہ یہ جب جانور کے اعضاء نے نجاست کو جذب کر لیا اور وہ اسکے اجزاء میں پھیل گئی تو اسکا حکم بھی مثل نجاست یا اس جانور کے مثل ہو گیا جو نجاست میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

وجہ پیدائش جانوران واشیاء حرام: (۱) سوال۔ جب کہ بعض جانوروں اور بعض اشیاء کے کھانے سے انسان کو منع کیا گیا ہے اور انکو اس پر حرام ٹھہرایا گیا ہے تو پھر خدا تعالیٰ نے انکو کیوں پیدا کیا ہے۔ وہ کس کام آتے ہیں۔

جواب خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمام وہ چیزیں جو زمین میں ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر ایک چیز کا استعمال ایک وجہ سے حرام ہے تو دوسری وجہ سے حلال ہے۔ دیکھو گدھے کا کھانا حرام ہے مگر اس پر سواری کرنا اور اس پر بوجھ لادنا حلال ہے۔ ایسا ہی تمام درندہ جانوروں کا کھانا حرام ہے مگر انکے چمڑوں کی پوستین بنا کر پہننا حلال ہے ایسا ہی اور حرام جانوروں اور اشیائے محرمہ کے متعلق سمجھو کہ من وجہ انکا استعمال حرام ہے اور من وجہ حلال ہے اور جس جانور سے کسی قسم کا

انتفاع حلال نہ ہو اس سے قدرت پر استدلال تو ہو سکتا ہے یہ بھی انکے پیدا کرنے میں ایک حکمت ہے علاوہ انتفاع واستعمال کے انکے پیدا کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ یہ محرمات خدا تعالیٰ کی باڑ میں چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں الا لکل ملک حمی وان حمی الله تعالی محارمه ترجمہ: سنو کہ ایک بادشاہ کی باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی باڑ اسکے محرمات ہیں پس اس میں بندوں کا امتحان بھی ہے

خلاصہ وجوہ حرمت حیوانات واشیاء محرمہ: تمام وہ جانور جو حرام کئے گئے ہیں انکی وجوہ حرمت ذیل ہیں

(۱) خباثت وگندگی

(۲) درندگی یعنی ایسے جانوروں کے کھانے سے انسان درندہ طبع بن جاتا ہے۔

(۳) شیطانی امور سے مشابہت۔

(۴) سمیت بعض جانور وچیزیں زہر دار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔

(۵) بد اخلاقی یعنی بعض جانوروں کے کھانے سے انسان بد اخلاق بن جاتا ہے۔

(۶) بد اعتقادی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ما اهل به لغیر الله کا کھانا

وجہ حرمت چھپکلی: مخزن الادویہ میں لکھا ہے اسم آں وزغ است ولیکن مصطلح آں است کہ بری آں را سام ابرص وبلدی را وزغ می نامند کہ بفارسی چلپاسہ می نامند خوردن آں مورث سل وامراض ردیہ است۔ اس سے حرمت کی وجہ ظاہر ہلاکت ہے۔

حرمت میں مذبوحہ غیر اہل کتاب ومذبوح بنام غیر اللہ ومردار کے برابر ہونے کی وجہ: مذکورہ بالا امور پر حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سوال وجواب لکھے ہیں ہم ان کا ترجمہ مختصراً یہاں درج کر دیتے ہیں۔

سوال مذبوحہ غیر اہل کتاب و مردار کی حرمت میں برابری کی کیا وجہ ہے گویا سائل کا یہ خیال ہے کہ جب کہ مردار میں یہ خون جذب ہو جاتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے مگر غیر اہل کتاب اور ماہل بہ لغیر اللہ کے ذبح سے خون جذب نہیں ہوتا تو پھر اس سے کس طرح جانور حرام ٹھہرایا جاتا ہے۔

جواب (۱) یہ بات غلط ہے کہ مردار کی حرمت کا سبب ایک ہی امر کو یعنی خون کے جذب ہونے کو قرار دیا جاوے بلکہ حرمت مردار کی بہت سی وجوہ و اسباب ہیں اگر صرف جذب خون کی وجہ سے حرمت مردار ہوتی تو اس سوال کو وقعت ہوتی مگر جب کہ مردہ جانور کے حرمت کے متعدد اسباب ہوں تو کسی ایک سبب کے نہ ہونے سے اور اسباب حرمت کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سبب معدوم کا کوئی اور سبب خلیفہ اور قائم مقام ہو جاتا ہے جس سے مردہ جانور کو حرام کہا جاتا ہے

اور یہ اسباب اور وجوہ عقلاً بے شمار ہو سکتے ہیں پس صرف وجہ کے ظاہر نہ ہونے سے حکم شریعت سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے شریعت نے کوئی وجہ رکھی ہوگی اس کا کچھ مختصر بیان بطور نمونہ کے آئندہ کی ان دو سرخیوں میں آوے گا۔ بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ)

سوال۔ کیا شریعت اسلامیہ نے دونوں قسم کے مردہ جانوروں میں برابری نہیں کی ہے حالانکہ انکی موت کے مختلف اسباب ہیں گویا شریعت نے دو مختلف اور متضاد باتوں کو جمع کیا اور دو متماثل اور مشابہ امور کو الگ الگ کر دیا کیونکہ ذبح کرنا در حقیقت ظاہری و حسی طور پر ایک قسم کا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ذبح کی بعض صورتوں سے حیوان کو مردار ہونے سے خارج کیا اور بعض صورتوں سے حیوان کو مردار قرار دیا حالانکہ کوئی وجہ فرق کی نہیں پس اس میں دو متماثل امور کو الگ الگ کر دیا پھر اس مذبوح علی غیر اسم اللہ کو اور میتہ کو ایک حکم میں داخل کیا تو اس میں دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا ؟

جواب شریعت نے دونوں مرداروں کے لغوی نام میں برابری نہیں رکھی بلحاظ اسکے اسم شرعی میں برابری رکھی ہے پس مردار کا شرع میں بہ نسبت لغت کے عام ہے اور شارع علیہ السلام لغوی ناموں میں کبھی نقل سے اور کبھی عموم سے اور کبھی خصوص سے تصرف کرتے ہیں۔ اور اہل عرف بھی ایسا ہی کیا کرتے ہیں پس یہ بات شرع و عرف میں منکر نہیں ہے باقی حرمت میں انکو اسلئے یکساں ٹھہرایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم پر پلیدیاں حرام کی ہیں۔ کبھی اور پلیدی جو کہ موجب حرمت ہوتی ہے اسکو بھی کبھی شارع علیہ السلام ظاہر فرماتا ہے اور کبھی پوشیدہ رکھتا ہے اور جو پوشیدہ ہو اس پر ایک علامت رکھ دی ہے جو اسکی خباثت پر دلالت کرے۔ پس مردار میں تو جذب خون سبب ظاہر موجود ہے اور مجوس اور مرتد اور تارک تسمیہ کے مذبوحہ میں اور جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو ایسے مذمومہ جانور میں بھی ایسی پوشیدہ خباثت اور پلیدی میراث کر جاتی ہے جو کہ موجب حرمت مذبوحہ ہے۔ اور اسکے مخفی ہونے کے سبب ایک علامت اسکے وجود پر قائم کر دی ہے یعنی علی اسم اللہ اسکا ذبح نہ ہونا اور اس سبب خفی کی طرف حق تعالیٰ نے اشارہ بھی فرمایا ہے یعنی جن جانوروں پر خدا تعالیٰ کا نام بوقت ذبح نہیں لیا جاتا انکو خدا تعالیٰ فسق فرماتا ہے اور فسق پلیدی ہے پس جہاں پلیدی ہو وہاں حرمت ضرور لاحق ہو جاتی ہے ولا تاکلوا مالم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق (انعام ۸)

توضیح اسکی یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا پاک نام مذبوحہ کو پاک کرتا ہے اور ذبح کرنیوالے اور مذبوح جانور سے شیطان سے دور کر دیتا اور مٹا دیتا ہے جب خدا تعالیٰ کا نام مذبوح پر نہ لیا جائے تو ذبح کرنے والے اور مذبوح جانور میں شیطان سرایت کر جاتا ہے اور شیطان کی خباثت جانور میں تاثیر کرتی ہے کیونکہ شیطان جانور کے خون کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور خون ہی اسکا حامل ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ان الشیطان یجری من بنی ادم کمجری الدم۔ یعنی شیطان بنی آدم میں اسکے رگ و ریشہ اور خون کے جاری ہونے کے مقاموں میں چلتا ہے اور وہ سب پلیدیوں سے بڑھ کر ہے پس جب ذبح کرنے والا خدا تعالیٰ کا نام لیتا

ہے تو شیطان خون کے ساتھ مل کر تقویت حاصل کرتا ہے اور مذبوحہ پاک ہو جاتی ہے اور اگر اللہ پاک کا نام نہ لیا جاوے تو وہ پلیدی خارج نہیں ہوتی اور جب خدا تعالیٰ کے دشمن یعنی شیطان اور ہبل کا نام مذبوحہ پر لیا جاوے تو مذبوح میں پلیدی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

رہا یہ کہ جب ذبح مجوسی وغیرہ ہو گو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرے اسکی حرمت کا سبب یہ ہے کہ ذبح کرنا بمقام عبادت الٰہی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بتوں کو جمع کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے **فصل لربک وانحر۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر کذالک سخرنٰھا لکم لعلکم تشکرون لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔** خدا تعالیٰ نے بتادیا کہ ہم نے ان جانوروں کو ان لوگوں کو مسخر کیا اور حلال ٹھہرا لیا کہ ان پر خدائے تعالیٰ کا نام لے کر ان کو ذبح کریں کیونکہ خدائے تعالیٰ کو تو انسان سے تقویٰ منظور ہے جس سے مراد خدائے تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کر کے اسکا قرب چاہنا اور وقت ذبح جانوروں پر خدا کا نام لینا ہے اور جب وقت ذبح حیوانات پر خدائے تعالیٰ کا نام نہ لینے سے کھانا منع اور ناپسند ہے کیونکہ اس مکروہ فعل سے ان مذبوح جانوروں میں پلیدی کا اثر ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر مذبوح پر خدائے تعالیٰ کے سوائے کسی اور کا نام لیا جاوے تو وہ مذبوح مردار کی طرح ہو جاتا ہے جیسا ابھی قریب بیان ہوا یعنی جب کہ تسمیہ ترک کرنے اور خدائے تعالیٰ کے سوائے کسی اور کا نام لینے سے مذبوح حرام ہو جاتا ہے تو جسکو خدائے تعالیٰ کا دشمن ذبح کرے جو ناپاک ترین مخلوقات ہے اسکا مذبوح جانور بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا کیونکہ ذبح کرنے والے کا فعل و روح اور اسکی خباثت بالضرور مذبوح میں موثر ہوتی ہے۔

جب کہ غیر مذبوح جانور کا خون گوشت میں جذب ہو کر گوشت ہی بن جاتا ہے تو پھر اسکی حرمت کی کیا وجہ ہے؟ اسکی تحقیق کہ آیا بعد مرگ خون گوشت

رہی اور ٹڈی اس سبب سے ذبح نہیں کی جاتی کہ وہ خون جاری نہیں رکھتی اور تعلق اسکی روح کا بدن سے بلاواسطہ خون کے مثل تعلق روح پہاڑ اور درخت اور دیگر جمادات کے ہے اور اسطرح کے تعلق کا جدا ہونا موجب نجاست نہیں ہوتا کیونکہ اس جدائی سے خون جذب نہیں ہوا اور اس علت میں اگرچہ تمام دریائی جانور اور تمام حشرات الارض مشترک ہیں مگر وہ بسبب ذاتی خباثت اور غذائے نجس و مضر ہونے کے حرام ہیں۔ خلاف مچھلی ٹڈی کے کہ وہ ذاتی و عارضی خباثت سے پاک و سالم ہیں۔ اسی واسطے ان دونوں کیلئے خاص استثناء ہوا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان الحوت والجرا دوالدمان الکبد والطحال. ترجمہ: یعنی ہمارے لئے دو میت اور دو خون حلال کئے گئے لیکن دو میتوں سے مراد تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خونوں سے مراد جگر اور تلی ہیں۔ اور جگر اور تلی دو عضو ہیں مگر یہ دونوں خون کے مشابہ ہوتے ہیں۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے اس شبہ کو رفع کر دیا جو ان سے پیدا ہوتا تھا نیز مچھلی میں مثل ٹڈی کے دم مسفوح یعنی خون رواں نہیں ہوتا لہذا اسکے لئے بھی ذبح کرنا مشروع نہیں ہوا۔

شتر اور گاؤ اور گاؤ میش اور بھیڑ اور بکری اور دنبہ کی حلت کی وجہ: (۱) یہ سارے جانور دراصل مزاج انسانی کے موافق اور ستھرے و معتدل المزاج ہوتے ہیں اس لئے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام فرمایا ہے اور اس توافق و اعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت بنی آدم استعمال کرتے ہیں فطرت انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اسکا حیوانات سے ہو اور اسکی خوراک کیلئے حیوانات بھی وہ مقرر ہونے مناسب تھے جو اسکے مزاج کے موافق ہوں لہذا خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(۲) چونکہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اسکی خوراک میں جمال و جلال دونوں کا ہونا مناسب تھا

لہذا انسان کی خوراک کیلئے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جمال و جلال ہر دو صفات موجود ہیں۔

ہرن گورخر خرگوش شتر مرغ کی حلت کی وجہ: وہ جانور جو جنگل میں رہتے ہیں اور بہیمۃ الانعام کے مشابہ ہیں وہ سب حلال ہیں کیونکہ ان میں بہیمۃ الانعام کے پاک وستھرے اوصاف موجود ہیں اور وہ مزاج انسان کے موافق اور مطابق ہیں مثلاً ہرن گورخر شتر مرغ وغیرہ۔ ایک دفعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی شخص نے بطور ہدیہ کے گورخر کا گوشت بھیجا تو آنحضرت ﷺ نے اسکو قبول فرما کر تناول فرمایا۔

وجہ حلت مرغ و مرغابی و گنجشک و کبوتر و مانند آں: ان پرندوں کا گوشت مزاج انسانی کے موافق و مفید ہے لہذا حلال ٹھہرے۔

بہشت میں حلت شراب کی وجہ: سوال شراب جو دنیا میں ممنوعات اور محرمات سے ہے وہ کیونکر بہشت میں روا ہو جائے گی۔

جواب: (1) خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہشتی شراب کو اس دنیا کی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں ہے چنانچہ قرآن کریم میں بہشتی شراب کی صفت یوں فرمائی ہے۔ وسقھم ربھم شرابا طھورا. ترجمہ۔ یعنی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے خدا ان کو پاک شراب طہور پلائے گا۔ جو خود بھی پاک ہوگی اور دل کو کامل طور پر پاک کر دے گی۔

اور بہشتی شراب کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے۔ وکاس من معین لا یصدعون عنھا ولا ینزفون الی قولہ تعالیٰ لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا قیلاً سلاماً سلاماً. ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ شراب صافی کے پیالے جو آب زلال کی طرح مصفیٰ ہوں گے بہشتیوں کو دیئے جائیں گے وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہوگی کہ درد سر پیدا کرے یا بے ہوشی اور بد مستی اس سے طاری ہو اور بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے میں نہیں آئے گی اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائے گی۔ بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت کی نشانی ہے سننے میں آئیگا۔ شرح

اسکی یہ ہے کہ شراب میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک نشہ دوسرا سرور اور ان دونوں میں باہم تضاد ہے نشہ بیہوشی کا نام ہے اور بیہوشی میں نہ رنج ہوتا ہے۔ نہ راحت نہ غم نہ خوشی۔ اس صورت میں دونوں کا اجتماع ایسا ہوگا جیسا کہ تمام مرکبات عنصریات میں گرمی و سردی کا اجتماع ہوتا ہے مگر جیسے بایں وجہ کہ گرمی سردی باہم متضاد ہیں ایک شئی کی تاثیر یہ دونوں نہیں ہو سکتیں اور اس وجہ سے پانی اور آگ کا اقرار کرنا پڑتا ہے ایسی ہی وجہ مذکور نشہ اور سرور شے واحد کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا۔ کہ نشہ کسی اور چیز کی خاصیت ہے اور سرور کسی اور چیز کی خاصیت۔ اگر شراب میں وہ چیز نہ رہے جسکی خاصیت نشہ ہے بمدد قدرت الٰہی کی چھلنی سے چھان کر اسکو جدا کر دیں تو پھر اس صورت میں شراب فقط لذت اور سرور ہی رہ جائے گا اور بے شک ہر عاقل کے نزدیک وہ شراب حلال ہوگی۔

غرض یہ ہے کہ علت حرمت شراب کی تمام عقلا اور قائلان حرمت کے نزدیک یہی نشہ ہے اور اہل اسلام اسکی حرمت کے جبھی قائل ہیں جب تک اس میں نشہ ہو۔ اگر شراب سرکہ بن جائے اور نشہ نہ رہے تو وہ پھر اسکے پینے میں تامل نہیں کرتے۔ ادھر قرآن و حدیث و فقہ میں بھی یہی وجہ مذکور ہے بالجملہ وجہ حرمت وہ نشہ ہے اور چونکہ وہ ایک جدی چیز کے ساتھ قائم ہے اور اس وجہ سے اسکا جدا ہونا ممکن تو در صورت جدائی فقط وہ سرور ہی شراب میں باقی رہ جائے گا اور ظاہر ہے کہ شراب کو جو کوئی پیتا ہے وہ بوجہ سرور پیتا ہے۔ بوجہ بیہوشی نہیں پیتا سو کلام اللہ میں لذت کا ثبوت ہے جو مادہ سرور ہے اور نشہ کی نفی ہے جو وجہ ممانعت تھی چنانچہ لفظ لا لغو فیہا ولا تاثیم۔ اس پر شاہد ہے پھر دنیا میں نشہ کی چیزوں کی اسی وجہ سے ممانعت تھی کہ نشہ کے وقت احکام خداوندی ادا نہیں ہو سکتے سو یہ اندیشہ زندگانی دنیا تک ہی ہے بعد مرگ تمام احکام ساقط ہو جاتے ہیں بہشت میں ہر کوئی فرائض و واجبات وغیرہ سے فارغ البال ہوگا۔ وہاں اگر شراب حلال ہو جائے تو کیا حرج ہے

برتن میں مکھی پڑنے سے اسکو اس میں غوطہ دے کر نکالنے کی وجہ: نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسہ ثم لیطرحہ فان فی احدجناحیہ شفاء وفی الاخر داء۔ ترجمہ: جب کہ تمہارے کسی برتن میں مکھی گر پڑے تو مکھی کو اس میں ڈبا کر پھر اسکو پھینک دو کیونکہ اسکے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ مکھی اس پر کو مقدم کرتی ہے جس میں بیماری ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حیوان کے اندر اسکی طبیعت کو تدبیر بدن کیلئے پیدا کیا ہے وہ طبیعت اکثر اوقات مواد موذیہ کو جو جزوبدن ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے اطراف کی طرف دور کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اطباء جانوروں کی دم کھانے سے منع کرتے ہیں اور مکھی اکثر اوقات خراب غذا جو جزوبدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کھاتی رہتی ہے اور اسکی طبیعت اس مادہ فاسد کو اسکے عضو خسیس یعنی پر کی طرف پھینکتی رہتی ہے اور خدا کی حکمت یہ ہے کہ جس چیز میں زہر رکھا ہے تو اس میں تریاقیہ مادہ بھی رکھا ہے۔ چنانچہ سانپ کے زہر کا تریاق سانپ کے سر میں ہوتا ہے ایسا ہی اور جانوروں کا ہوتا ہے ورنہ اگر جانوروں میں زہر تو ہو مگر ان میں تریاقی مادہ نہ ہو تو کوئی جانور زندہ نہ رہ سکے۔

پانی اور برتن میں سانس لینا و پھونکنا منع ہونے کی وجہ: عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ ﷺ اذا شرب احدکم فلا یتنفس فی الاناء فاذا اراد ان یعود فلینح الاناء ثم لیعد ان کان یرید۔ یعنی حضرت ابی ہریرۃ ؓ سے راوی ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص پانی پینے لگے تو برتن میں سانس نہ لیوے اور پھر جب سانس لینا چاہے تو برتن کو منہ سے ہٹا لیوے اور پھر جب پینے کا ارادہ کرے تو برتن منہ سے لگاوے۔ دوسری حدیث میں ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ سے راوی ہیں۔ لم یکن الرسول اللہ ﷺ ینفخ فی الشراب یعنی رسول کریم ﷺ پانی میں نہ پھونکتے تھے۔

اور ایسا ہی ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں۔ نھی رسول اللہ ﷺ ان

ینفخ فی الاناء. یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برتن میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ)
سانس کا پانی میں لینا یا پانی میں پھونکنا اسلئے منع ہوا کہ سانس تمام گندے حارات لیکر باہر آتا ہے اور پانی میں سانس لیا جاوے یا پانی میں پھونکا جاوے تو ان متعفنہ حارات سے پانی متاثر ہو جاتا ہے جو اندر سے باہر آتے ہیں اور اس طرح سے وہی حارات اندر چلے جاتے ہیں جن سے حدوث امراض کا خطرہ ہے۔ انسان کے اندر آمدورفت سانس کی گویا الٰہی مشین ہے جسکے ذریعہ سے گندے اور متعفن مادے ہر دم باہر نکلتے ہیں اور تازہ ہوا اس کے اندر آتی رہتی ہے اور اسکے ذریعہ سے انسان کی صحت قائم رہتی ہے۔ الغرض اندر کے گندے اور متعفن حارات اور مادے جو سانس کے ذریعہ سے باہر آتے ہی انکو کھانے پینے والی چیزوں میں سانس کے ذریعہ سے ڈالنا ممنوع ہوا کہ اس سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

انسان کیلئے گوشت کھانا کیوں جائز ہوا: انسان کو مثل شیر و چیتا و بھیڑیا وغیرہ کچلیوں کا عطا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ اسکی غذا اصلی گوشت ہے اور اہل عقل کے نزدیک یہ بات کم از اجازت نہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کو جتنی چیزیں دی گئی ہیں۔ آنکھ کان جیسے دیکھنے سننے کیلئے ہیں اس لئے ان سے صاف عیاں ہے کہ یہ دیکھنے سننے کی اجازت ہے ایسے ہی کچلیوں کو بھی خیال فرما لیجئے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ سارے حیوانات یکساں نہیں ہر کسی کے گوشت میں جدا تاثیر ہے۔ لہٰذا جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا۔ جس جانور کا گوشت مضر ہوگا بقدر ضرورت ناجائز ہوگا کیونکہ خداوند کریم کے امر و نہی و اجازت و ممانعت آدمی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہے۔ اپنے نفع و نقصان کے لحاظ سے نہیں۔ اسلئے سور اور شیر وغیرہ درندے بوجہ بد اخلاقی کے قابل ممانعت ہوگئے اور انکا کھانا انسان پر حرام ہو گیا۔ تاکہ انکے کھانے سے مزاج میں بد خلقی نہ پیدا ہو جائے جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے ایسے ہی حیوانات کے کھانے سے انکے مزاج کے موافق انسان میں اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

گوشت ترکاریاں کھانے سے انسان کے روحانی اخلاق کیسے پیدا ہوتے ہیں: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور اس بات کو دوبارہ یاد دلاتے ہیں کہ غذا کا اثر جسم پر نمایاں ہوتا ہے جیسے غذا کا حرارت ہونا گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی کا پیدا ہونا مسلم ہے اسی طرح حیوانات کے کھانے سے انسانی اوصاف کا تغیر و تبدل ہو جاتا ہے مثلاً سبزی ترکاریاں اور غلے گیہوں جو وغیرہ کھانے سے انسان میں نرمی، علم و حلم اور رحم کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور گوشت کھانے سے اس میں شہوت و جرات و قوت غضبیہ کو تحریک ہوتی ہے چونکہ انسان جامع جلال و جمال ہے اس لئے اس کے لئے پھل اور گوشت دونوں قسم کی غذائیں حلال ہوئیں اگر انسان سے قوت غضبیہ بالکل مفقود ہو جائے تو انسانی صفت سے محروم ہو جائے اور اس کے بہت سے امور معطل پڑے رہ جائیں کہیں گرمی کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں سردی کی حاجت، کبھی تلخ ادویہ مفید ہوتی ہیں اور کبھی شیرینی سے حاجت روائی ہوتی ہے۔ جہاں تلخ ادویہ کے ساتھ معالجہ کرنا ہو وہاں شیریں اشیاء کا استعمال کرنا سراسر نقصان دہ ہوگا نہ کہ مفید ہوگا۔ کبھی غصے و غضب سے ہی کام نکلتا ہے اور نرمی سے بگڑتا ہے اور کبھی نرمی، رفق و حلم سے معاملہ سنورتا ہے اور غصہ و غضب سے خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح اغذیہ کو سمجھو اور مرچ جیسی تیز اور نیم جیسی تلخ اشیاء اور قند جیسی شیریں چیزوں کا انسان کیلئے پیدا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ انسان کو ہر دم ایک ہی چیز کا استعمال کرنا مضر ہے۔ کبھی تلخ اور کبھی شیریں، کبھی غلہ میوہ جات و سبزی اور کبھی گوشت، کبھی رحم اور کبھی غضب کا برتاؤ کرے اور اسی طریق سے اعتدال قائم رہ سکتا ہے۔

انسان میں قوت غضبیہ و حلم وغیرہ کی حکمت: انسان کی فطرت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو مختلف قویٰ اس غرض سے دیئے گئے ہیں تاکہ وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضائے محل اور موقع قویٰ کو استعمال کرے کا انسان میں تحمل اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی

فطرت سے مشابہ ہے۔ اور دوسرا خلق شیر کی خصلت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بن جاوے اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بن جاوے اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت ہر محل میں بکری ہی بنا رہے اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے اور جیسا کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے سے منہ بند رکھے اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈالدے اور دوسری قوتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکو ملی ہے۔ تو اس خدا نے اس میں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے اور دوسری قوت کو اپنے میں سے کاٹ کر پھینک دیا جاوے اسکو خدا پر اعتراض آتا ہے۔ گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کی ہیں۔

پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بری نہیں ہے بلکہ انکی بد استعمالی بری ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جزاء سيئة مثلها فمن عفى و اصلح فاجره على الله یعنی اگر کوئی تمہیں دکھ پہنچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اسکی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی۔ لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کردو کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے۔ یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملے گا۔

اس آیت میں دونوں پہلوؤں کی رعایت رکھی گئی ہے اور عفو اور انتقام کو مصلحت وقت سے وابستہ کر دیا گیا ہے سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے۔ رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا یہی عقلمندی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے بلکہ حسب موقع گرم اور سرد غذائیں بدلتے رہتے ہیں اور جاڑے اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب حال بدلتے رہتے ہیں۔

پس اسی طرح ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقع تبدیلی کو چاہتی ہے ایک وقت غضب دکھلانے کا مقام ہوتا ہے وہاں نرمی اور درگذر سے کام بگڑتا ہے اور دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا موقع ہوتا ہے وہاں رعب رکھنا غصہ پن سمجھا جاتا ہے غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا ہے پس جو شخص رعایت مصالح اوقات نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان اور وہ وحشی ہے نہ مہذب قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ کسی بھی شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے وہ بھی نیک ہو جاتا ہے پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے میں یا سزا دینے میں پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔

بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز: ہر تاثیر کے لئے ایک مؤثر چاہیے اور ایک قابل آفتاب کی تاثیر سے جو آئینہ منور ہو جاتا ہے اور آتشی شیشہ میں شعاعیں آجاتی ہیں تو ان دونوں صورتوں میں آفتاب مؤثر ہے اور آئینہ اور آتشی شیشہ متاثر اور قابل اگر ادھر آفتاب نہ ہو یہ نورانیت جو آئینہ میں آجاتی ہے اور یہ سوزش جو آتشی شیشہ میں پیدا ہو جاتی ہے ظہور نہ کرے اور اگر ادھر آئینہ اور آتشی شیشہ نہ ہو تب بھی یہ نورانیت اور یہ سوزش ظاہر نہ ہو۔ اسی طرح تکبیر وغیرہ ذکر اللہ مؤثر ہیں اور ذبیحہ معینہ قابل اور متاثر اگر مؤثر کی جانب بالکل خالی ہو یا بجائے ذکر اللہ کچھ اور ہو تب بھی حلت متصور نہیں اور اگر قابل کی جانب بالکل خالی ہو یا سوائے معینہ کے اور کوئی حیوان ہو تب بھی حلت متصور نہیں اب تکبیر کے مؤثر ہونے کی وجہ سمجھو کہ جب حکمت الٰہی نے انسان کے لئے ان حیوانات کو جو زندگی میں اس کے مثل ہیں مباح کر دیا۔ ان حیوانات پر اس کو قدرت عطا فرمائی تو لازم ہے کہ ان حیوانات کی جان نکالنے کے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہو اور غافل نہ ہونے کی یہی صورت ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام ان پر ذکر کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ لہذا کرو اسم اللہ علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام ۔ ترجمہ یعنی خدا تعالیٰ کا نام لیں اس چیز پر جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی چارپایوں میں سے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ غلہ پھل وغیرہ نباتات کا بنی آدم کے لئے ہونا تو ظاہر تھا کون نہیں جانتا کہ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو بنی آدم کو زندگی محال تھی البتہ حیوانات کا بنی آدم کے لئے ہونا اس وجہ سے مخفی تھا کہ مثل بنی آدم کے دست و پا و چشم و گوش وغیرہ اعضاء و قویٰ ان کے حق میں بھی آلات انتفاع ہیں پھر جیسے غلہ پھل وغیرہ نباتات بنی آدم کے کام آتے ہیں ایسے ہی حیوانات ہم شکل بنی آدم نظر آتے ہیں البتہ نباتات میں پیدا کرنے کے سوا اور اجازت کی ضرورت ہے ورنہ ایذاء ذبح جو اعلیٰ درجہ کی ایذا ہے کیونکہ قتل ہے اور جب اعلیٰ درجہ کا ظلم ہوگا اور کیوں نہ ہو ہماری تمہاری ملک برائے نام ملک ہے جب ہماری مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم سمجھا جاوے تو خدا تعالیٰ کی مملوکات و مخلوقات میں تصرف بے اجازت ظلم کیوں نہ ہوگا اسلئے اس کی اجازت کی ضرورت پڑی۔ مگر ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ مالک کی اجازت اس وقت متصور ہے جب تصرف کرنیوالا مالک کو مالک سمجھتا ہو اور اگر کسی اور کو سوائے مالک کے مالک سمجھ بیٹھے تو بجائے اجازت بحکم غیر مالک ممانعت ضرور ہے علی ہذا القیاس انعام کی توقع اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ حقوق مالکیت اسی کو ادا کئے جائیں اور اگر بالفرض مالک کے حقوق کسی اور کو ادا کئے جائیں تو اس وقت انعام کی جگہ الٹا مستحق سزا ہوگا اسلئے بغرض رفع اشتباہ ذبح کے وقت مالکیت اور اجازت کا اعلان ضرور ہوگا یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے مذہب میں وقت ذبح بسم اللہ کا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بالجملہ وقت ذبح خدا کا نام لینا موافق عقل ضروری ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ: اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے کہ تکبیر کا کہنا خدا کی اجازت پر مبنی ہوگا تو یہ ٹھہرے تو پھر اعلان اجازت خداوندی ضروری ہے تاکہ یہ وہم صورت حال ذبح سے نہ پیدا ہو کہ وہ خدا کی ذات کا محتاج نہیں بلکہ بدولہ

اجازت خدا کے حدود عدہ مملوکات میں خاطر خواہ تصرف کر سکتا ہے جس سے اسکا ظالم ہونا اور خدا کی تحقیر نکلتی ہے پھر اس پر جس اعلان میں یہ بھی فائدہ ہوگا کہ خدا کا نام لیکر حیوانات کو ذبح استعماد خدا کی مالکیت اور اپنی مملوکیت کی جانب ذہن منتقل ہو جائے۔

الغرض خداوند عالم مالک ملک ہے اور حیوانات اسکی متاع۔ اسلئے ان کا حلال ہونا اگر وقت ذبح خدا کا نام لینے پر موقوف رکھا جائے اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو اگر حرام کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ مالک کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اسکی اجازت سے اسکی مملوکات میں تصرف کیا جائے پھر بے اجازت تصرف کبھی گوارا نہیں ہوتا اور اگر اجازت کے سوائے یہ بھی پیش آجائے کہ تصرف کرنیوالا اس شئی کو کسی اور کے نام کرتا پھر اور اسی کے نام سے اس میں تصرف کرے تو گوارا ہونا کجا الٹی سزا بے تفاوت اسکے لئے تجویز کی جائے گی اور وہ چیز اس سے چھین لی جائے گی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام ایسے ذبح کو جس پر غیر خدا کا نام بوقت ذبح لیا جاوے یا غیر خدا کا سمجھ کر بدا نے نام خدا کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کہتے ہیں اس تقریر سے تو وقت ذبح خدا کے نام لینے کی ضرورت اور غیر خدا کے نام لینے کی خرابی معلوم ہوگی۔

حرمت شراب و قمار بازی کی وجہ: چونکہ لوگوں کی معاش اور خانگی تدابیر اور سیاست مدن یعنی شہروں کا انتظام بغیر عقل و تمیز کے مکمل نہیں ہو سکتی اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں خلل پڑ جاتی ہے اس سے جنگ وجدال اور ذاتی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں اور طبائع انسان میں جو بیہودہ خواہشیں ہیں وہ بھی عقلوں کو مغلوب کر لیتی ہیں پھر ان میں ایسے اشیر ذائل کا میلان ہو جاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کر دیتے ہیں اگر ایسی ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کی جائے تو لوگ ہلاک ہو جائیں اسی روک ٹوک کے لئے شراب کو حرام کیا گیا۔ شراب میں بہت سی خرابیوں کا اندیشہ ہے جن سے خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے شراب کی وجہ سے خدا کی جانب خالص توجہ نہیں ہو سکتی تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب درہم برہم ہو جاتے ہیں

اسلئے شارع نے شراب کو نجاسات میں داخل کیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے شراب ناپاک اور شیطان کا فعل ہے رجس من عمل الشیطان اس لئے خدا نے اس کو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے حکمت الٰہیہ کا یہی اقتضا ہوا کہ اس کو پیشاب اور پاخانہ کی برابر کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی برائی متمثل ہو جائے اور اس سے خود بخود ان کے دلوں کو اس کی طرف سے کشیدگی ہو جائے اور اس کی حرمت کے اور بھی وجوہ ہیں جب فسادوں کے جامع ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدوکم عن ذکر الله وعن الصلوٰة فهل انتم منتهون۔ ترجمہ شیطان چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بغض شراب اور جوئے سے اور روکے تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے پھر اب تم باز بھی آؤ گے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ما اسکر کثیرة فقلیله حرام۔ یعنی جو چیز بہت نشہ آور ہو وہ تھوڑی بھی حرام ہے قمار بازی یعنی جوا اس لئے حرام ہے کہ اس سے مال ناحق ضائع ہوتا ہے اور جھگڑے پیدا ہوتے اور تدابیر مطلوبہ متروک ہو جاتی ہیں اور معاونت جس پر کہ تمدنی زندگی کا دارومدار ہے اس سے انسان اعتراض کرتا ہے اگر ہمارے اس بیان کی تصدیق نہ ہو تو پھر غور کرو کہ کہیں تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی اور آسودہ حال نہ دیکھا ہوگا ایسا ہی شراب پینے والے کا حال ہے ان کے مضار و فساد بے شمار ہیں اور جس گھر یا قوم و ملک میں شراب کی کثرت ہوگی وہاں مصائب کی کثرت ہوگی یہی وجہ ہے کہ ممالک یورپ میں کثرت شراب نوشی کے باعث مصائب جرم کی بھی یوماً فیوماً ترقی ہو رہی ہے دور نہ جاؤ یورپ میں بلجیم ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کی آبادی 1/3 3 ملین سے زائد نہیں ہے لیکن ایک لاکھ نو ہزار شراب خانے ملک میں موجود ہیں یعنی ہر پینتیس شخصوں کے لئے جن میں عورتیں اور لڑکے بھی شامل ہیں ایک شراب خانہ ہے گذشتہ نصف صدی میں بلجیم کی آبادی میں فی صدی پچاس کی ترقی ہوئی لیکن شراب خانہ فی صد دو سو اٹھاون زیادہ ہوئے اہل بلجیم ایک سال میں ۵۵ گیلن شراب پیتے ہیں اور مجموعی مقدار دو کروڑ دس لاکھ چالیس ہزار پونڈ شراب میں صرف کرتے ہیں یعنی روزانہ ستاون ہزار چھ سو پونڈ کی شراب

خرچ ہوتی ہے فی کس 1/3 3 پونڈ اور فی خاندان پندرہ پونڈ سالانہ کا حساب بالا وسط ہے اس شراب خوری واسراف کا نتیجہ یہ ہے کہ تعداد جرائم بہت بڑھی ہوئی ہے مجرموں میں فی صدی اسی خودکشی کرتے ہیں ۳۰ قید خانہ رہتے ہیں ۹۷ فقر وفاقہ میں بسر کرتے ہیں اور ۷۵ فی صدی مجنون اور پاگل ہیں حقیقت میں اسلام نے شراب کو حرام کر کے نوع انسانی پر غیر معمولی احسان کیا ہے اسلام میں مسکرات کی ممانعت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اس پاک مذہب کو شہوانیت سے کس قدر نفرت ہے ہم اس جگہ یہ سوال نہیں کرتے کہ اگر خلاف اسلام کوئی مذہب نفسانیت کی راہ نہیں بتاتا تو کیوں اس میں شراب جیسی بری چیز کی کوئی ممانعت نہیں۔ کیونکہ یہ مضمون اس وقت زیر بحث نہیں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر شراب شہوانی خیالات کو ابھارنے والی ہے جیسا کہ کل دنیا تسلیم کر رہی ہے تو کیا کسی مذہب کا شراب سے منع کرنا اور شراب خوری کو قطعاً روک دینا اس امر کی یقینی اور قطعی شہادت نہیں ہے کہ وہ شہوانی خیالات سے چھڑانے والا اور امتیازی اور روح ودل کی پاکیزگی کی طرف بلانے والا ہے اگر اسلام ایک نفسانی مذہب تھا۔ اور اسکی غرض بھی تھی کہ شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کے ذریعے بتادے اور انکی راہ کھول دیوے تو پھر اس نے شراب کو کیوں منع کیا اور شراب خوری کو کیوں جڑ سے کاٹا۔

ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے جب ہم بعض نام کے مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ اسلام کے اصول ایک ابتدائی سوسائٹی کیلئے تجویز کئے گئے تھے جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ گویا یہ اصول ایک وحشی قوم کیلئے تجویز کئے گئے تھے اور آجکل مہذب اقوام کے لئے وہ موزوں نہیں بہر حال ان مہذبوں سے جو آجکل شراب خوری سے تباہ ہو رہے ہیں یہ وحشی قوم ہی اچھی رہی افسوس ہے کہ لوگ واقعات کی بناء پر نتائج پیدا نہیں کرتے بلکہ جو ایک خیال دل میں بیٹھ گیا ہے اسی کی پیروی کرتے ہیں کوئی پاکیزگی اس پاکیزگی کے برابر نہیں جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے مگر اس حقیقی پاکیزگی کو نفسانیت کہا جاتا ہے حالانکہ اس شہوانیت کو جس کی طرف شراب خوری انسانوں کو لے جا رہی ہے پاکیزگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے شراب ہی وہ چیز ہے جو

انسان کے نفسانی جذبات کو جوش میں لاتی ہے اسی شراب خوری کی علت کو اسلام نے جڑ سے کاٹ کر انسانوں کو حیوانی جذبات سے آزاد کر دیا ہے ابھی تک دنیا اس حقیقی نور سے بے خبر ہے مگر وہ زمانہ بہت قریب آیا جاتا ہے کہ جب دنیا کی آنکھیں اس نور کے دیکھنے کے لئے کھولی جائیں گی اور جب اسلام کے اصول دنیا کو معلوم ہوں گے تب سمجھ میں آئے گا کہ وہ پاکیزگی ان لوگوں کے وہم و گمان سے بھی بدتر ہے جو اسلام سکھاتا ہے۔

حرمت سود کی وجہ: سود کی ایک کثیر الوقوع صورت یہ ہے کہ مقروض نے جتنا قرض لیا ہے اس سے زیادہ دیا بجز کو ادا کرے یہ حرام اور باطل ہے کیونکہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرض اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا ایفاء نہ کرنے سے دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اس میں جھگڑوں اور عام خصومتوں کا گمان غالب ہے اور جب کہ مال کے بڑھانے کا اس طرح طریقہ ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی اسلئے اس پیشہ کو حرام ٹھہرایا گیا۔ عن ابن مسعودؓ قال لعن رسول ﷺ اكل الربرا و موكله وشاهديه و كاتبه (مسلم وترمذی شریف) ترجمہ۔ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے بیاج لینے والے اور دینے والے اور سود کا معاہدہ لکھنے والے اور سود کے گواہوں سب پر لعنت فرمائی ہے اور خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ یاایها الذین امنو اتقوالله وذروا ما بقى من الربوان كنتم مومنين فان لم تفعلو فاذنوابحرب من الله ورسوله ترجمہ۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو سود رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے اور سود لینے اور دینے سے باز نہیں آتے ہو تو تم کو خدا اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور دینے کی ممانعت اسلئے ہے کہ اگر سود دینے والے ہی نہ ہوں یعنی سود پر قرض کوئی نہ لے تو پھر سود خوار بھی کوئی نہ رہے بلکہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی ہو جائے پس اس اعتبار خاص سے یہ زیادہ تر گناہ ان لوگوں کا ہے جو

سود کے دینے کے معاہدہ پر قرض لیتے اور پھر سود کھاتے، اسے لوگوں سے قرض لیتے ہیں جن
قرضوں کا نتیجہ سود خوری کا خاتمہ ہوتا ہے تجارت و کاروبار محدود ہو گئیں۔ آخر کار ان کے تمام سود سے کچھ بھی
پھر ان کی کسی صنعت نہیں ہے جس ملک میں جاتے ہیں ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ انھیں وہ
کاروبار کو گھٹانا پڑتا ہے، ملکی چیز کی بجائے یہ سود خوار قوم ہے۔ جب لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پنجے سے
چھٹکارا انہیں ہو سکتا تو اپنے بادشاہوں کے پاس شکایتیں لکھاتے ہیں اور پھر انہیں حکم ہوتا ہے کہ
اس ملک سے نکل جاؤ۔

نیز سود خواروں کے اخلاق بہت برے ہوتے ہیں۔ ایک شخص حکایت کرتے تھے کہ میں نے ایک
فقیر دیکھا ایک سود خوار سے۔ ذرا سی قرض لینے لگا۔ پانچ روپے میں دس دن کا گھر میرے پاس
رہے تو سو روپے میں سو روپیہ سود 1/4 ایک ہو جاتا۔ لکھنؤ میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سود سے
تباہ ہوئی۔ پہلے تو مباشرت پر انگریزی نوٹوں کے بدلے میں گئے پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ
رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت برباد ہو گئی۔ بعض نا سمجھ لوگ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر کام نہیں
چل سکتا حالانکہ بارہ سو برس کا بارہ سو برس میں نے اسلئے کہا کہ تیرہویں صدی میں مسلمانوں نے
سود لینا دینا شروع کر دیا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ بغیر سود کے سب کام چل سکتے ہیں اور بعض صورتیں
سود کی اور بھی ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں انکی تحریم کی علت ذرا غامض ہے جس کا سمجھنا مشکل
ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

حرمت سود پر دلائل قویہ قرآن شریف کی وہ آیت جس میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے : دوسری آیت جس میں سود خواری کی حرمت اس سے بھی زیادہ زور دار
الفاظ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان
کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رءوس
اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا

قوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (بقرہ) یعنی اے مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کیلئے ہوشیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تم کو پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگ دست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو۔ اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ اور زیادہ بہتر ہے کہ اسکو خود ہی معاف کر دو۔

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ: کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اس لئے مشروع ہے کہ اس فعل سے انسان جملہ امراض متعدیہ سے محفوظ و مصئون رہتا ہے کیونکہ اجرام موذیہ جو کہ موروث امراض متعدیہ ہوتے ہیں وہ ہاتھ دھونے سے اتر جاتے ہیں اور انسان کے اندر نہیں داخل ہوتے۔

کتاب الجنایات والحدود

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد:۔ واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے محض بنی نوع کی خاطر بآرام و امن زندگی بسر کرنے کیلئے کچھ ایسے قوانین اور احکام مقرر فرمائے جو بنی آدم کے پیش نظر رہنے سے وہ ایک دوسرے پر ظلم و تعدی نہ کر سکیں اور جو کوئی ان قوانین کا نقض کرے اسکی سزا دہی کے مشاہدہ سے باقیوں کیلئے عبرت ہو۔

زانی محصن وغیر محصن کی سزا میں فرق کی وجہ: محصن کی حد سنگساری اور غیر محصن کی حد درے لگانا ہے اور محصن وہ ہے جس میں یہ صفات ہوں۔ آزاد مسلمان عاقل بالغ۔ اس نے کسی عورت سے صحیح نکاح کیا ہوا اس سے ہمبستر بھی ہوا ہو اور وہ عورت بھی انہیں صفات سے موصوف ہو اور رجم میں ان شرائط کا ہونا اسلئے مقرر ہوا کہ رجم سزائے شدید ہے اور ان صفات میں نعمت مزید ہے چنانچہ ظاہر ہے تو جنا کل نعم یعنی بڑی نعمتوں کے ساتھ جرم کا ارتکاب عقوبت شدیدہ کا

موجب ہونا چاہیے دوسرے یہ کہ امور خاص طور پر زنا سے مانع ہیں چنانچہ عقل کا مانع ہونا کون نہیں جانتا اسی طرح بلوغ سے عقل کا کمال ہوتا ہے اسلام خود فواحش سے زجر ہے یعنی بے حیائی کے کاموں سے روکنے والا ہے آزاد آدمی نکاح صحیح پر اپنے اختیار سے قادر ہے اور وطی سے سیری ہو جاتی ہے اور حلال سے سیر ہو جانا حرام سے خود مانع ہے جو مرغوب ہو اور یہ صفات رغبت کی کمل ہیں۔ کیونکہ مجنونہ کی صحبت سے نفرت ظاہر ہے اور نابالغہ کو چونکہ خود رغبت کم ہوتی ہے اسلئے اسکی طرف مرد کو بھی کم رغبت ہوتی ہے اور مملوکہ کی صحبت میں اسلئے بے رغبتی ہوتی ہے کہ اندیشہ اولاد کے غلام ہونے کا ہوتا ہے اور کافر عورت سے بھی بوجہ اختلاف دین کے رغبت کم ہوتی ہے۔ اور جانبین میں ان صفات کے ہونے سے نعمت اور رغبت منکوحہ کامل ہے اور دونوں بالغ قوی ہیں ارتکاب جرم سے پھر بھی ارتکاب کرنا موجب ہوگا عقوبت شدیدہ کا اور وہ رجم ہے اور ان صفات کے نہ ہونے سے موانع اتنے قوی نہیں گو موانع اس وقت ہیں۔ کیا اسلام اور عقل وبلوغ مانع نہیں ہیں موانع کے ہونے کے سبب تو عقوبت مشروع ہوئی اور ان کے اس درجہ قوی نہ ہونے سے وہ عقوبت خفیف ہوئی اور وہ درے لگنا ہے۔ (من الہدایہ ملخصاً)

چوری کی سزا میں چور کے ہاتھ کاٹنے اور زنا کی سزا میں شرمگاہ نہ کاٹنے کی

وجہ: چوری کی سزا میں چور کا ہاتھ کاٹنا اور زنا کی سزا میں زانی کی شرمگاہ نہ کاٹنا خدا تعالیٰ کی نہایت حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور اسکی رحمت اور اسکی مخلوق کی مصلحت میں جائز نہیں ہے۔ کہ ہر مجرم کا وہی عضو کاٹا جائے جس سے اس نے گناہ کیا ہو کیونکہ اس طرح ہر ایک بد نظر کی آنکھ نکالی جاتی اور بری بات کے سننے والے کے کان کاٹے جاتے اور ہر بد زبانی کرنے والے کی زبان کاٹنی پڑتی اور ہر ایک ظلم سے طمانچہ مارنے والے کے ہاتھ کاٹے جاتے۔ اور اس طرح کی سزا میں جو زیادتی و تجاوز کرنا پڑتا وہ پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اس میں عدم لحاظ مراتب ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اسکی صفات عالیہ اور اسکے افعال حمیدہ اس امر کو نہیں

چاہئے کیونکہ حد مقرر کرنا محض امن ہی کیلئے نہیں ہے ورنہ اگر اس امر کا ارادہ ہوتا تو مجرم کو قتل کرنا ہی لازم ہوتا حد مقرر کرنے سے مقصود خود مرتکب کو گناہ پر توبیخ و زجر کرنا اور سزا دینا اور آئندہ کیلئے عبرت دلانا منظور ہے اور دوسرے آدمی ایک کی سزا سے عبرت پکڑیں اور نیز یہ بھی کہ مجرم عذاب و سزا سے خالص توبہ کی طرف رجوع کرے اور یہ بھی کہ حد کی سزا سے انسان کو عذاب آخرت یاد آجاوے اور مصالح بنی آدم کو سمجھ کر بھی آئندہ بدیوں سے باز آجاوے اور یہ مصالح قطع اعضاء کو مقتضی نہیں مطلق سزا کو مقتضی ہیں پھر یہ بات کہ چور کیلئے قطع ید کیوں تجویز کیا سو اس میں ایک اور بات ہے۔ وہ یہ کہ چور چوری پوشیدہ طور پر کرتا ہے۔ جیسا کہ سرقہ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کی طرف چوری سے دیکھتا ہے جب کہ وہ اسکو خفیہ نظر سے دیکھتا ہو اور نہ چاہتا ہو کہ اسکو کوئی معلوم کرے۔ سو چوری کا کرنیوالا پوشیدہ اور خائف رہتا ہے کہ مبادا اس سے کوئی واقف ہو تو ماخوذ ہو جائے اور جب وہ کوئی چیز اٹھاتا ہے تو اپنے آپکو چھڑانے کیلئے بھاگنا اختیار کرتا ہے اور اس بھاگنے میں قوت ہاتھوں اور پاؤں سے ہوتی ہے کیونکہ دونوں ہاتھ انسان کیلئے ایسے ہیں کہ جیسا پرندہ کیلئے اڑنے کے دو بازو ہوتے ہیں۔ اور پاؤں کا دخل بھاگنے میں ظاہر ہے پس چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا اس کی بازوئے قوت کو کوتاہ کرنے اور دوبارہ چوری کرے تو اسکو بآسانی پکڑنے کیلئے ہے۔ جب پہلی دفعہ چوری کرے تو اسکا ایک بازو کاٹا جائے تاکہ اسکی دوڑ دھوپ میں کمزوری واقع ہو جائے پھر دوسری دفعہ چوری کرے تو اسکا ایک پاؤں قطع کیا جاوے تاکہ اسے بھاگنے میں زیادہ کمزوری ہو جاوے اور کوئی بھی اسکو بھاگنے نہ دے۔ اور اس کے بعد تیسری چوتھی بار میں چوری کرنا اس کا نادر ہے اسطرح پھر قطع سزا میں تجویز نہیں کیا گیا۔ اگر نادراً ایسا کرے محبوس کیا جاوے تاکہ لوگ اسکے دکھ سے آرام پائیں۔

اور زانی کی شرمگاہ سزا میں اس لئے نہیں قطع کی جاتی کہ زانی تو سارے بدن کے ساتھ زنا کرتا ہے اور تمام بدن سے لذت لیتا اور قضائے شہوت کرتا ہے اور زنا کا فعل اکثر زانیہ کی مرضی و رضا پر بھی ہوتا ہے وہ اس امر سے نہیں ڈرتا جس سے چور ڈرتا ہے یعنی طلب کرنے اور ڈھونڈنے سے۔ اس

لئے زنا میں غیر محصن تو سارے بدن کو درے لگانے اور محصن کو تمام بدن کے سنگسار کرنے کی سزا دی جاتی ہے۔ باقی یہ کہ اس میں سنگساری تجویز کی گئی ہے صرف دروں پر کفایت کی جاتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ زنا سے نسب ملجاتے ہیں اور نسب ملجانے سے تعارف وشناخت اور دین کے زندہ کرنے کی امداد باطل ہو جاتی ہے اور اس میں ہلاکت کشت وتباہی نسل انسانی لازم آتی ہے پس زنا اکثر امور میں قتل سے مشابہت رکھتا ہے لہذا اسکی بعض صورتوں میں قصاص سے توبیخ و تنبیہ کی گئی تاکہ ایسا فعل کرنے سے اور لوگ رک جائیں اور دنیا میں امن واصلاح ہو کیونکہ صلاح سے انسان عبادات الہی کی طرف رغبت کرتے ہیں اور عبادات الہی نعمائے اخروی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

نیز زانی کی شرمگاہ کو قطع کرنے میں اسکو آئندہ نسل سے محروم ٹھہرانا لازم آتا ہے اور یہ امر خدا تعالی کی حکمت و مصلحت کے برخلاف ہے کیونکہ خدا تعالی چاہتا ہے کہ لوگوں کی اولاد و ذریت انکی عورات سے بکثرت پیدا ہو اور قطع شرمگاہ سے قطع نسل لازم آتا ہے لہذا یہ امر مشروع نہ ہوا۔

نیز زانی کی شرمگاہ قطع کرنے میں بے حرمتی بھی ہے اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سارے بدن سے جرم زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر سارے جسم کو چھوڑ کر ایک عضو کو سزا دینا خلاف عدم مقتضا عدل اس امر کا مقتضی ہوا کہ زانی کے سارے جسم کو سزا دیجائے۔

شراب خوری زنا لواطت سرقہ میں کفارہ مقرر نہ ہونے کی وجہ: حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ما کان من المعاصی محرم الجنس کالظلم والفواحش فان الشارع لم یشرع له کفارة لهذا الا کفارة فی الزنا وشرب الخمر وقذف المحصنات والسرقة ولیس ذلک تخفیفا من مرتکبها بل لان الکفارة لا تعمل فی هذہ الجنس من المعاصی وانما عملها فیما کان مباحانی الاصل وحرم لعارض

کالوطی فی الصیام والاحرام. ترجمہ۔ جو گناہ حرام کی جنس سے ہوں مثلاً ظلم اور امور فاحشہ انکے لئے شارع نے کوئی کفارہ مقرر و مشروع نہیں فرمایا اس لئے زنا شراب خوری محصنہ عورتوں کو تہمت لگانے اور چوری کرنے میں کوئی کفارہ مشروع نہیں ہوا اور ان گناہوں کا کفارہ مشروع نہ ہونا ان کے ارتکاب کرنے والوں سے تخفیف نہیں ہے بلحہ ان میں کفارہ اسلئے مشروع نہیں ہوا کہ اس جنس کے گناہوں میں کفارہ اثر نہیں کرتا کفارہ کا اثر وہاں ہے کہ جو امر دراصل مباح ہو اور کسی عارضی سبب سے حرام ہو جاوے مثلاً ماہ رمضان و حالت احرام میں جماع کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے مگر اور عنوان صدر کے گناہ فی نفسہ کبائر اور بڑے سخت گناہ ہیں اس لئے ان میں سزا ہی ہے کفارہ نہیں۔

حالت حیض میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اور عورت کی دبر میں جماع کرنے سے عدم کفارہ کا راز

عن ابن مسعودؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی الذی یاتی امراۃ وھی حائض قال یتصدق بدنیار اوبنصف دینار۔ ترجمہ اس شخص کے حق میں جو اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کرے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک دینار یا آدھا دینار بطور کفارہ صدقہ دیدے (ابن ماجہ) ہم قبل ازیں اوپر لکھ چکے ہیں کہ وہ امور جو دراصل مباح ہیں مگر کسی عارضی امر سے حرام ہو جاویں ان کا ارتکاب ایسی عارضی حالت میں موجب کفارہ ہے سو حالت حیض میں جماع کا حرام ہونا عارض حیض سے ہے لہذا اس میں کفارہ مقرر ہوا اور یہ امر موافق ہی سے ہے اور دبر میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اس لئے مقرر نہیں ہوا کہ یہ امر کبھی مباح نہیں ہوا۔ پس کفارات میں شارع کا یہی طریق ہے کہ جو امور مباح ہیں اور کسی عارضی امر سے حرام ہو جائیں ان میں کفارات نہیں اور جو امر مدام حرام ہیں ان میں حدود و تعزیرات ہیں اور یہ امر نہایت مطابق حکمت و مصلحت کے ہے۔

قتل میں دو گواہ اور زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے کی وجہ

قتل میں دو گواہ پر

اکتفا کرنا اور زنا میں چار گواہ مانگنا نہایت حکمت و مصلحت الہی پر مبنی ہے کیونکہ شارع کا مقصود قصاص وحد زنا میں احتیاط کرنا ہے سو قتل میں تو وہ احتیاط یہ ہوئی کہ اگر قتل میں چار گواہ مطلوب ہوتے تو خونریزیاں بکثرت ہوتیں اور لوگ قتل میں زیادہ دلیر ہوتے اور اکثر مقتولوں کے قاتل قصاص سے بچ کر زیادہ خونریزی کا باعث ہوتے اور زنا میں وہ احتیاط یہ ہوئی کہ زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے میں اس امر کی زیادہ پردہ پوشی ہے پس زنا کے متعلق ایسے چار گواہ مطلوب ہوئے جو فعل زنا و چشم دید واقعہ زنا ایسے طور سے بیان کریں جس میں احتمال و گمان کا شائبہ نہ ہو ایسا ہی اقرار زنا میں چار بار سے کم اقرار پر اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ اسمیں بھی اس امر کی پردہ پوشی میں مبالغہ ہے جس کا اظہار کرنا خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے چنانچہ اس امر شنیع و قبیح کی مومنوں میں اشاعت کرنے والے کے لئے خدا تعالیٰ دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا ہونا قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے۔

شراب کا ایک قطرہ پینے سے وجوب حد اور کئی سیر بول پینے و گندگی کھانے سے عدم وجوب کی وجہ

:(۱) یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں سے اور مطابق عقول سلیمہ اور موافق مصالح عامہ کے ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں بول پینے و گندگی کھانے سے جبلی و طبعی نفرت و کراہت رکھی ہے اور یہ طبعی نفرت ہی انسان کو ایسے امور پر اقدام کرنے سے روکنے میں کافی و وافی ہے لہذا اس میں حد کی ضرورت نہ ہوئی اور شراب پینے کے لئے طبیعتوں کے زیادہ تر خواہشمند ہونے سے ان کے لئے سخت سزا کا مقرر کرنا مناسب ہوا تاکہ کم اور بیش ہر مقدار کے شراب پینے سے لوگ رک جائیں یہی وجہ ہے کہ تھوڑی سی شراب پینے سے بھی اگرچہ وہ نشہ آور نہ ہو حد مقرر ہوئی کیونکہ تھوڑا سا شراب پینا بہت کی طرف داعی ہے۔

(۲) شراب پینے سے جو فساد و ضرر لازم و متعدی ہوتے ہیں وہ بول پینے و گندگی کھانے کی بہ نسبت کئی چند زیادہ ہے لیکن بول پینے یا گندگی کھانے کی مضرت اسی شخص تک محدود رہتی ہے جو پیتا یا کھاتا ہے اور وہ بھی اتنی شدید نہیں جس قدر شراب میں بوجہ زوال عقل شدید ہے۔

حکمت حدود و کفارات : حدود و کفارے سے اس لئے بھی مقرر ہوئے کہ گناہوں پر زجرو تو بیخ لوگوں کو ہوتی رہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لیذوق وبال امرہ. ترجمہ یعنی تا کہ اپنے کیے کا مزہ چکھے اگر حدود مقرر نہ ہوتے تو سرکش لوگ شرارتوں سے باز نہ آتے اور سرکشی میں بڑھتے۔ کفارات بھی اسی امر کیلئے ٹھہرائے گئے ہیں اور کچھ مصالح حدود کے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

وجہ قصاص : قصاص قتل و جنگ و فساد کو باز رکھنے کیلئے قرار دیا گیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب. ترجمہ۔ یعنی اے عقلمندو قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔

حرمت قتل کی وجہ : اگر باہمی لڑائیاں لوگوں میں رہیں تو آبادیاں اور شہر خراب اور ویران ہو جائیں اور تمام امور معاش میں خلل پڑ جائے اور تمدنی زندگی میں خطرناک تباہیاں و بربادیاں ظاہر ہوں اس واسطے قتل حرام ہوا۔ پس قتل اگر تجویز ہوگا تو کسی بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز ہوگا اور قتل کے علاوہ بھی دوسرے اسباب بھی ہلاک کیلئے اختیار کئے جاتے ہیں وہ بھی مثل قتل ہی کے حرام ہیں۔ مثلاً بھی لوگوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ و فکر ہوتا ہے اس لئے کھانے میں زہر ملا دیتے ہیں یا جادو سے قتل کر ڈالتے ہیں یہ بھی قتل کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے نجات بھی ممکن ہے لیکن اس سے تو بچنا مشکل ہے سوایسے امور بھی خرابی تمدن کے سبب اور پبلک میں خلل انداز ہونے کی وجہ سے حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔

حرمت سرقہ کی وجہ : معاش کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے یہ قرار دیئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں اس میں مویشی چرائیں کھیتی باڑی زراعت تجارت سے معاش پیدا کریں اور اطمینان معاش کے اعانت سے شہروں و دیہات میں مذہب کا انتظام کریں

اس وجہ سے لازم ہوتا کہ چوری اور غصب سے پرہیز کریں کیونکہ یہ ایسے امور ہیں کہ ان سے تمدن میں خلل آتا ہے اور یہ اس عالم میں اختلال کی صورت ہے اس لئے یہ امور خداتعالیٰ کو پسند نہیں۔

حرمت زنا کی وجہ :(۱) فاسق وفاجر کا دل کو اگر جانچا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ تدبیر نافعہ کے تو معتقد ہیں لیکن ان پر نفسانی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں جو ان سے نافرمانیاں کرالیتی ہیں وہ خود خوب جانتے ہیں کہ ہم گناہگار ہیں اور لوگوں کی بہو بیٹیوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی انکی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصہ سے کانپنے لگتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے اور ایسے اثروں کا ہونا انتظام تمدن کیلئے سخت مضر ہے لیکن باوجود اس جاننے کے خواہشات نفسانیہ انکو اندھا کر دیتی ہیں اور راز اس وجدانی اثر کا یہ ہے کہ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ دخل مردوں کو ہوتا ہے اس واسطے بالہام الٰہی ان میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی دوسرے سے مخصوص ہو اس میں دوسرا شخص کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے اور زنا کی اصل بھی مزاحمت ہے اسلئے یہ خیال اور یہ اثر ہر شخص کا فطری اور وجدانی ہو گیا ہے پس ایک سبب تو حرمت زنا کا یہ امر فطری ہے اور دوسرا سبب ایک مصلحت عقلی ہے وہ یہ کہ زنا سے خلط نسب ہو جاتا ہے۔ اور نیز وہ قتل اور فساد کا منبع ہے اس لئے بھی یہ طریق نہایت قبیح اور برا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ اسکے منع کرنے میں فرماتا ہے۔ **لا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا.** ترجمہ: یعنی ان اسباب کے نزدیک بھی نہ جاؤ جن سے زنا تک نوبت پہنچے کیونکہ زنا بے حیائی کا کام اور برا طریق ہے کیونکہ اگر یہ راہ نکلے تو مفاسد غیر محدودہ جو کہ عظیم ہیں لازم آئیں اور اسباب کے نزدیک نہ جانے کا یہ مطلب ہے کہ بیگانہ عورت کو تاڑو نہ دیکھو اور نہ اس کے حسن و جمال کی باتیں سنو جن کو دیکھ کر یا سن کر تمہارے خیالات زنا کی طرف برانگیختہ ہوں اور جن سے زنا تک نوبت پہنچے۔

حرمت لواطت کی وجہ : اس عادت سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے اس طریق سے گویا

انسان نظام الٰہی کو بگاڑ کر اس کے مخالف طریقے سے قضائے حاجت کرتا ہے اسی وجہ سے ان افعال کا مادہ بد مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے فاسق فاجر ایسے افعال کرتے ہیں لیکن ان کے جواز کا اقرار نہیں کرتے اگر ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کی جائے تو شرم وحیا سے مر جانا گوارا کرتے ہیں ہاں جو صحیح فطرت سے جدا ہو گئے ہوں تو ان کو پھر کسی کی حیا باقی نہیں رہتی اور وہ علاوہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔

حد، تعزیر، کفارہ میں کیا فرق ہے: حد عربی لفظ ہے اس کے معنی باز رکھنے اور اندازہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں کسی گناہ کی سزا دینے کا جو اندازہ خدا نے اس طرح مقرر ومعین کر دیا کہ اس میں کسی کی رائے سے کمی وبیشی نہیں ہو سکتی اس کو حد کہتے ہیں مثلاً محصن زانی کو سنگسار کرنا وغیرہ محصن کو درے لگانا اور چور کے ہاتھ کاٹنا وغیرہ

اور تعزیر وہ ہے کہ جس گناہ کی سزا میں خدا تعالیٰ نے کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ اسکی سزا حسب حال زمان ومکان حکام کی رائے پر چھوڑ دی گئی ہے۔ البتہ اس کیلئے کچھ کلیات بتلا دیئے ہیں کہ انکی حق تلفی جائز نہیں لغت میں تعزیر کے معنی ادب دینا تعظیم کرنا آئے ہیں سو یہ امر بھی خدا تعالیٰ کے احکام کی عزت وتعظیم کیلئے قائم کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں احکام الٰہی کی عزت وشوکت قائم رہے اور انکی ہتک عزت نہ ہو اور یہ دونوں افعال غیر مباحہ کی سزا میں مقرر ہوئے ہیں۔

اور کفارہ وہ ہے جو ایسے امور میں بطور بدلہ وتاوان کے مقرر ہو جو اصل میں مباح ہوں مگر کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائیں مثلاً ماہ رمضان اور حالت احرام میں جماع کرنا کہ اول کا کفارہ یہ ہے کہ ایک روزے کے بدلے پے در پے دو ماہ روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلا دے اور ثانی کا کفارہ قربانی دینا ہے اعلام الموقعین میں لکھا ہے۔ واما التعزیر ففی کل معصیة لاحد فیها ولا کفارة فان المعاصی ثلثة انواع نوع فیه الحدر کفارة فیه ونوع فیه

الکفارة ولا حد فيه ونوع لا حد فيه ولا كفارة فالاول كالسرقة والزنا والقذف والثاني كالوطي في نهار رمضان والوطي في الاحرام والثالث قبلة الاجنبية والخلوة بها ودخول الحمام بغير مئزر واكل الميتة والدم ولحم الخنزير ونحو ذلك فاما النوع الاول فالحد فيه مغن عن التعزير واما الثاني فهل يجب مع الكفارة فيه تعزير ام لا على قولين واما الثالث ففيه التعزير قولاً واحداً۔ ترجمہ: تعزیر ان گناہوں میں مشروع ہے جن میں کوئی حد اور کفارہ نہیں ہے کیونکہ گناہ کے تین اقسام ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جس میں حد مقرر ہے اور کفارہ ان میں مقرر نہیں ہے اور ایک وہ قسم ہے جس میں کفارہ ہے اور حد مقرر نہیں ہے اور ایک وہ قسم ہے جس میں نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ کفارہ ہے پہلی قسم جیسے چوری زنا، تہمت لگانا۔ ان میں حد مقرر ہے اور دوسری قسم یعنی وہ جس میں صرف کفارہ مقرر ہے حد نہیں جیسے ماہ رمضان کے دن میں یا حالت احرام میں جماع کرنا اور تیسری قسم یعنی وہ جس میں نہ کوئی حد ہے اور نہ کفارہ ہے صرف تعزیر ہے جیسے اجنبی عورت کا بوسہ لینا اور اس کے ساتھ علیحدہ مکان میں بیٹھنا اور حمام میں بغیر ازار کے داخل ہونا اور مردار گوشت خوک کھانا وغیرہ سو پہلی نوع میں حد ہی تعزیر کی جگہ کافی ہے اور دوسری میں آیا کفارہ کے ساتھ تعزیر بھی واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ اور تیسری میں محض تعزیر ہے بلا اختلاف۔

وجہ حرمت وعدہ شکنی: عہد شکنی اس لئے حرام ہے کہ جس انسان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے وعدہ شکنی سے اسکو ضرر و تکلیف پہنچتی ہے اس کو وعدہ کنندہ پر اعتبار و انتظار سا رہتا ہے جب وعدہ کنندہ بیہودہ دانستہ کسی کو ضرر و تکلیف پہنچانے کی غرض سے ناحق وعدہ توڑتا ہے تو خطیرۃ القدس سے اس پر لعنت الٰہی برستی اور ملائکہ رحمت کی توجہ اس سے برگشتہ ہو جاتی ہے اور ملال و حزن کی صورتیں اس کے واسطے ہو جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ خداتعالیٰ نے اوفوا بالعقود کا امر فرمایا ہے تاکہ انسان نقض عہد کی وجہ سے مستحق لعنت نہ بنے۔

داڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانے کی وجہ: داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے چھوٹے بڑے کی تمیز ہو سکتی ہے اور مردوں کیلئے ایک قسم کا جمال اور انکی شکل کو پورا کرنے والی ہے اس واسطے اس کا ہونا ضروری ہوا اور اسکا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الٰہی کی تغیر بھی پائی جاتی ہے داڑھی ترشوانے کی وجہ سے بڑے بڑے سردار اور خاندانی لوگ رذیلوں میں شمار ہو جاتے ہیں تمام انبیاء صلحاء داڑھی رکھتے آئے ہیں اگر داڑھی منڈوانے میں کوئی مصلحت اور فائدہ ہوتا تو وہ سب سے پہلے منڈواتے کیونکہ ایسے لوگ تمام دنیا کیلئے بہتری وبھلائی کا نمونہ بن کر آیا کرتے ہیں اور مونچھیں کٹوانے کی وجہ یہ ہے کہ جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں جب وہ کھاتا یا پیتا ہے اس میں بھر جاتی ہیں اور میل کچیل میں آلودہ رہتی ہیں نیز یہ بھی مجوس کا طریقہ ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ خالفوا المشرکین قصوا الشوارب واعفوا اللحی یعنی مشرکوں کی مخالفت کرو مونچھیں ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

عقوق والدین کی حرام ہونے کیوجہ: والدین اولاد کی تربیت میں ایسے ایسے شدائد جھیلتے اور انکی پرورش میں تکلیفیں اور مشقتیں اپنی جانوں پر برداشت کرتے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں اسلئے والدین کی خدمت گذاری کرنا لازمی طریقہ قرار دیا گیا۔

شطرنج بازی' کبوتر بٹیر بازی' پتنگ بازی' آتش بازی وغیرہ کی حرمت کی

وجہ: بعض لوگ غم غلط کرنے والی چیزوں میں مشغول ہو جاتے ہیں یہ ایسی چیزیں ہیں جنکی وجہ سے دنیا و آخرت کی ضروریات سے بے فکری ہو جاتی ہے اور اوقات ان میں ضائع ہو جاتے ہیں جیسے شطرنج اور کبوتر بازی اور بٹیر بازی اور دیگر جانوروں کا لڑانا وغیرہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو پھر اس کو کھانے اور پینے اور ضروریات کی خبر نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات پیشاب روکے بیٹھا رہتا ہے وہ وہاں سے نہیں نکلتا پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہنے کا دستور عام

ہو جاتے تو یہ لوگ نماز وغیرہ بھی چھوڑ جائیں اور اپنی اور اپنی جان کی انکو خبر نہ رہے۔ اسی لئے ان مشاغل سے منع کردیا گیا چنانچہ ایک بار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو ایک کبوتر کے پیچھے جاتے دیکھا تو فرمایا کہ ایک شیطان ہے جو کہ ایک شیطان کے پیچھے جاتا ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ شطرنج کے بارہ میں روایات موجود ہیں۔ اور ایسے ہی مفاسد جن جن امور میں ہوں وہ سب بھی اس حکم میں شریک ہوں گے۔

مردوں کو سونا اور ریشم پہننے کے ممنوع ہونے کی وجہ (۱) سونا ایک ایسی چیز ہے جس پر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں اگر ایسے ہی اغراض سے سونے کے زیور پہننے کا عام دستور جاری ہو جاوے کہ مرد اور عورت سب کو عام ہو جاوے تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے بخلاف چاندی کے کہ اس میں مردوں کو صرف انگشتری کی اجازت دینے سے یہ مفسدہ لازم نہیں آتا۔ رہی یہ بات کہ عورتوں کو کیوں اجازت ہوئی۔ سو اصل یہ ہے کہ عورتوں کو آرائش کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ انکے خاوندوں کو رغبت ہو۔ یہی سبب ہے کہ تمام عرب و عجم میں با نسبت مردوں کے عورتوں کی آرائش کا زیادہ تر دستور ہے اس لئے ضروری ہوا کہ عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ زینت کی اجازت دی جائے لہذا آنحضرت ﷺ نے مع اظہار اس فرق کے فرمایا ہے احل الذهب والحرير لأناث امتي وحرم على ذكورها۔ یعنی سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال کیا گیا ہے اور مردوں پر حرام کیا گیا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں آنحضرت ﷺ نے سونے کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا تم میں سے جو شخص آگ کا انگارا چاہے وہ اسکو اپنے ہاتھ میں لے اور حریر کے متعلق فرمایا من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه يوم القيمة یعنی جس نے دنیا میں حریر پہنا تو وہ قیامت کے دن اسکو نہ پہنے گا۔ یہ تو پہننے کے متعلق تھا باقی اور طرق استعمال میں مرد اور عورت اور چاندی سونا سب برابر ہیں چنانچہ سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پینا آپ نے فرمایا۔ لا تشربوا في آنية الذهب

والفضة ولا تاکلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الاخرة۔ ترجمہ۔ سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور انکی رکابی میں کھانے کو نہ کھاؤ کیونکہ یہ ان کیلئے تو دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔ (۲) عورتوں کے ساتھ تشبیہ سے مردوں کو تمیز کرنا ضروری تھا لہذا سونا چاندی اور ریشم پہننا بالعموم عورتوں کیلئے مخصوص ہوا اور بہ تقاضائے حکمت یہی مردوں کیلئے حرام ہوا اسی امر کی طرف حضرت ابن قیم ارشاد فرماتے ہیں۔

بتحریم الذهب والحریر علی الرجال حرم الله ذریعته التشبیه بالنساء الملعون فاعله یعنی سونا اور ریشم کو مردوں پر حرام کر دینے سے معلوم ہوا مشابہت کرنے کے ذریعہ کو حرام فرما دیا ہے جس کے فاعل پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ (۳) نیز انتہائی عیش پسندی ناپسند ہے حریر کا لباس پہننا اور سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا ایسے امور ہیں کہ انسان کو اسفل السافلین میں گرا دیتے ہیں یعنی نہایت پستی میں اور فکروں کو تاریک خیالات کی طرف دیتے ہیں غرض یہ تو معلوم ہوا کہ نہایت درجہ کی عیش پسندی خراب امر ہے لیکن وہ کوئی باقاعدہ منضبط امر نہیں جیسے مواقع ظاہری نشانوں سے ایسے متمیز ہوں جنکی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ سے باز پرس کر سکیں چنانچہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یکساں نہیں ہوا کرتی بعض لوگوں کے سامان عیش اوروں کی نظر میں تنگی عیش ہوتی ہے اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شے جید ہوتی ہے اوروں کی نظر میں وہی نہایت ناقص ہوا کرتی ہے اس وجہ سے شرع نے جب عیش پسندی کی خوبیاں بیان کیں تو ان اشیاء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کیلئے متمتع ہوا کرتے ہیں اور ان سے لوگوں میں عیش حاصل کرنے کی عادت شائع ہو گئی ہے اور شرع نے عجمی اور رومی لوگوں کو ان اشیاء پر متفق پایا تھا اس واسطے شرع نے کمال عیش و آرام کے مواقع ان خاص امور کو قرار دے کر ان کو حرام کر دیا اور طریق قدرت جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں انکی عادت ہے ان پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا اس لئے حریر اور سونے چاندی کے برتن محرم ابواب سے شمار کئے گئے اور ان پر وعید بھی ارشاد فرمائی گئی

چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ لا تاکلوا فی آنیة الذھب والفضة ولا تشربوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الآخرة اور فرمایا الذی یشرب فی آنیة ذھب والفضة انما یجرجر فی بطنه نار جهنم ترجمہ: تم لوگ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا نہ کھاؤ اور نہ چاندی سونے کے پیالوں میں پیو کیونکہ یہ برتن کافروں (اہل اسلام کے سوا) کیلئے دنیا میں ہیں اور تم کو آخرت میں ملیں گے جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پیتا ہے اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے اور یہ حرمت کھانے پینے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ سارے ظروف و نفع کو شامل ہے جیسا خیال نہیں ہے کہ چاندی اور سونے کے برتن کے ساتھ غسل یا وضو کرنے سے پانی نہ کیا جائے۔ برتنے والی ہاتھ ہے۔ اور اسی تقریر سے غیر اہل اسلام کے ساتھ لباس وغیرہ میں تشبہ کرنے کی ممانعت معلوم ہوگئی ہوگی کیونکہ مقصود یہ ہے کہ ان کے اوضاع و اطوار سے اپنی وضع سابق قطع ہو جانے کا زمانہ ہوتے دیکھنے سے طبعاً مشکل ہوتا ہے۔

تصویر رکھنے کی ممانعت کی وجہ: اس سے بت پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے (حجة اللہ) یعنی جب اسکی عام عادت ہو جاوے گی اور عام شخص ہر طرف سے ڈٹ جاتے ادھر دیکھنے والے مختلف قسم کے ہوتے ہیں تو ضرور کسی نہ کسی وقت اس میں مفسدہ پیدا ہوگا جیسا پہلے ہو چکا کہ تصاویر بنانے والوں نے پرستش نہیں کی تھی بعد لوگوں کی وہ عادت ہوئی تھی پھر آخر اسکی نوبت پہنچی اس وقت دیکھئے کہ باوجود علوم قدیمہ و علوم جدیدہ کی روشنی پھیلنے کے ایک بڑے معزز عہدہ دار صاحب کی حکایت سنی ہے کہ صبح اٹھ کر اپنے پیر کی تصویر کو نہایت ادب و تعظیم سے تسلیم بجا لا کر پھر کوئی اور کام کرتے ہیں جب انگریزی خوانوں کے ایک اعلیٰ طبقہ میں ایسے افراد موجود ہیں تو بالکل عام آدمی پر کیا اعتبار ہے اس لئے تصویر رکھنے کو عقلاً بھی ضرور حرام کہنا چاہیے۔

کتاب الفرائض

جائیداد میں حقداروں کے حصے مقرر ہونے کی وجہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی فرض نصیبا من المیراث لکل احد من الرجال والنساء لیصون الناس من الاعتداء علی حقوق الاقرباء والصلوۃ والسلام علی رسوله خاتم الانبیاء وعلی الذین اتبعوا الهدی وطریق الاستواء۔

اما بعد واضح ہو کہ (۱) اسلام نے میت کی جائداد میں حقداروں کے حصے اسلئے معین و مقرر کئے ہیں کہ حقداروں کے حقوق محفوظ رہیں اگر میت کے اقرباء اور والیوں میں سے کل جائداد کا ایک ہی شخص کو اختیار کلی دیا جائے اور دوسرے اقرباء کے حصے اس میں مقرر نہ ہوں تو اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جائداد کو اپنی ذاتی اغراض میں اڑا دیتے ہیں اور اپنے فوائد و اغراض و عیش کے سوائے دوسرے حقداروں کی غور پرداخت اور انکے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے اور جائداد میں ظالمانہ تصرف شروع کر دیتے ہیں حتی کہ سارے ترکہ کو اپنے عیش و عشرت میں خورد برد کر دیتے ہیں۔ لہذا خدا تعالی نے ان ظالمانہ کاروائیوں کو روکنے اور انکے انسداد کیلئے جائداد میں ہر ایک حقدار کے حصے معین فرما دیئے تاکہ ایک ہی شخص دوسرے حقداروں کے حصوں کو اپنی اغراض میں خورد و برد نہ کر سکے بلکہ حصوں کے مطابق جائداد سب اہل حقوق لیکر اپنے اپنے حصہ سے آزادی کے ساتھ متمتع ہوں اور اسی کے قریب قریب اس رسم میں خرابی ہے جو بعض جگہ جاری ہے کہ ولد اکبر مالک باقی دوسرے اہل حق گزارہ خوار۔ چنانچہ ان لوگوں کے ظالمانہ تصرفات کارات دن مشاہدہ ہو رہا ہے جس کا کچھ علاج ایسا نہیں جو سہولت سے ہر گزارہ خوار اس کا استعمال کر سکے۔ چنانچہ میراث کے حصے مقرر ہونے کی فلاسفی خدا تعالی نے قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اقربائے میت کے حقوق ضائع ہو کر خورد و برد نہ ہو جائیں۔ **للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مماقل منه اوکثر نصیباً مفروضاً الی قوله تعالیٰ الذین یا کلون اموال الیتامی ظلماً انما یا کلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا یو صیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ الآیۃ** (پ سورہ نساء) اس جگہ یتامی کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ بسا اوقات میت کے چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے رہ جاتے ہیں اور

ہو سکے بیٹے یا میت کے دوسرے اقرباء سارے مال کو خورد برد کر دیتے ہیں لہذا ایسا کرنے میں سخت
وعید وارد ہوئی پھر حصص کی تفصیل جیسے مذکورہ بالا آیات کے آخر یوصیکم اللہ کی عبارت
شروع ہوتی ہے جس کا تفصیلی ذکر آگے آوے گا تو مصلحت اصل جائداد کی تھی۔ باقی خود جائداد کی
بھی اس میں مصلحت ہے وہ یہ کہ کسی بڑی سے بڑی جائداد میں بھی متعدد حصہ داروں کے حقوق
اور حصے معین و مشخص ہونا اسکے لیے حفاظت و استحکام کا موجب ہے کیونکہ ہر ایک حصہ دار اپنے
معین حقوق کی وجہ سے اس حصہ کی جائداد کی بہتری و بہبودی کی سعی کرے گا بلکہ جس جائداد
کے حقدار زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کیلئے استحکام کا سبب ہے یہ تو مشترک رہنے کی صورت میں
ہے اور اگر تقسیم نہ ہو تو ہر شخص کے اصل مالک اور دوسروں کے ٹکڑ خوار ہونے کے ایسا اہتمام
ممکن نہ تھا کیونکہ ایسے امر میں کون سعی کرتا ہے جس سے زیادہ منتفع دوسرے لوگ ہوں نیز تو فی
نفسہ خواص میں ہر شخص کے مالک مستقل ہونے کے باقی اگر کوئی اپنا حصہ بالکل اڑانے لگے اور اس
مصلحت سے کوئی شخص قانون میراث کو خلاف حکمت سمجھے اس اڑانے کا ذمہ دار اس شخص کی بد تد
بیری و قسمت بد ہے اس کا اگر اعتبار کیا جائے تو میراث ہی کی کیا تخصیص ہے جس شخص کو اپنے
مکسوبہ اموال میں بھی ایسا کرتے دیکھو اس سے چھین کر اس سے بڑے بھائی کے حوالہ کر دو پھر
یہ فطری امر ہے کہ اپنی چیز اپنے ہاتھ سے اڑانا اس قدر ناگوار نہیں جتنا اپنی چیز دوسرے کے ہاتھ
میں ہوتے وقت ان دوسروں کا دست نگر ہونا اور باقی اگر کسی کا ذوق ہی باطل ہو گیا ہو تو اس سے
خطاب ہی نہیں۔

حقیقت تقسیم میراث: منجملہ اصول میراث یہ ہے کہ اس کا مدار تین امور پر ہے ایک تو
میت کے بعد اس کی جگہ اسکی عزت اور مرتبہ میں اور جو باتیں اس قسم کی ہیں ان میں اس کا قائم
مقام ہونا کیونکہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اسکے بعد اسکا کوئی قائم مقام رہے۔
دوسرا خدمت اور غمخواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قسم کی ہیں تیسرا قرابت جوان

دونوں باتوں پر بھی مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اس تیسری بات کا اعتبار مقدم ہے اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود میں داخل ہے جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ وراثت کے مستحق ہیں مگر وضع طبعی کے اعتبار سے کہ جس پر قریباً عمد قرن عالم کی بنا ہے بیٹا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور باپ کا بیٹے کی جگہ قائم ہونا وضع طبعی کا مقتضی نہیں ہے اور نہ لوگوں کو اس کی آرزو اور امید ہوتی ہے حتی کہ اگر کسی شخص کو اس کے مال میں اختیار دیدیا جائے تو یقیناً اسکے دل پر اولاد کی غمخواری باپ کی غمخواری پر غالب ہوگی اس واسطے تمام لوگوں کا دستور ہے کہ اولاد کو باپ پر مقدم سمجھتے ہیں اور پھر قائم مقام ہونے کا احتمال بھائی میں ہے اور پھر جو اس کے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اس کی قوم اور اس کے نسب کے ہیں باقی رہی خدمت اور شفقت تو اس کا اول مظنہ قرابت قریبہ والی عورت ہے اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اس امر میں اس کی مستحق ہیں اور جو ان کے مانند نسب کے عمود میں داخل ہیں اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کے قائم مقام ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمشیرہ کہ یہ بھی قائم مقامی سے خالی نہیں پھر جس عورت سے علاقہ زوجیت کا ہے وہ خادم ہوتی ہے پھر ماں شریک بھائی بہن ان عورتوں میں بناء میراث صرف خدمت و شفقت یا مع القرابت ہے باقی عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں اور اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں البتہ بیٹی اور بہن میں کسی قدر یہ معنی پائے جاتے ہیں لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنی کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور اس امر کا مظنہ اول بہت قریب کی قرابت جیسے ماں اور بیٹی پھر بہن اور امر اول یعنی میت کی قائم مقامی کامل طور پر تو باپ اور بیٹے میں پایا جاتا ہے اور ان کے بعد بھائی پھر چچا میں اور امر ثانی یعنی شفقت سب سے زیادہ باپ میں اور بیٹے میں پایا جاتا ہے پھر عینی اور خیافی بھائی میں پایا جاتا ہے اور اس کا یہ مظنہ قرابت قریبہ ہے اس وجہ سے جو چچا کے لئے حکم ہے وہی پھوپھی کیلئے حکم نہیں ہے کیونکہ پھوپھی معیت کے

وقت کام نہیں آسکتی بس خدا نے بیچا کا مرتبہ آتا ہے اور پھوپھی کی قرابت میں بھی ہمشیرہ کے برابر نہیں ہے
اور منجملہ اصول میراث یہ ہے کہ جب مرد و عورت ایک ہی درجہ کے ہوں تو مرد کو ترجیح دی جاتی
ہے کیونکہ عزت کی حمایت کے لئے مرد ہی مخصوص ہیں اور اسکی یہ وجہ بھی ہے کہ مردوں پر خرچے
بہت ہوتے ہیں پس زیادہ ترکہ کے مستحق ہیں کہ انکو وہ مال دیا جاوے بخلاف عورتوں کے کہ یہ اپنے
خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں کے ذمہ ہوتی ہیں اور منجملہ ان اصول کے یہ ہے کہ جب وارثوں کی
ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک مرتبہ کے ہیں تب تو اس ترکہ کی تقسیم ان سب
پر ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر ان کے درجے مختلف ہیں تو اس کی دو
صورتیں ہیں یا تو وہ سب ایک نام اور ایک جہت میں داخل ہیں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب
بعید کا حاجب ہو کر بعید کو میراث سے محروم کر دیتا ہے دوسری صورت یہ کہ ان کے اسماء و جہات
مختلف ہوں کہ اقرب حاجب ہوگا ابعد کا حاجب ہو کر ابعد کو محروم تو نہیں کرتا لیکن حصہ اس کا کم
کر دیتا ہے منجملہ ان اصول کے یہ ہے کہ سہام کہ جن سے حصوں کی تعیین ہوتی ہے ان کے اجزاء
ایسے ظاہر ہونا چاہئیں کہ محاسب وغیر محاسب سب اول وہلہ میں ان کی تمیز کر سکیں اور آنحضرت
ﷺ نے اپنے اس قول مبارک میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا
نحسب ۔ یعنی ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں کیونکہ جس چیز سے تمام مکلفین
کو خطاب کیا جائے اس میں یہ بات ضروری ہے کہ ایک تو اس کے حساب کرنے میں تعمق وغور کی
حاجت نہ ہو اور دوسرے ظاہر نظر میں کمی بیشی کی ترتیب اس میں معلوم ہو جائے لہذا شرع نے
سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کئے ہیں ایک تو ثلثین اور ثلث اور سدس اور دوسرے
نصف ربع ثمن کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی دو اول کے عدد یعنی دو اور تین اور ان دونوں میں تین
مرتبہ پائے جاتے ہیں کہ ان تینوں میں اوپر کو جاتے ہوئے تو نسبت ضعف کی ہے یعنی دو گنے کی
نسبت اور نیچے اترتے ہوئے نسبت نصف کی ہے اور اس میں کمی بیشی کا بالکل ظاہر و محسوس ہونا
بالکل اقرب ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہونے کی وجہ : خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف ترجمہ۔ یعنی حکم کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد میں (میراث بانٹنے) کا۔ مرد کے لئے برابر دو عورتوں کے حصہ ہے پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں پس ان کو میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک ہے تو اس کے لئے نصف ہے مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا ترجمہ : یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی و فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے مال خرچ کئے ہیں اپنی عورتوں کی حاجتوں میں۔

اکیلی بیٹی کو نصف حصہ میراث ملنے کی وجہ : اکیلی بیٹی کیلئے نصف ترکہ مقرر ہوا کیونکہ جب اکیلا بیٹا ہوتا تو اس کو سارا مال ملتا ہے پس مقتضائے تضعیف ان جو کہ للذکر مثل حظ الانثیین سے مفہوم ہے اکیلی بیٹی نصف میراث کی مستحق ہے

دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کو دو ثلث ملنے کیوجہ : دو کو دو ثلث اس لئے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہوتا تو اس بیٹی کو ثلث ملتا اس لئے دوسری لڑکی کے ہونے سے بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہ ہونا چاہیے یہی تقریر دوسری بیٹی کے حق میں جاری ہے اور چونکہ بنات کا ثلثین سے زیادہ ہے ہی نہیں اگر زیادہ بھی ہونگی اسی ثلثین میں سب شریک ہوں گی۔

میت کی اولاد ہو تو اسکے والدین میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ مقرر ہونے کیوجہ : خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس

ترجمہ: یعنی میت کے والدین میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے اس مال میں سے جو میت چھوڑ کر مرے جبکہ اس میت کے اولاد ہو پس اگر میت کے اولاد نہیں ہے اور والدین وارث ہوں تو میت کی والدہ کا تیسرا حصہ میراث میں ہے اور اگر میت کے بھائی موجود ہیں تو میت کی والدہ کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔

یہ بات تم کو واضح ہو چکی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد میراث کی زیادہ تر مستحق ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ ان کو دو ثلث اور والدین کو ثلث دیا جائے تاکہ زیادتی استحقاق ظاہر ہو اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے زیادہ اسلئے نہیں مقرر کیا گیا کہ بیٹے کے قائم مقام ہونے اور اسکی معاونت کے اعتبار سے باپ کی فضیلت عصبہ ہونے کی ایک مرتبہ اعتبار کی جا چکی ہے تو اسی فضیلت کا دوبارہ حق تعصیب میں اعتبار نہ ہوگا۔

میت کے اولاد نہ ہو تو سارا ترکہ والدین کو ملنے کی وجہ: جس صورت میں میت کے اولاد نہ ہو تو والدین سے زیادہ تر کوئی حقدار نہیں ہے لہذا سب ترکہ والدین کو ملے گا اور باپ کو ماں پر فضیلت نہ ہوگی اور اس مسئلہ میں جس فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فضیلت تعصیب نہیں فضیلت ابوت ہے۔

میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملنے کی وجہ: اگر ماں اور بھائی بہن وارث ہوں اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا کیونکہ یہ اخوت والے عصبہ نہیں ہیں اور دور جا کر عصبات موجود ہیں تو چونکہ عصبیت اور شفقت و محبت باہم برابر نہیں اسلئے نصف انکو اور نصف انکو ملے گا اور پھر وہ نصف جو شفقت کا حصہ ہے ماں پر اور انکی اولاد پر تقسیم ہوگا اور چونکہ ماں کا چھٹے حصے سے کبھی کم نہیں ہوتا اسلئے اتنا تو ماں کو دیں گے اور باقی ان اولاد کو جو کہ میت کے بھائی ہیں دلایا جائے گا اور اگر یہ اخوت والے عصبات ہیں تو ان میں قرابت قریبہ و حمایت دونوں جمع ہو گئیں اور ملاقات انکے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں

مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند پھر اگر ماں کو چھٹے حصے سے زائد دیدیں تو اوروں پر تنگی ہوگی۔

ترکہ زوجہ سے بشرط عدم اولاد خاوند کو نصف اور بشرط اولاد چوتھائی حصہ ملنے کی وجہ اور ترکہ خاوند سے زوجہ کو چوتھائی حصہ اور بشرط اولاد آٹھواں حصہ ملنے کی وجہ:

خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولکم نصف ماترك ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین. ترجمہ یعنی تم کو تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ملے گا ادائی وصیت و ادائے قرض کے بعد۔

اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین. ترجمہ یعنی تمہاری بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ ہے پھر اگر تمہاری اولاد ہے تو بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا بعد اس وصیت کے جو تم نے کی ہے اور بعد ادائے قرض کے خاوند کو ترکہ اس لئے ملتا ہے کہ اسکو بیوی اور اسکے مال پر قبضہ ہوتا ہے پس بالکل مال کو اسکے قبضہ سے نکالنے میں اسکی ضرر رسانی ہے اور بیوی خاوند سے اپنی خدمت اور ہمدردی اور محبت کا صلہ لیتی ہے لہذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ پھر اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ انکے باہم توارث میں سے اولاد پر بھی تنگی نہ ہو اس لئے یہ حصص مناسب و متفاوت مقرر کئے گئے۔

(تنبیہ) ہمیں سخت تعجب آتا ہے اور لوگوں پر کہ جب کوئی بیوہ عورت نکاح کر لیتی ہے تو جس حصہ کی وہ مالک ہوتی ہے ورثاء اس سے لے لیتے ہیں حالانکہ از روئے قانون شرع اسلام وہ اختیار رکھتی ہے کہ نکاح کرنے کے وقت وہ اپنا حصہ بیچ ڈالے یا اپنے پاس رکھے اور قابض رہے۔ ایسے ہی سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ لوگ جو بیوہ اور مطلقہ سے بطور ملک دیا ہوا زیور واپس لے لیتے ہیں

حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن ترجمہ یعنی تم کو حلال نہیں ہے کہ مطلقہ بیوی عورتوں سے دیا ہوا کچھ مال واپس لو الا بشرط خلع اسمیں عورت مال دیکر شوہر سے فارغ خطی خاوند سے حاصل کرتی ہے۔

لاولد میت کے وارثوں کو کم و بیش حصے ملنے کی وجہ: اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذالک فھم شرکاء فی الثلث ترجمہ یعنی اگر وہ شخص جس کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو یعنی اسکے لولاد اور باپ نہ ہو اور اسکے بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ زیادہ ہوں تو سب ثلث میں شریک ہوں گے اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرء ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا و نساء فللذکر مثل حظ الانثیین۔ ترجمہ یعنی تجھ سے منکر دریافت کرتے ہیں لاولد میت کے ترکہ کے متعلق تو کہدے کہ خدا تعالیٰ تم کو لاولد میت کے ترکہ کے متعلق یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جائے جس کے لولاد نہ ہو اور اسکی بہن ہو تو اس کی ایک بہن کو اس مرد کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ مرد اس بہن کا وارث ہوگا اگر اسکے اولاد نہیں ہے پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ملے گا اور اگر میت کے بھائی اور بہن مخلوط ہوں تو مرد کو عورت سے دو چند ملے گا۔ یہ آیت بالاجماع باپ شریک کی اولاد میں ہے اور کلالہ کے تقسیم حصص کی حقیقت بھائی اور بہن کے حصوں کی فلاسفی میں ظاہر کی گئی ہے اس سرخی میں میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں گے۔

میت کے چچا اور اسکی اولاد کے مستحق وراثت ہونے اور اسکی خالہ کے میراث سے محروم ہونے کی وجہ: میت کے چچا کی اولاد کا مستحق وراثت ہونا اور اسکی

خالہ جو کہ اسکی ماں کی طرف سے ہوتی ہے اسکے میراث میت سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ چچا کی اولاد میں میت کی پشتی وطرفداری وحمایت وامداد ومواسات زندگی میں زیادہ ہوتی ہے اور والدہ کے رشتہ دار اجنبیوں کی طرح ہیں، وہ تو اپنے باپوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لہذا وہ مستولہ عنیوں کے اقرباء کے ہوتے ہیں۔

عذاب وثواب قبر پر اعتراضات اور حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے ان پر فلسفیانہ جوابات

کے ان پر فلسفیانہ جوابات: حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مندرجہ ذیل اعتراضات عذاب وثواب قبر کے متعلق پیش کئے گئے کہ ملحد وزندیق منکران عذاب وثواب قبر کو ہم کیا جواب دیں جو کہتے ہیں کہ قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا یا بہشت کے باغوں میں سے باغ کیونکر ہو سکتی اور کیونکر کشادہ اور تنگ ہو سکتی ہے جب کہ میت نہ اس میں بیٹھ سکتی ہے اور نہ کھڑی ہو سکتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قبر کھودتے ہیں تو اس میں نہ تو اندھے اور گونگے فرشتے دیکھتے ہیں جو مردوں کو لوہے کے گرزوں اور ہتھوڑوں سے مارتے ہوں اور نہ وہاں سانپ اور اژدھے دیکھتے ہیں اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ ہم محسوس کرتے ہیں اور اگر میت کے احوال میں سے کوئی حال قبر کھود کر معلوم کریں تو ہم میت کو اسی ایک حالت غیر متغیرہ پر پاتے ہیں اور ہم اگر اس کی آنکھ پر سیماب اور اس کے سینے پر رائی کا دانہ رکھیں تو ہم اس کو اسی ایک ہی حالت غیر متغیر پر پاتے ہیں اور مردہ پر تاحد نظر قبر کس طرح فراخ یا تنگ ہو سکتی ہے حالانکہ ہم اس کو اسی ایک حالت پر دیکھتے ہیں اور قبر کی کشادگی کو اسی حد پر پاتے ہیں جس حد پر کہ ہم نے اس کو کھودا تھا نہ زیادہ ہوتی ہے اور نہ تنگ ہوتی ہے اور قبر کی لحد میں تنگی کس طرح ممکن ہو سکتی ہے اور فرشتے اور وہ صورت جو مردہ کے ساتھ انس پکڑیں یا اس کو ڈراویں قبر میں کسطرح سما سکتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر ایک بات جو عقل ومشاہدہ کے برخلاف ہو وہ کہنے والے کی قطعی خطا ہے وہ کہتے ہیں مصلوب یعنی جس کو پھانسی دی گئی ہو کو ہم مدت دراز سے لکڑی پر آویزاں دیکھتے ہیں وہاں پر نہ اس سے منکر ونکیر کا سوال ہوتا ہے

مردہ کو حرکت کرتا ہے اور نہ اس کے جسم پر آگ دہکتی ہوئی دیکھی جاتی ہے اور جس کو درندوں نے
پھاڑ کھایا ہو اور پرندوں نے نوچ لیا ہو اور اس کے ٹکڑے درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے
پوٹوں اور مچھلیوں کے شکموں اور ہواؤں کے طبقوں میں الگ الگ ہو جاتے ہیں اس کے ٹکڑوں
کے باوجود الگ الگ ہونے کے کس طرح سوال و جواب ہونا ممکن ہو سکتا ہے اور جس کے جسم کے
ٹکڑوں کی یہ حالت ہو چکی ہے اس کے ساتھ دو فرشتوں منکر و نکیر کا سوال و جواب کرنا کس طرح
ممکن ہے اور ایسے شخص پر قبر بہشت کے باغوں میں سے باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا
کس طرح ہونا ممکن ہے اور کس طرح قبر اس پر تنگ ہو سکتی ہے یہاں تک کہ مردہ کی پسلیاں قبر
کے بھینچنے سے ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔

جوابات: واضح ہو کہ ہم پہلے چند باتیں بطور تمہید ذکر کرتے ہیں جن سے جوابات واضح
ہو جائیں گے۔ (۱) رسولوں نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی جس کو عقلیں محال جانیں اور وہ اس کے
محال ہونے پر قطعی حکم دے سکیں بلکہ رسولوں کی خبر دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ جس پر
عقل اور فطرت گواہی دے دوسرے وہ جس کو محض عقلیں دریافت نہ کر سکیں مثلاً غیب کی باتیں
جو رسولوں نے عالم برزخ اور قیامت اور عذاب کے متعلق مفصل بیان فرمائی ہیں اور باقی ہر حال
میں رسولوں کی خبریں بازروئے عقول سلیمہ محال نہیں ہوتی ہیں (اور اگر وہ ظاہراً عقلاً محال ہو اور
سند صحیح سے نسبت بھی اس کی ثابت ہو تو اس موقع پر دوسرے قواعد شرعیہ کے موافق تاویل
واجب ہوگی) پس قبر کے واقعات دوسری قسم کی خبر ہے جو عقلاً تو محال نہیں مگر وہاں تک عقل کی
خود رسائی نہیں وہ وحی کی محتاج ہے باقی جو شخص اس کو محال سمجھتا ہے وہ محض اس شخص کا ایک
خیال اور وہم ہے جس کو صاف خیال اپنے فہم غلط میں معقول صریح جانتا ہے دوسرا امر یہ ہے کہ
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد کو بدون افراط و تفریط کے سمجھا جاوے اور آپ کے کلام سے وہ
مراد نہ سمجھی جاوے جس کا آپ نے ارادہ نہ کیا ہو جو شخص آپ کی مراد و مطلب سے اور حرف پھر

گیا اور اسکے اقرار واقعی معنی سمجھنے میں غفلت اور کوتاہی کی تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک جاوے گا اور خدا اور رسول کے کلام میں لوگوں کی غلط فہمیاں واقع ہونے سے اسلام میں بہت سے گمراہ اور بد عتی فرقے پیدا ہو گئے ہیں مثلاً قدریہ۔ طیہ۔ خارجی۔ معتزلہ۔ جہمیہ۔ رافضی وغیرہ یہاں تک کہ دین اسلام اکثر ایسے ہی لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اسکی طرف بہت کم التفات کرتے ہیں امر تیسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کیلئے ٹھہرائے ہیں دنیا برزخ۔ دار قرار اور ہر ایک مقام کیلئے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا اس لئے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور اندا موں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا پس جیسا کہ روح دنیا کے احکام میں بدنوں کے تابع ہو کر بدن کے دردناک ہونے سے دردناک ہوتی اور لذت پاتی ہے قبر یعنی عالم برزخ میں جسم دکھوں اور سکھوں میں روح کے تابع ہو جاتا ہے اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی عالم برزخ میں روح ظاہر و غالب ہو گی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو جب پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو اس کا اثر روح پر بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو اسکا اثر روح پر بھی سرایت کر جاتا ہے (جب یہ ہے تو ان واقعات کا ظاہری قسم پر ظاہر ہونا ضروری نہیں وہ سب احکام روحانی ہیں جنکو روح مدرک کرتی ہے اور وہ سب واقعات بھی اس عالم کے ہیں پس انکا محسوس ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ عادۃً ممکن بھی نہیں۔ الا ماشاء اللہ) خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت و لطف و احسان سے اس امر کا نمونہ دنیا میں بھی سونے والے کے حال سے ظاہر و باہر فرمایا ہے کیونکہ خواب میں جو دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا ہے وہ اسکی روح پر جاری ہوتا ہے اور اسمیں بدن اسکے تابع ہوتا ہے ایسا ہی عالم برزخ میں بھی جسم اور روح کیلئے دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا

وحقیقی دلائل سے مگر غیر معقول نہیں ہے انسان کامل کی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کثیف جسم
کے علاوہ پایا جاتا ہے اور عالم مکاشفات میں اسکی بہت مثالیں ہیں جنکو علماء باذوق حضرات میں سے کچھ حصہ
مادہ اس قسم کے جسم کو جو کہ اعمال سے تیار ہوتا ہے تب مرا تیجہ کی افادے سے نہیں دیکھتے فرض
یہ جسم جو کہ اعمال کی کیفیت سے بنتا ہے یک عامہ زندگی میں نیک و بدی کی تغیرات کا شکل ہو جاتا ہے صاحب
مکاشفہ کو عین بیداری میں مردوں سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ فاسقوں اور کفر اختیار کرنے
والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے بہر حال مرنے کے بعد ہر ایک کو
ایک نیا جسم ملتا ہے خواہ نورانی ہو خواہ ظلمانی لیکن خدا تعالیٰ نے ان امور آخرت کو بواسطہ عقل
مکلفوں کے دریافت کرنے سے در پردہ اور پوشیدہ رکھا ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ کی کمال
حکمت پر دال ہے تاکہ مومن ایمان بالغیب کے ساتھ منکرین سے ممیز ہو جائیں۔ چنانچہ فرشتے
قریب الموت آدمی پر اترتے ہیں اور اسکے نزدیک آکر بیٹھتے ہیں اور وہ انکو دیکھتا ہے اور اس کے پاس
اس کیلئے کفن اور خوشبو بہشت میں سے یا دوزخ میں سے ہوتی ہے اور وہ حاضرین کے سلام اور
دعا پر آمین کہتے ہیں اور بسا اوقات بعض قریب الموت آدمی کہتے ہیں خوش آمدید اور مردہ کے سوا
حاضرین میں سے ان فرشتوں کو کوئی بھی نہیں دیکھتا اس بارہ میں آثار بے شمار ہیں۔

امور آخرت میں سے یہ پہلا امر ہے جو اس دنیا میں ہمارے درمیان واقع ہوتا ہے اور باوجود اس دنیا
میں واقع ہونے کے ہم کو دکھائی نہیں دیتا حالانکہ یہ سب کچھ اسی دنیا میں واقع ہوتا ہے پھر فرشتہ
روح کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو قبض کر لیتا ہے اور روح سے بات چیت کرتا ہے اور حاضرین
نہ فرشتے کو دیکھتے ہیں نہ اس کی آواز سنتے ہیں پھر روح نکلتی ہے اور اسکا نور آفتاب کی شعاعوں کی طرح
اور اسکی خوشبو کو سونگھ سکتے ہیں پھر وہ فرشتہ روح کو لیکر ملائکہ کے گروہ میں جاملتا ہے اور حاضرین
یعنی آدمی اسکو دیکھ نہیں سکتے پھر روح ایک خاص اعتبار سے واپس آکر مردہ کا غسل اور اسکا اٹھانا
دیکھتی ہے اور کہتی ہے مجھے آگے لے چلو یا کہتی ہے مجھے کہاں لئے جاتے ہو مجھے کہاں لئے جاتے ہو
اور لوگ اسکی کوئی بات بھی نہیں سن سکتے۔

لحد قبر میں مردہ کے پاس فرشتے پہنچنے کی صورت : اسی طرح جب مردہ کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اسکی قبر پر مٹی ڈالی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو مردہ کے پاس جانے سے روک نہیں سکتی بلکہ اگر پتھر بھی کندہ کیا جائے اور مردہ کو اس میں رکھ کر اس پتھر کو قلعی سے بند کر دیا جائے تو بھی مردہ کے پاس فرشتے کے پہنچنے سے یہ امر مانع نہیں ہو سکتا کیونکہ اجسام کثیف ارواح لطیفہ کے نفوذ کو مانع نہیں ہوتے بلکہ ان اجسام کثیفہ سے تو جن بھی گذر جاتے ہیں خدا تعالیٰ نے پتھر اور مٹی کو فرشتوں کیلئے ایسا کیا ہے جیسے فضاء پرندوں کیلئے جس میں اڑتے پھرتے ہیں اور قبر کی فراخی و کشادگی بالذات روح کیلئے ہوتی ہے اور بدن کو روح کی متابعت میں کشادگی ملتی ہے ورنہ جسم تو بہت تھوڑی جگہ میں سمایا ہوتا ہے۔

ضغطۃ القبر : اسی طرح قبر کا مردہ کو گھونٹنا حق ہے مردہ کی پسلیاں ادھر کی ادھر چلی جاتی ہیں اس میں کچھ شک نہیں اور اس بات کو عقل رد نہیں کر سکتی یہ بات کہ اگر کوئی شخص مردہ کی قبر کھود کر اسکو دیکھے تو اس کی پسلیاں اسی پہلی حالت پر ہوتی ہیں ادھر کی ادھر دکھائی نہیں دیتیں سو خدا قادر مطلق کو کوئی بات اس سے روک نہیں سکتی کہ یہ سب روحانی طور پر واقع ہوتا ہو اور ان حواس سے محسوس نہ ہو۔

قبر کے فرشتوں اور آتش جہنم و نعمائے جنت کے نہ دکھائی دینے کی وجہ :

قبر کی آگ اور سبزی نہ دنیا کی آگ کی قسم میں سے ہوتی ہے اور نہ دنیا کی گھاس و سبزہ کے مانند ہے جو دیکھ کر معلوم ہو سکے وہ آخرت کی آگ اور آخرت کی سبزی کی قسم سے ہوتی ہے اور اس کو اہل دنیا معلوم نہیں کر سکتے اور یہ امر اسلئے ہوا کہ پردۂ غیب کی حکمت قائم رہے پس اس بنا پر ممکن ہے کہ دو شخصوں کو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو دفن کیا جاوے اور انکے اعمال متفرق ہوں تو ان میں سے ایک دوزخ کے گڑھے میں جلتا ہو اور اسکے پاس والے پر حرارت دوزخ کی نہ پہنچ سکتی ہو بلکہ یہ دوسرا بہشت کے باغ میں ہوتا ہو اور اسکے پاس والے دوزخی کو اسکے آرام و چین سے حصہ نہ پہنچ

ہوتا تو یہ بات بھی مصلحت الٰہی میں سے ہے اور خدا تعالیٰ ان باتوں پر قادر ہے کیونکہ جب اس نے انسان کو ایسے ایسے خواب دکھائے ہیں کہ وہ یقینا ایک چیز میدان میں دیکھتا ہے اس پر بعض کو اطلاع دیتا اور دکھاتا ہے بعض کی اس سے چشم بندی کر دیتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ جو خالق الکل ہے اور قادر مطلق ہے اسکے آگے ایسے امور کس طرح نا ممکن و ممتنع ہو سکتے ہیں اور یہ ایمان بالغیب کی حکمت ہے کیونکہ بہائم اور مویشیوں کے حق میں نہیں ہے جو لوگ مردوں کی پکار فریاد سنتے ہیں اور محسوس و معلوم کرتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

پس عالم برزخ کا قیاس دنیا کے امور و مشاہدات پر کرنا محض جہالت اور گمراہی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانا اور خداوند تعالیٰ قادر مطلق کو ایسے امور سے عاجز جاننا ٹھہرتا ہے اور یہ بڑے درجے کی جہالت و گمراہی و ظلم ہے کیونکہ وہ قادر ہے کہ جس بات کو جس پر چاہے کشادہ کرے اور لوگوں کی نظر سے اس کو پوشیدہ رکھے وہ قادر ہے کہ لوگوں کو ایک چیز تنگ دکھائی دے اور حالانکہ وہ بہت کشادہ اور خوشبودار اور بہت بڑی اور نورانی اور روشن ہو اور لوگ اسکو دیکھ نہ سکیں اور اسی طرح بالعکس۔

عالم برزخ کے بعد ایک دوسرا عالم حشر برپا ہونیکی وجہ : انسان کے مرنے کے وقت عالم برزخ میں جزا و سزا شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی برزخی دوزخ میں اور بہشتی برزخی بہشت میں جاتے ہیں مگر اسکے بعد ایک اور تجلی اعلیٰ کا دن ہے کہ خدا تعالیٰ کی بڑی حکمت نے اس دن کو ظاہر کرنے کا تقاضا کیا ہے کیونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر ایک دن سب کو کامل زندگی بخش کر ایک میدان میں جمع کرے گا تاکہ وہ اپنی قادریت کے ساتھ پہچانا جائے پھر اس روز کسی کی جنت اور کسی کی دوزخ میں قرار ہوگا۔

پس موت جائے بازگشت اول جیسے بہشت اول ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے
آدم کیلئے دو بہشتیں ٹھہرائی ہیں اور ان دونوں میں بنی آدم کو نیکی بدی کا بدلہ دیا جائے گا پہلی جنت

اور بعض خواص آنکھ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض حقائق کا پتہ صرف کان لگاتے ہیں اور بعض ایسے امور ہیں کہ جو حس مشترک کے ذریعہ سے اسکا دماغ چلتا ہے وہ رکھنے کی حقائق ہیں کہ وہ صرف قوت شامہ ہی سے معلوم ہوتے ہیں غرض اللہ تعالیٰ نے حقائق معلوم کرنے کیلئے مختلف طریق اور ذریعے رکھے ہیں مثلاً مصری کی ایک ڈلی کو اگر کان پر رکھیں تو وہ اسکا مزہ معلوم نہ کر سکیں گے اور نہ اسکے رنگ کو بلکہ خواہ کیسی ہی اسکو آنکھوں کے سامنے کریں گے تب بھی اسکے ذائقہ کے متعلق کچھ نہ کہہ سکیں گے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کیلئے مختلف قوی اور طاقتیں ہیں اب آنکھ سے اگر کسی چیز کا ذائقہ معلوم کرنا ہو اور وہ آنکھ کے سامنے پیش ہو اور ذائقہ کا اس سے اور آنکھ سے نہ ہو تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس چیز میں کوئی ذائقہ نہیں یا کوئی آواز نکلتی ہو مگر ہم کان بند کر کے زبان سے وہ کام لینا چاہیں تو کب ممکن ہو سکتا ہے آجکل کے فلسفی مزاج لوگوں کو یہ بڑا دھوکہ لگا ہوا ہے کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے کسی حقیقت کا انکار کر بیٹھتے ہیں روزمرہ کاموں میں دیکھا جاتا ہے کہ یہ سب کام ایک شخص نہیں کرتا بلکہ جداگانہ خدمتیں مقرر ہیں سقہ پانی لاتا ہے دھوبی کپڑے دھوتا ہے غرضیکہ تقسیم محنت کا سلسلہ ہم خود انسان کے نظام میں پاتے ہیں اس اصل کو یاد رکھو کہ مختلف قوتوں کے مختلف کام ہیں انسان مختلف قوی لے کر آیا ہے اور مختلف خدمتیں جدا جدا قوت کے سپرد ہیں نادان فلسفی ہر ایک بات کا فیصلہ اپنی عقل خام سے چاہتا ہے حالانکہ یہ طریق محض غلط ہے تاریخی امور تاریخ ہی سے ثابت ہوں گے اور خواص الاشیاء کا تجربہ بدوں تجربہ صحیحہ کے کیونکر لگ سکتا ہے امور قیاسیہ کا پتہ عقل دے گی اس طرح متفرق طور پر الگ الگ ذرائع ہیں انسان دھوکے میں مبتلا ہو کر حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے سے اسی وقت محروم رہ جاتا ہے جب کہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف امور کی تکمیل کا ذریعہ قرار دے لیتا ہے ذرا سی فکر سے یہ بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے اور روزمرہ ہم ان باتوں کو دیکھتے ہیں۔

پس جس طرح روح کے جسم سے مفارقت کرنے یا تعلق پکڑنے کا فیصلہ عقل سے نہیں ہو سکتا

ناک سے اسی طرح مختلف قسم کی حسیں انسان رکھتا ہے سو قبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کیلئے کشفی حس کی ضرورت ہے اگر کوئی فاقد الکشف یعنی جس کو کشف نہ ہوتا ہو اس تعلق کی نسبت یہ کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو غلط کہتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک کثیر تعداد اور کروڑوں اولیاء و صلحاء کا سلسلہ دنیا میں گزرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بے شمار لوگ ہو گزرے ہیں وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں گو اسکے تعلقات کی کیفیت و جہ تفصیلی طور پر ہم معلوم کر سکیں یا نہ کر سکیں مگر نفس تعلق سے انکار نہیں ہو سکتا۔ غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں گو عقل اور اک نہ کر سکے جیسے کان اگرچہ دیکھ نہ سکیں تو انکا کیا قصور ہے وہ اور قوت کا کام ہے۔

غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے انسان میت سے کلام کر سکتا ہے ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کیلئے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے بس یہ مسئلہ عام طور پر مسلم مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے اس طرح بلا شبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلا دیں خواہ وہ ڈوب جائے ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق بالاتر از فہم رہتا ہے۔ اسکی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار کو دنیاوی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا مناسب ہے کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا جس پر فلسفہ انبیاء کا قائم ہے لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً عقل کی بد ہضمی ہے۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا یہ بھی ایک عالم باطن کے اسرار سے ہے جسے اہل دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں عقلیں دریافت نہیں کر سکتیں ہاں اہل کشف

یزال فی کل رکعة من الصلوة یقول العبد اھدنا الصراط المستقیم فھوا حد من السیف وادق من الشعر فظھوره فی الاخرة محسوس بین واوضح من ظھوره فی الدنیا الالمن دعا الی اللہ علی بصیرة کالرسول والتابعہ فالحقھم اللہ بدرجاتہ الانبیاء فی الدعاء الی اللہ علی بصیرة ای علی علم وکشف وقدور وفی خبران الصراط یظھر یوم القیامة لا بصار علی قدر نورالمارین علیہ فیکون دقیقافی حق قوم وعریضافی حق اخرین یصدق ھذا لخبر قولہ تعالی نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم والسعی مشی وما طریق الاالصراط وانما قال بایمانھم لان المومن فی الاخرة لا شمال لہ کما ان اھل النار لا یمین لھم ھذا بعض احوال ما یکون علی الصراط واما الکالیب والخطایف والحسك ھی من صور اعمال بنی ادم تمسکھم علی الصراط فلا ینتھون الی الجنة ولا یقعون فی النار حتی تدرکھم الشفاعة والغایة الا لھیة فمن تجاوز ھنا تجاوزاللہ عنہ ھناك امن انظر مسعر انظره اللہ ومن عفو اعفا اللہ عنہ استقصی حقہ ھنا من عبادہ استقصی اللہ حقہ منہ ھناك ومن شدد علی ھذہ الامة شدادلہ علیہ وانما ھی اعمالکم ترد علیکم فاستلزمو امکارم الاخلاق فان عند العاملکم بما عاملتم بہ عبادہ کان ماکان وکان ماکانوا. ترجمہ پل صراط اخروی کی صفت میں آیا ہے کہ وہ بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہے اور ایسا ہی دنیا میں علم شریعت کا حال ہے کہ اکثر مسائل میں راہ راست جو عند اللہ مقبول و پسندیدہ ہو قطعاً معلوم نہیں ہوتا پس دنیا میں مسائل کا حکم شرع میں تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہے۔ پس شریعت یہاں صراط مستقیم ہے اسی لئے بندہ نماز کی ہر رکعت میں کہتا ہے۔ "اھدنا الصراط المستقیم" پس وہ تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہے اور آخرت میں دنیا کی بہ نسبت اس کا ظاہر ہونا واضح تر ہوگا مگر جنہوں نے علی وجہ البصیرت خدا تعالیٰ کی طرف دعوت کی مثل رسولوں اور انکے اتباع کے انکو خدا تعالیٰ انبیاء کے درجہ کے ساتھ ملحق کر دے گا اور احادیث میں آیا ہے صراط قیامت میں

گزرنے والوں کے نور کے مطابق ظاہر ہوتا ہے وہ ایک کے حق میں باریک ظاہر ہوگا اور دوسرے گروہ کے حق میں کشادہ اور اس خبر کی تصدیق خدا تعالیٰ کے اس کلام سے ہوتی ہے کہ مومنوں کا نور ان کے آگے اور داہنے طرف دوڑتا ہوا نظر آئے گا اور وہاں صراط کے بغیر کوئی راہ نہ ہوگی اور خدا تعالیٰ کے کلام میں جو آیا ہے کہ انکا نور داہنے طرف دوڑتا ہوگا یہ اسلئے ہے کہ آخرت میں مومن کا کوئی بایاں نہ ہوگا۔ جیسا کہ دوزخیوں کیلئے داہنا نہ ہوگا۔ یہ تو صراط اخروی کے بعض احوال ہیں مگر زنبور اور اچھلنے والے اور کوکھرو کے کانٹے یہ تو کیا بعض قوم کے عملوں کی صورتیں ہوں گی جو انکو پل صراط پر سے گرالیں گی یعنی نہ بہشت میں جاویں گے اور نہ دوزخ میں گریں گے یہاں تک کہ انکو شفاعت اور عنایت الٰہی پہنچ جاوے گی یعنی جس نے یہاں پر درگذر کیا خدا تعالیٰ اسکو معاف کرے گا اور جو کوئی بندوں سے اپنا حق کاوش کرے گا تو خدا تعالیٰ وہاں اس سے اپنا حق کاوش کرکے لے گا اور جو کوئی اس امت پر سختی کرے گا خدا تعالیٰ اس پر سختی کرے گا یہ صرف تمہارے اعمال ہیں جو تم پر وارد ہوں گے پس اچھے اخلاق کو لازم پکڑو کیونکہ خدا تعالیٰ کل تم سے وہی معاملہ کرے گا جو تم بندوں کے ساتھ کروگے۔

حقیقت صراط مستقیم بموجب تحریر حضرت امام غزالیؒ: امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے فرشتوں کی مشابہت پیدا کرے جن میں اوصاف متضادہ جیسے انسان میں ہیں نہیں ہیں اور انسان ان اوصاف سے علیحدہ ہو جانے کے مشابہ ہو گو کہ حقیقت میں علیحدہ نہ ہو جاتا ہو اور وہ توسط ہے جیسے کہ گویا پانی کہ نہ گرم ہے اور نہ سرد اور عود کا رنگ کہ نہ سفید اور نہ سیاہ پس کنجوسی اور فضول خرچی انسان کی دو صفتیں ہیں اور سخاوت اس میں توسط کا درجہ رکھتی ہے جس میں نہ کنجوسی ہے اور نہ فضول خرچی۔

پس صراط مستقیم وہ توسط حقیقی ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے اور جو شخص کہ ان صفات متضادہ کے دونوں سروں سے نہایت درجہ دور ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ان دونوں سروں سے

بیچا بیچ میں ہو گا مثلاً ایک لوہے کے حلقہ کو آگ میں لال کر کے زمین پر رکھیں اور پھر اسکے اندر وسط میں ایک چیونٹی کو ڈال دیں تو وہ اسکی گرمی سے بھاگے گی اور جو جگہ سب سے دور ہو گی وہاں ٹھہرے گی پس بجز مرکز کے اس کو اور کوئی جگہ نہ ملے گی اور وہی مرکز حقیقی ہے کیونکہ اسکو ہر طرف سے نہایت درجہ کا بعد ہے اور اس مرکز یا نقطہ کا مطلق عرض نہیں ہے پس صراط مستقیم وہی وسط ہے دونوں سروں سے اور اس وسط کا مطلق عرض نہیں ہے اسلئے وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہے پھر جب خداتعالیٰ قیامت میں اسی صراط مستقیم کو متشکل کر دے گا تو جو کوئی اس دنیا میں صراط مستقیم پر ہو گا یعنی اس نے صفت متضادہ انسانی کے استعمال میں حق المقدور توسط اختیار کیا ہو گا اور کسی جانب مائل نہ ہوا ہو گا وہ صراط آخرت پر بھی سیدھا چلا جاوے گا۔

حضرت ملا جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت آخرت میں بہ شکل صراط مستقیم دوزخ پر متشکل ہو کر دکھائی دیگی پس جو شخص جادہ شریعت اسلام پر یہاں سیدھا چلا اور کجرو نہ ہوا اس کو وہاں بھی اس پر چلنا آسان ہو گا۔ اور جو یہاں ہی ٹیڑھا رہا اور اس صراط مستقیم پر نہ چلا سکے نے وہاں بھی چلنا دشوار ہو گا۔

حقیقت قیامت : حقیقت قیامت کا مضمون مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون کا انتخاب ہے جو یہاں درج کیا جاتا ہے واضح ہو کہ جو اشیاء مختلف الاغراض چیزوں سے مرکب ہوا کرتی ہیں جیسے کھیتی کہ اسکا غلہ آدمیوں کے لئے اور بھس گھاس چارپایوں کیلئے ایسی چیزوں کو انجام کار توڑ پھوڑ کر جدا جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیتے ہیں اور اسکے مناسب انکو کام میں لاتے ہیں مثلاً کھیتی کو یک روز کاٹ چھانٹ توڑ پھوڑ بھس اور غلہ کو جدا جدا کر کے بھس کو کوٹھوں میں اکٹھا کر دیتے ہیں اور غلہ کو کوٹھیوں کھاتیوں برتنوں میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اس کو وقتاً فوقتاً جانوروں کو کھلاتے رہتے ہیں اور غلہ کو بقدر ضرورت آپ کھاتے رہتے ہیں پھر اپنے کھانے میں بھی یہ تفریق ہے کہ چھان پھٹک کر اچھے اچھے غلہ کو اپنے لئے رکھتے ہیں اور

آتش کو خدا اور شاگرد شیطانوں اور چاند سورج کو خدا جانتے ہیں۔ غرض غور سے دیکھئے تو تمام اجسام کو
بھی مختلف الاغراض اجزاء سے بنا ہوا پایا چنانچہ اس کے دو رکن ہوا اور مٹی جو طریقہ سے نمایاں ہے کہ
اور کام کا اور وہ اور کام کا آپ میں اور بھی خاصیت ہے آتش اور پتھر میں خاصیت ہے زمین میں اور بھی
کرمیں ہیں اور پانی میں اور ہی کچھ فائدے ہیں مومن اور کام کے کافر اور کام کے علماء اور کام کے
فقراء اور کام کے ذکی اور غبی میں فرق ہے سخی اور بخیل میں تفاوت مرد اور عورت میں اختلاف مرد اور
عورت میں افتراق غرض جس چیز کو دیکھئے اسکا رنگ و بو کچھ اور ہی ہے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اس میں بھی یہی ہونا چاہیے کہ ایک روز توڑ پھوڑ کر سب کو جدا جدا کر دیں یہاں نیک
نیکیوں کو اپنے ٹھکانے میں اور بدوں کو اپنے ٹھکانے میں پہنچا دیں سو اس اپنے موقع میں پہنچ
جانے کا نام جزا و سزا یوم القیامت ہے۔

اور سنئے مجموعہ عالم کو دیکھئے تو ایسے ہے جیسے آدمی یا کسی جانور کا جسم جیسے چشم و گوش و
دست و پا وغیرہ اعضاء جدا جدا کام کے ہیں ایسے ہی اس مجموعہ عالم میں زمین و آسمان وغیرہ ارکان
جدا جدا مصرف کے ہیں جیسے اس جسم خاکی میں عناصر اربعہ کی جدا جدا خاصیت ہے ایسے ہی اس
عالم ناپائیدار میں علویات اور سفلیات کی جدا جدا طبیعت اور خواہشات نفسانی کی جدا جدا تاثیر ہے
جسم خاکی میں اگر کسی عضو کے غلبہ کے باعث مزاج اصلی میں تغیر آجاتا ہے تو اسکا نام مرض ہو جاتا
ہے اور اسکی وجہ سے اگر روح کو مفارقت جسم سے کرنی پڑے تو اس کا نام موت ہے۔

ایسے ہی اس عالم ناپائیدار میں کسی رکن یا خواہش کے غلبہ کے باعث اگر ترکیب اصلی میں
فرق آجائے اور کوئی کیفیت تازہ ظہور میں آئے تو اسکا نام علامت قیامت ہے اور اسکی وجہ سے اس
روح اعظم کو جو مقابلہ روح انسانی اس مجموعہ کیلئے ہونا چاہیے چنانچہ نظام عالم اور اسکے حسن انتظام
سے ظاہر ہے اس مجموعہ سے اگر مفارقت کا اتفاق ہو جائے تو اسکا نام قیامت ہے مگر یہ ہے تو جیسے
بعد مرگ تفرق اجزاء جسم انسانی و حیوانی ضرور ہے یہاں بھی بعد مفارقت مذکورہ تفرق اجزاء عالم

نشو و نما ہے سو جیسے بعد اجزاء جسم انسانی ہر جزو کے اپنے اپنے نوع کے ساتھ اتصال لازم ہے ایسے ہی بعد تفرق اجزاء عالم ہر جزو کو اپنے اپنے طبقہ میں جانا لازم ہے سو نیکیوں کا طبقہ جنت میں جانا اور بدیوں کا طبقہ دوزخ میں جانا ہی کچھ ضرور ہے۔

اور جیسے باورچی سے کھانا پکواتے ہیں اور درزی سے کپڑا سلواتے ہیں جب وہ ختم ہو جاتا ہے تب کہیں اسکو مزدوری عنایت کرتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ مزدوری اس کام کے عوض دیتے ہیں اگر وہ کام حسب دلخواہ دیکھا تو اس کو اس کی اجرت حوالے کی ورنہ تاوان و بازی جرمانہ و جنس کا اس سے تقاضا کرتے ہیں مگر چونکہ یہ بات بعد ہی میں مل پڑتی ہے اس لئے مزدوری بھی بعد ہی میں ملتی ہے اور اگر وہ کام ایسا ہو کہ ایک آدمی نہیں کر سکتا اور ایک دن میں نہیں ہو سکتا تو بہت سے آدمی بہت سے دنوں میں اسکو پورا کرتے ہیں تو مزدوری کے وصول میں اور بھی دیر لگتی ہے بالخصوص جبکہ وہ کام ٹھیکہ پر کرایا جاوے یہ تو مزدوری کا حال تھا اور اگر انعام و سزا کا قصہ ہو تو پھر تاخیر میں کچھ حرج ہی نہیں کیونکہ حق غیر کا نہ دینا ظلم ہے اور حق میں غیر معاملات میں بیع اور اجارہ کی صورت میں اپنے ذمہ ثابت ہوتا ہے انعام اور سزا میں اپنے ذمہ کوئی بات ثابت نہیں ہوتی جو تاخیر میں ظلم کا احتمال ہو باقی یہ بات خود عیاں ہے کہ جیسے ادائے حق غیر میں تاخیر بری ہے اپنی حق کے وصول میں تاخیر عمدہ ہے اسلئے اپنے حقوق کی سزا میں تو تاخیر بری ہو ہی نہیں سکتی۔ رہا انعام وہ کوئی حق واجب نہیں جو تاخیر اسکی تاخیر بری ہو ہاں حقوق العباد کے دلوانے میں شاید تاخیر بری معلوم ہو اسکا جواب یہ ہے کہ احکام دین جو کچھ خدا کی طرف سے عدل و انصاف کی تاکید ہے اس پر سب اہل مذہب اور تمام اہل حق شاہد ہیں دنیا میں جو کچھ وصول ہو سکے اسکے دلانے میں تو خدا کی طرف سے تعجیل ضروری ہو چکی۔ رہا یہ امر آخرت کا قصہ جدا رہا مگر چونکہ خدا بندوں کے حق میں فقط حاکم ہی نہیں والدین سے زیادہ شفیق اور مہربان ہے تو اگر اسکے وقت ضرورت کیلئے اسکے حقوق کو رہنے دے تو اس وقت لیکر اسکے حوالے کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ قبل وقت ضرورت اسکو کچھ نہیں سو وقت نزول ضرورت تو وہی وقت ہے جب کہ عالم اسباب

سراسر خراب اور برباد ہو جائے کوئی حیلہ و وسیلہ اور سبب اور ذریعہ نجات کا باقی نہ رہے اس وقت نہ کوئی حیلہ ہو گا نہ کوئی سامان فقط خدا کی رحمت یا ظاہر میں اپنے حقوق ہوں گے۔

اور جیسے نشوونما آخر کار قوت نامیہ ہے تو تصویر یعنی مناسب حال نامیات یعنی وہ اجسام جن میں بڑھنے کی صلاحیت ہے صورت و شکل کا بنانا یہ قوت مصورہ کا کام ہے مگر چونکہ غذا کا انجام ایک صورت ہوتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوت مصورہ منجملہ خدام قوت نامیہ ہے جیسے حیوانات میں قوت نامیہ منجملہ خدام حیات ہے ادھر عالم کو دیکھا تو خالی صورت سے نہیں اور جس صورت کو دیکھا وہ ایک وصف اور ایک معنی کو آغوش میں لئے ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہر وصف اور ہر معنی ایک صورت قابل ظہور عالم شہادت جیسے عالم محسوسات کے رکھتا ہے چنانچہ خاک کو دیکھا وہ حقیقت میں صورت ست یعنی خشکی ہے اور پانی کو دیکھا تو وہ صورت معانی مجسمے ہے اسلئے اس میں بھی بہت سی صورتوں سے ترکیب ہے یعنی روح انسانی مثلاً قوت باصرہ قوت سامعہ وغیرہ قویٰ کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ سب اوصاف اور معانی ہیں انکے مقابل میں جو شکل نمایاں ہوتی تو نسبت سے اعضاء مختلفہ کی ترکیب کے بعد پیدا ہوئی ہے جس کا حاصل وہ صورت مرکب ہے مگر پھر دیکھا تو وہ معانی اور اوصاف جو معانی اور اوصاف جو روح کو عطا نہیں ہوا اسلئے حکم قوت نامیہ عالم یہ ضرور ہے کہ جیسے کبوتر و مرغ وغیرہ طیور کی شجاعت اور شہوت سے جو منجملہ معانی اور اوصاف میں بچہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس بچہ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور انجام کار کہاں سے کہاں نوبت پہنچتی ہے اور یہ سب نشوونما اور تصویر یعنی قوت نامیہ مصورہ کی کارپردازی ہوتی ہے ایسے ہی وہ معانی غیر متشکل ظہور میں آئیں اور صورت دکھلائی کیونکہ یہ یقینی ہے کہ یہ عالم بالضرور اصل قوت نامیہ کی کارپردازی کا ظہور ہے اس لئے قوت مصورہ بالضرور منجملہ خدام قوت نامیہ ہے سو حیوانات اور نباتات میں اگرچہ قوت نامیہ کا ظہور ہے تو وہ ایسا ہے جیسا نور آفتاب زمینوں اور زردوں اور روشندانوں میں ظہور کرتا ہے غرض جیسے یہاں جو کچھ ہے وہ اصل کا پرتو ہے جس کو آفتاب کہئے ایسے ہی عالم میں جہاں کہیں قوت نامیہ ہے وہ اس اصل کا ظہور ہے جس کو قوت نامیہ

اور زمین [illegible] قیامت [illegible] ہمیشہ اطاعت کرتے

[illegible] ثواب و عذاب [illegible] نہ ہوا اور [illegible] جیسے ان میں سے بعض

نہیں ہوا اسکے [illegible] تمام عالم باقی رہ جائے اسوقت

مقتضائے قہاری خداوندی یہ ہوتا ہے کہ اس عالم کو توڑ پھوڑ کر برابر کردیں اور تمام بنی آدم کو

گرفتار کرکے انکو انکی شان کے مناسب جزا و سزا دیں۔ (قاسم نانوتوی)۔

حقیقت مکافات اعمال یعنی انسان کو نیکی پر اجر ثواب اور بدی کرنے پر عذاب ملنے کی وجہ:

(۱) انسان کیلئے دو جاذب موجود ہیں یعنی کھینچنے والے ایک جاذب خیر ہے جو نیکی کی طرف اسکو کھینچتا ہے جیسا کہ یہ امر مشہور ہے اور محسوس ہے کہ بسا اوقات انسان کے دل میں بدی کے خیالات پڑتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا بدی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اسکو بدی کی طرف کھینچ رہا ہے پھر بعض اوقات نیکی کے خیالات اس کے دل میں پڑتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اس کو بدی کی طرف کھینچ رہا ہے اور بسا اوقات ایک شخص بدی کرکے پھر نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہایت شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے برا کام کیوں کیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گویا نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہایت شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے برا کام کیوں کیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کو گالیاں دیتا ہے اور مارتا ہے اور پھر نادم ہوتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ یہ کام میں نے بے جا کیا اور اس سے کوئی نیک سلوک کرتا ہے یا معافی چاہتا ہے یہ دونوں قسم کی قوتیں ہر ایک انسان میں پائی جاتی ہیں اور شریعت اسلام نے نیکی کی قوت کو ملک اور بدی کی قوت کو شیطان سے موسوم کیا ہے اور جو نیکی کا القاء کرتا ہے اسکا نام فرشتہ رکھا ہے اور جو بدی کا القاء کرتا ہے اسکا نام شیطان اور ابلیس قرار دیا ہے۔

یہ دونوں قوتیں انسان میں موجود ہیں اور ان دونوں کی حالتوں سے تم انکار نہیں کرسکتے اور انکے پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی حکمت یہ ہے تاکہ انسان اچھے نیک اعمال سے اجر پانے کا

مستحق ٹھہر سکے کیونکہ اگر انسان کی فطرت ایسی واقع ہوتی کہ وہ بہر حال نیک کام کا ایک ذرہ بھی اسکو ثواب نہ ہوتا کیونکہ وہ اس کی فطرت کا خاصہ ہوتا لیکن اس حالت میں کہ اس کی فطرت دو کششوں کے درمیان ہے اور وہ نیکی کی کشش کی اطاعت کرتا ہے اس کو اس عمل کا ثواب مل جاتا ہے اور یہی حال بدی کے بدلے ملنے کا ہے یعنی جس قوت کا منبع ہوتا ہے اس کے مطابق بدلہ پاتا ہے۔ ان کان خیرا فجزاءہ خیر وان کان شرا فجزاءہ شر۔

(۲) انسان کی عملی اور اعتقادی غلطیاں ہی دراصل عذاب کی جڑ ہیں اور وہی درحقیقت خدا تعالیٰ کے غضب سے آگ کی صورت پر متمثل ہو جائیں گی (مگر چونکہ حق تعالیٰ کو ہر ایک کا انجام معلوم ہے اس لئے اس نے پہلے سے سب سامان مہیا کر رکھا ہے اور جس طرح پتھر پر سخت ضرب لگنے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح غضب الٰہی کی ضرب انہیں بد اعتقادیوں اور بد عملیوں سے آگ کے شعلے نکالے گی اور وہی آگ بد اعتقادوں اور بد کاروں کو کھا جائے گی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بجلی کی آگ کے ساتھ خود انسان کی اندرونی آگ شامل ہو جاتی ہے تب دونوں مل کر اس کو بھسم کر دیتی ہیں اسی طرح پر غضب الٰہی کی آگ بد اعتقادی اور بد عملی کی آگ سے بھڑکتی ہے سو جو لوگ ایسے طور کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ نہ تو یہی خدا شناسی کی وجہ سے انکے اعتقاد درست ہیں اور نہ وہ بد عملیوں سے باز رہتے ہیں بلکہ ایک جھوٹے خیال پر بھروسہ کرکے دلیری سے گناہ کرتے ہیں انکو علم ہی نہیں کہ دراصل ہر انسان کے اندر دوزخ کا شعلہ اور اندر ہی نجات کا چشمہ ہے دوزخ کا چشمہ فرو ہو جانے سے خود نجات کا چشمہ جوش مارتا ہے لیکن یہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے جب تک انسان حقیقی طور پر اسلام میں داخل نہ ہو اور اسکے پاک علم سے فیض نہ اٹھاوے جو کہ آسمانی علوم کو لیکر آیا ہے۔

(۳) اجزاء سزائے انسانی کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ صورت نوعیہ کا اقتضاء ہے جیسا کہ چارپائے جب گھاس چرتے ہیں اور درندے جب گوشت کھاتے ہیں تو ان کا مزاج صحیح و سالم رہتا ہے اور جب چارپائے گھاس کے بجائے گوشت کا استعمال کرتے اور درندے بجائے گوشت کے

معلوم نہ ہو تو کیا محال ہے اور اگر زمین و آسمان کے باہر ہو تو کیا ممتنع ہے عقلاً تو دونوں امر ممکن تھے مگر نصوص سے باہر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب اس سوال کا کہ نعمائے جنت دنیاوی نعمتوں کی طرح ہونگے :

اس سوال کے جواب میں خداتعالیٰ کا کلام پاک یوں وارد ہے۔ **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرة اعین** ترجمہ: یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اسکے لئے مخفی ہیں اور ان نعمتوں کے بارے میں حدیث نبوی میں یہ بھی لکھا ہے **اعددت لعبادہ الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر**۔ یعنی نیک بندوں کیلئے میں نے وہ نعمتیں آخرت میں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی دل پر اس کا خیال گزرا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور انکو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا چنانچہ آیت اول کی شرح میں ہمارے سیدنا و مولانا نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ بہشت اور اسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں گزریں حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گزرتی ہیں پس جب کہ خداتعالیٰ اور اسکا رسول ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہو تو ہم قرآن سے دور جا پڑتے ہیں اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا ہی کا دودھ ہوگا جو گایوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوں گے اور فرشتے تلاش کر کے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے۔ کیا ایسے خیالات

اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ : تیا نے ان چیزوں کو بھی نہیں سمجھا۔

قیامت میں ہاتھ پاؤں کے بولنے سے دفع تعجب : اس نئے آلہ گراموفون کا ایجاد ہونا اس استبعاد کے دفع کے لئے کافی ہے۔

التماس ۔ یہاں تک لکھنے کے بعد بعض متفرق تحریرات مختلف مضامین پر پہلے سے اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں جن میں خاص خاص امور پر عقلی گفتگو کی گئی ہے تو ان تحریرات کو بھی بطور ضمائم اس مجموعہ کا جزو بنانا مناسب معلوم ہوا۔

ضمیمہ نمبر ۱

منقول از پرچہ علی گڑھ منتھلی بابت ماہ اپریل ۱۹۰۵ء جلد سوم صفحہ ۱۴۴۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا مسلمانان عالم کیلئے سال شمسی موزوں ہو سکتا ہے ؟ : فی الحقیقت جس قدر سائنٹفک یعنی سائنسی معلومات کو ترقی ہوتی جائیگی اور جس قدر کہ حقائق عالم کا انکشاف زیادہ ہوگا اسی قدر اسلامی اصولوں کی صداقت کے متعلق تائید حاصل ہوتی جائے گی۔ بظاہر شمسی سال میں تعیین اوقات کی ایسی خوبی موجود ہے کہ اسکا دنیاوی امور کے لئے مفید ہونا بلا حجت تسلیم کیا جا سکتا ہے اور چونکہ کرہ زمین کی مداری حرکت کو جو ۳۶۵ دن اور چند گھنٹوں اور منٹوں میں اور اپنے مرکز کے گرد ختم کر لیتی ہے پورے بارہ حصوں یا بالفاظ دیگر مہینوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے اور پھر گھنٹوں کی کسرات کو چوتھے سال اور منٹوں کی کسرات کو ہر چوتھی صدی میں سال کبیسہ بنا کر پورا کر لیتے ہیں اس لئے جو موسم ہر ملک میں جس مہینے کے لئے مختص ہے اسمیں تفاوت نہیں ہوتا اور ہمیشہ مہینوں کے نام ہی بتلا دیتے ہیں کہ آیا ان ایام میں دور دورہ گرمی یا جاڑہ کا ہے یا فصل بہار

اور خزاں کا بر خلاف اسکے سال قمری میں مہینوں کے ساتھ ساتھ نہ تعین موسم ہے نہ باقاعدہ سالانہ اوقات کی تقسیم کیونکہ آج اگر ماہ صفر المظفر میں موسم گرما کا آغاز ہے تو ان سے نویں سال اس نام کے قمری مہینے میں کڑ کڑاتا جاڑا پڑا ہوگا کیونکہ نو سال بعد جائے اپریل کے صفر کا مہینہ جنوری سے مطابقت پائے گا وجہ اسکی یہ ہے کہ چاند زمین کے گرد ۲۹ روز ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ۲٫۸ سکنڈ میں اپنا دورہ پورا کر لیتا ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ چاند قرص آفتاب کے محاذ آکر جب دوسری مرتبہ اسی نقطہ واپس آتا ہے تو اس کو ۲۹ روز ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ۲٫۸ سکنڈ صرف کرنا ہوتے ہیں اور یہی باعث ہے کہ رویت ہلال کبھی ۲۹ روز اور کبھی ۳۰ روز میں ہوتی ہے اور اسی کا نام قمری مہینہ ہے اسکے اعتبار سے قمری سال تقریباً ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے اور اسی لئے سال شمسی سے بقدر دس یوم تخمیناً کم ہے یہی کمی ہر چوتھے سال یعنی تین برس کے ختم ہونے پر ہندوستان میں ایک لوند کا مہینہ اضافہ کر دینے سے پوری کر لی جاتی ہے حالانکہ اسلامی سال قمری میں کبھی کمی بیشی نہیں کی جاتی اور اسی لئے ہمیشہ ہر سال دس اور کبھی گیارہ روز کی کمی سے مہینوں اور موسموں میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ظاہری نقص اسلامی سال قمری کا در حقیقت عیب ہے یا ثواب بظاہر اس میں کوئی شک نہیں کہ سال شمسی میں تغیر اور تبدل موسم وقت معینہ پر ہونے سے زراعت اور تجارت میں کافی امداد ملتی ہے اور وقت پر کاشت وغیرہ کا انتظام کر لیا جاتا ہے لیکن دراصل زراعت کے لئے مہینوں کا جاننا کوئی ضروری شرط نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار موسم کے تغیر پر منحصر ہے مثلاً ہندوستان میں جولائی کا مہینہ آجانا اس لئے کافی نہیں ہو سکتا کہ کاشتکار لوگ تخم ریزی شروع کر دیں بلکہ اس کے لئے بارش کا ہونا لازمی ہے چنانچہ ادھر بارش شروع ہوئی تک یعنی ہل چلانا دالی کا کام جاری ہو گیا اگر بارش نہ ہو تو جولائی اور اگست سب مئی اور جون کے برابر ہیں۔ اسی طرح ایام بارش ختم ہونے کے بعد جب رت بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور سردی کا آغاز ہر عالم اور جاہل کو یکساں طور پر محسوس ہوتا ہے تو لوگ سرمائی انتظام میں مصروف ہو جاتے ہیں

پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ جنتری کو الٹ پلٹ کرنے کی حاجت آخر انگریزی مہینوں کے معمولی
حساب سے تو دونوں پر عبادت جلال سے متعلق ہوتے ہیں فقط روزی کا موقع ملتا ہے اب یہ دیکھنا باقی
ہے کہ لوازمات زندگی میں سے کن کیلئے تعیین اوقات کی ضرورت ہے زراعت تجارت اور
ملازمت کے علاوہ عبادات بھی ایک لازمہ شریعت ہے جس کو ہر طبقہ و مذہب کے آدمیوں نے انسان
کی بڑی ضرورت بتایا ہے اور عبادت کیلئے ہر مذہب میں اوقات معین ہیں اور ان میں اوراد روزانہ
بھی ہیں اور سالانہ بھی چنانچہ سالانہ اوقات مقررہ میں سے دو اس وجہ کی عبادات ہیں جو ارکان
اسلام میں داخل ہیں یعنی روزہ اور حج روزے کے لئے ایک مہینہ مقرر ہے اور حج کے لئے بھی ایک
دن خاص کر دیا گیا ہے غالباً اس لئے کہ یہ بہار کی موافقت ہے باقی اور مصلحت مالک حقیقی کے
علم میں ہو بہر حال تعیین وقت کی تو کسی صورت ہر ایک دین کے مذہب اور طریق عبادت میں
موجود ہے پس جو سبب غور ہے کہ اگر ماہ صیام کیلئے بلحاظ سال شمسی ٹھنڈے اور چھوٹے دن شامل
دسمبر یا جنوری منتخب کئے جاتے ہیں یعنی مارچ اور ستمبر کے مہینے تو اسلام پر صاف یہ اعتراض وارد
ہوتا کہ سہولت کیلئے کیا اچھے دن چھانٹے ہیں اور اگر اس لحاظ سے ہمیشہ کیلئے اپریل سے لے کر
اگست تک کے کوئی تیس روز منتخب کر لئے جاتے تو ان ایام کی ناقابل برداشت سختیوں سے کبھی تو
کبھی اہل مذہب کے دل میں یہ کھٹکا ضرور ہوتا کہ دینداری کیسی سخت اور مشکل کر دی گئی ہے کہ
روزے کے ایام ہمیشہ کے لئے ایسے وقت میں کر دیئے ہیں کہ آسمان جلتا ہے اور زمین تپتی ہے
غرض سال شمسی کے لحاظ سے حج اور صیام کا تقرر بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن یہاں تک
جو وجوہ سال قمری کی فوقیت کے ہیں وہ معلومات قدیم کی بناء پر ہیں لیکن مجھے یہ دکھلانا ہے کہ جدید
جغرافی معلومات نے اس مسئلہ پر کہاں تک روشنی ڈالی ہے چنانچہ اس علم کے ماہرین بخوبی واقف
ہیں کہ خط استواء کے لحاظ سے زمین کی تقسیم نصف کرہ شمالی اور نصف کرہ جنوبی میں ہوتی ہے اور
چونکہ آفتاب چھ مہینے شمال میں اور چھ مہینے جنوب میں خط استواء سے رہتا ہے اسلئے دونوں کروں
میں ایک ہی وقت میں موسم برعکس رہتا ہے یعنی اگر نصف کرہ شمالی میں گرمی ہے تو جنوبی میں جاڑا

تو ماہ جون کا مہینہ یورپ ایشیا شمالی امریکہ شمالی افریقہ میں سخت گرمی کا ہوتا ہے تو جنوبی افریقہ جنوبی امریکہ اور آسٹریلیا میں کڑاکے کے جاڑے کا ہوتا ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اگر سال شمسی کے حساب سے کوئی مہینہ مقرر ہوتا تو آدھی دنیا ہمیشہ تکلیف میں رہتی اور دوسری نصف آرام میں۔ لیکن موسم کے ساتھ طوالت لیل و نہار میں بھی تفاوت ہے یعنی موسم گرما میں آباد حصہ دنیا میں ۱۴ گھنٹے سے لے کر ۲۰ گھنٹے تک کا دن ہوتا ہے اور برخلاف اسکے موسم سرما میں ۱۲ گھنٹے سے لیکر ۱۴ گھنٹے تک کا دن رہ جاتا ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر جون کا مہینہ ماہ صیام ہوتا تو نصف کرہ شمالی کے باشندوں کو علاوہ تپش و حرارت اور تشنگی کی شدت برداشت کرنے کے چودہ اٹھارہ اور بیس گھنٹے تک روزہ رکھنا پڑتا اور کرہ جنوبی میں باوجود سردی کے چھ یا آٹھ گھنٹے تک بھی ولذت دنیاوی ترک کرنا کافی ہوتا اور یہی ایک صریح عدم مساوات کر دیتا کہ نعوذ باللہ جس نے یہ قاعدہ قرار دیا ہے وہ خود کرہ زمین کی ساخت اور اس پر موسموں کی کیفیت اور تغیرات سے ناواقف ہے اور وہ مذہب جس میں ایسا قاعدہ ہو نیک لوکل یا مختص المقام مذہب ہے نہ کہ یونیورسل یعنی عالمگیر اس اشکال کو سال قمری ہی نے طے کیا ہے۔ اس کے مہینے چھتیس برس تک ہر شمسی موسم کے حصہ میں سے گزرتے ہیں اور اگر ایک زمانہ عبادت گرمیوں میں آتا ہے تو چند سال بعد خزاں میں اور پھر بہار میں چنانچہ ہر ۳۶ سال کی مدت میں نصف کرہ شمالی اور نیز جنوبی میں ماہ صیام ہر موسم کے ہر حصے میں گزر کر ایک اکمل عدل کی صورت پیدا کرتا ہے جس سے صاف روشن ہے کہ دین اسلام جس ذات کے نزدیک دین حق ہے وہ ذات پاک ہے جس کو حکیم مطلق اور خداوند حق کہتے ہیں جو مالک اور صانع ہر شے کا ہے اور جو تمام امور عالم سے بخوبی واقف ہے اور ایسا اصول صرف اس حکیم و علیم کی آسمانی مدد سے قائم ہو سکتا ہے جو اس زمین کا پیدا کرنے والا اور صانع ہے ورنہ جس زمانہ میں دین اسلام پہنچا ہے اسوقت تک جنوبی امریکہ معلوم تھی نہ نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کا وجود تھا نہ نصف کرہ شمالی و جنوبی میں اختلاف موسم کی بحث درپیش تھی علی ہذا القیاس ایام حج بھی ایک موسم پر منحصر نہیں ہیں اور رفتہ رفتہ ہر موسم میں آتے رہتے ہیں حجاج کو ہر موسم میں سفر کرنے کا موقع مل سکتا ہے

یہی وجوہات مختصر کر بالا سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے پورے سال کے ماہ تو سال
قمری ہی موزوں ہو سکتا ہے نہ کہ سال شمسی فقط۔

ضمیمہ نمبر ۳

منقول از مشیر مرزائی ۸ نومبر ۱۹۱۳ء

لا تغلق باب التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها

حدیث صحیح میں سے ایک حدیث ہے جس کے بامحاورہ معنی یہ ہیں کہ جب تک آفتاب بجائے غروب سے طلوع نہ کرے گا اس وقت تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا یعنی ہر گنہگار کی توبہ اس وقت تک قبول ہو جاوے گی جب تک آفتاب بجائے غروب سے طلوع نہ کرے گا اور جب ایسا ہو جائے گا۔ تو پھر باب توبہ بند ہو جاوے گا۔ اور کسی کی توبہ قبول نہ ہوگی یہ ایک ایسی حدیث ہے کہ نہ تو اس کی صحت میں شک ہو سکتا ہے اور نہ اس میں پوشیدہ طور پر کوئی ایسے معنی رکھے ہیں کہ جو کچھ صورت پیدا کریں اب وہ موقع ہے کہ جس کو نزدیک نئے اسلامی آدمی کے ہر ایک تعلیم یافتہ نوجوان اور آزاد طبع شخص چاہے وہ فلسفہ سے کچھ نسبت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اور خواہ سائنس کے نام کے سوا اور کچھ بھی نہ جانتا ہو یقینی یہ کہہ اٹھے گا کہ (معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد) یہ لاحول والی ہے کیسی الٹی منطق ہے اور یہ کیسی اسلامی پیشین گوئی ہے اور کس طرح اسلامی فلاسفر اور علماء ریاضی دان اس پر اعتقاد رکھتے ہیں نہ تو عقل ہی اس کو تسلیم کرتی ہے اور نہ مشاہدہ ہی اس حساب کو درست ثابت کرتا ہے اور ہمارے آریہ بھائی اگر کہیں اس حدیث کو سن پاویں گے تو جھٹ سے قانون قدرت کا ڈھنڈورا اونچی دھن میں الگ الاپنے لگیں گے ادھر مسائل ہیئت کے تھوڑے سے جاننے والے بھی کہنا شروع کر دیں گے کہ مغرب سے طلوع آفتاب کے کیا معنی بھلا کیا مغرب کسی خاص شہر کا نام ہے روزانہ کا مشاہدہ اور تجربہ تو ہم کو بتلا رہا ہے کہ ہر جگہ کا مشرق اور مغرب جداگانہ ہے اور روزانہ ہر ایک جگہ کا نقطہ مشرق و نقطہ مغرب بدلتا رہتا ہے تو پھر

اور ان کی علامت کرنے کو تیار ہیں اور وہ اس طرح کہ اگرچہ یہ مسلم امر ہے کہ مشرق و مغرب محض فرضی اور نسبتی نام ہیں نہ حقیقی اور چونکہ جانب طلوع آفتاب کو مشرق اور جانب غروب آفتاب کو مغرب کہتے ہیں اور سال بھر تک نیا مشرق و مغرب ہوتا رہتا ہے جس کی ابتدا اول سرطان سے اور انتہا آخر قوس تک ہوتی ہے یعنی ۲۵ جون سے ۲۵ دسمبر تک (۱۸۳) دن تک ہر روز نیا مشرق اور نیا مغرب قدرت نے رکھا ہے بموجب عرض بلد کے پھر چونکہ آفتاب اپنی شعاعوں سے ۹۰ درجہ مشرق اور ۹۰ درجہ مغرب کو کسرے زائد روشن کرتا ہے اس سبب سے روزانہ نقطہ مشرق معینہ مغرب ان لوگوں کا ہے جو ہم سے بارہ ہزار میل یورپ میں آباد ہیں یہ اختلاف مشرق و مغرب بموجب طول بلد کے ہے یہ تو اس قادر مطلق کی روزانہ کی قدرت نمائی ہے لیکن جس مغرب سے ہم کو بحث کرنا ہے حقیقتاً یہ وہ مغرب نہیں ہے اور ممکن ہے کہ بعض احباب اس مثال کو نہ مانیں کہ اس سے ہمارا مدعا ثابت نہ ہو الغرض اسکو ہم اپنی ہی حالت پر چھوڑتے ہیں اور اس صحیح مغرب کو آپ بتلاتے ہیں جسکی بابت مخبر صادق علیہ التحیات والسلام نے پیشین گوئی فرمائی ہے مجھے ان احباب سے کوئی بحث نہیں جو خلقت عالم ہی کے قائل نہیں ہیں اور جنکا خیال ہے کہ یہ عالم اچانک اور اتفاقیہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ان کے اس خیال باطل کی تردید ایک علیحدہ چیز ہے۔ اور ایسے منکرین دہریوں کی قلعی تحقیقات جدیدہ خود ہی کھولتی جاتی ہے لیکن وہ شخص جو آفتاب کو قدیم بالذات نہیں مانتا بلکہ مخلوق اور احادیث جانتا ہے اسکو یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ سب سے اول روز یعنی عین وقت پیدائش آفتاب نے کسی ایک نقطہ سے طلوع کیا ہو گا پس سب سے پہلے آفتاب نے جس نقطہ سے طلوع کر کے اپنی شعاعوں سے سطح زمین کو روشن کیا وہی نقطہ مشرق حقیقی آفتاب کا ہے اور عدل فی القسمۃ کی رو سے چونکہ دن اور رات کو مساوی زمانہ ملنا چاہیے یعنی رات دن میں سے ہر ایک پورے بارہ گھنٹے کا ہونا چاہیے جیسا کہ سال میں دوبار ۲۱ مارچ و ۲۳ ستمبر کو ہوتا ہے اور ان دونوں تاریخوں کو اکثر بلاد معمورہ میں دن رات مساوی طور پر پورے ۱۲۔۱۲ گھنٹے کے بعد جس نقطہ پر آفتاب آیا ہو گا وہی حقیقی مغرب اس کا ہے جس کا علم خداوند عالم کو ہے کہ آفتاب کا اصلی مغرب یہی

ہے اب قابل ملاحظہ یہ امر ہے حدیث مقدس میں حتی من مغربہا ارشاد ہوا یعنی اپنی جانب
مغرب سے تو کیوں فرمایا گیا ہے کہ من مغربکم یعنی تمہارے مغرب سے اس اپنے مغرب اور
تمہارے مغرب نے صاف کر دیا کہ حقیقتاً ہمارا مغرب تو مختلف زمینی اور نسبتی ہے اس وجہ سے کہ
اس عالم علم لدنی علیہ التحیۃ والثناء کے علم میں یہ امر اس وقت موجود تھا کہ ہر طبقہ کے رہنے والے
مسلمانوں کا مغرب جداگانہ ہے لہذا مغرب کی اضافت اسی آفتاب کی طرف فرمائی گئی جس سے
مراد اصلی یہ ہے کہ جس روز آفتاب کو موجود کر کے خالق عالم نے پہلا مطلع اور مشرق بنایا تھا اسی
اعتبار سے پہلا مغرب جس نقطہ پر ہے بروز قیامت آفتاب اسی نقطہ سے طلوع کرے گا اور دنیا الٹ
پلٹ ہو کر مشرق کا مغرب اور مغرب کا مشرق ہو جانا بھی ہو سکتا ہے یوم تبدل الارض غیر
الارض (اس روز کے بعد یہ زمین دوسری زمین سے بدلی جائے گی) یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ حقیقی
مشرق و مغرب آفتاب کا کوئی ایک خدا کے علم میں ہے لیکن یہ بات ابھی باقی ہے کہ طلوع آفتاب
مغرب سے کیونکر ہوگا اور یہی راز ہی کی تعبیر ہے جس کا یقین سخت مشکل ہے لیکن خدا کا شکر ہے
کہ تحقیقات جدیدہ نے اس معمہ کو بھی حل کر دیا اور آج سے ساڑھے چار سو برس قبل سے اس کا پتہ
چلنا ہم کو شروع ہو گیا ہے کیونکہ تحقیقات جدیدہ نے ساڑھے چار سو سال ہوئے کہ ہم کو ایک ایسا
پتھر دستیاب کرا دیا جس سے ہم نے قطب نما بنایا اور اسی پتھر کے ذریعہ سے خط شمال قائم ہو گیا بعدہ
اسی خط پر دوسرے خط مارنے سے جو چاروں سمتیں صحیح طور پر قائم ہوئیں اسی کا صدقہ تھا جس کے
ذریعہ سے کولمبس نے علم جہاز رانی میں یہ ترقی دکھلائی اب آپ اگر لندن و پیرس کی رصد گاہوں میں
چل کر موجودہ زمانہ کے ہیئت دانوں سے دریافت فرمایئے تو وہ آپ کو حال کی تحقیق اور اس وقت
کے مشاہدہ و تجربہ سے بتلا دیں گے کہ قطب نما کی سوئی شمال سے مشرق کو ہٹتی جاتی ہے تحقیقات
جدیدہ کی رو سے یہ بات آج ہم کو معلوم ہوئی ہے کہ قطب نما کی سوئی شمال کی جانب سے مشرق
کو ہٹ رہی ہے یعنی نقطہ شمال جو آج سے ساڑھے چار سو سال قبل تھا وہی شمال نقطہ کچھ صدیوں بعد
نقطہ مغرب ہو جاوے گا جب ایسا ہوگا تو لازمی امر ہے کہ نقطہ مغرب نقطہ جنوب اور نقطہ

این جہان یک فکرت است از عقل کل	عقل چوں شاہ است و صورتہا رسل
عالم اول جہان امتحان	عالم ثانی جزائے ایں و آں
چاکرت شاہا جنایت می کند	آں عرض زنجیر و زنداں می شود
بندہ ات چوں خدمت شائستہ کرد	آں عرض نے خلعتی شد در نبرد
ایں عرض با جوہر آں بیضہ است و طیر	ایں ازاں و آں ازیں زاید بسیر

یعنی بادشاہ نے بغرض امتحان اس غلام کے اس سے سوال کیا اور امتحان کا قرینہ یہ ہے کہ آخر قصہ سے کہ بادشاہ نے دونوں غلاموں کے اقوال سے استدلال کیا ان کے اخلاق پر اور حسن اسیرۃ کو انکے اخلاق ذمیمہ کے سبب باوجود اس کی قبح صورت کے مخذول کیا اور یہ استدلال اور اسکے مقتضا کا امتثال یہ کام عارف ہی کا ہے پس عارف کا سوال ظاہر ہے کہ امتحان ہی کے سبب ہوگا۔ وصرح بکونہ امتحاناً بعض المحشین علی قولہ گفت ۔ عبارۃ الحاشیۃ چوں شاہ اختبار او کرد معلوم کرد کہ او عالم الاسرار است ج ۳ ا ۔ ر ۔ شاہ منشہ الخ الواقع بعد الابیات المذکورۃ متصلاً ویدل علیہ قولہ بنفسہ حق یمن بنمود وقولہ تونہ شانی وہ کہ من دانم تمام الواقع بعدھا غیر متصل۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ تو اپنا کچھ حال بیان کر کہ تو نے اپنی روح کے حسن کرنے کی کیا کوشش کی ہے اور اسکی ضرورت بطور خطاب کے ایک آیت سے بطور تفسیر خاص بیان کی کہ حق تعالیٰ نے من جاء بالحسنۃ فرمایا ہے من عمل الحسنۃ نہیں فرمایا جس سے اقرب یہ ہے کہ یہ حسنہ عمل نہیں بلکہ مصدر عمل یعنی روح انسانی ہے جسکو اعمال سے حسن بنا کر درگاہ حق میں لانا چاہیے کیونکہ آوردن کا متعلق جوہر ہو سکتا ہے نہ کہ عرض کیونکہ العرض لا یبقیٰ فی آنین پھر آوردن اسکے متعلق کیسے ہوگا نیز اعراض لا ینتقل من محل الی محل اور آوردن ایک نقل ہے البتہ اعراض یعنی اعمال مکمل یعنی زیور اس روح کے ہو سکتے ہیں اور دال اسکا من قولہ چوں زیر ہمہ چیزے الخ قولہ گفت کہ ان اث غلام نے جواب دیا کہ تم جو عدم نقل اعراض سے استدلال کرتے ہو یہ استدلال نا تمام ہے جو یہ مقدمہ کی علامت نہیں پس نقل

ممکن ہے تو عدم انتقال بھی ممکن ہے مگر ان دونوں معنوں میں نقل اولیٰ با قبول ہے کیونکہ عدم نقل کا قائل ہونا مصلحت عدم کے کہ وہ جب سنیں گے کہ ہمارے اعمال آخرت میں نہ جائیں گے تم قسمی سے مایوس ہو جاویں گے اور عمل میں سستی کریں گے جسطرح بعض احادیث مبشرہ کو اسی سستی کی مصلحت سے چندے ظاہر نہیں کیا گیا آگے بیان ہے اعراض کے امکان نقل کا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کے امتناع کی کوئی دلیل نہیں اصلی جواب تو اسی قدر ہے باقی اسکی توضیح ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ نقل اعمال میں عقلی اشکال صرف یہ ہے کہ یہ نقل اعراض یعنی اعمال من الدنیا الی الآخرہ کو مع الموضوع تو ظاہر الجواز ہے لیکن جس طرح نصوص سے معلوم ہے کہ مثلاً ان کا وزن کیا جاوے گا اور ظاہر ان نصوص سے یہ ہے کہ عامل کا وزن نہ ہوگا۔ جس یہ نقل مع الموضوع نہیں ہے بلکہ اس میں دو احتمال ہیں یا تو وہ اعراض اعراض رہیں گے یا مستحیل الی الجواہر ہو جاویں گے دونوں شق باطل ہیں اول اس لئے کہ نقل اعراض بلا موضوع محال ہے دوسرا اسلئے کہ عرض کا جوہر بننا محال ہے بس یہ ہے اس میں اشکال عقلی سو اس کا جواب باختیار شق ثانی ہو سکتا ہے اور ہم اسکا استحالہ نہیں مانتے۔ سند منع یہ ہے کہ ہم خود دنیا ہی میں دیکھتے ہیں کہ اختلاف موطن سے ایک ہی چیز عرض و جوہر ہو سکتی ہے مثلاً صورت عقلیہ جواہر کی کہ ذہن میں عرض ہے کیونکہ موجود فی موضوع ہے اور خارج میں جوہر۔ کیونکہ موجود لا فی موضوع ہے اور دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے اگرچہ بعض ہی کے نزدیک سہی جو کہ قائل ہیں حصول اشیاء فی الذہن بانفسہا کے اور گو بعض نے عرض و جوہر کی تفسیر میں لفظ وحدت فی الخارج کی قید لگا کر اس صورت ذہنیہ پر عرض پر صادق آنے سے انکار کیا ہے مگر اس سے ہمارے اصل مقصود میں خلل نہیں آتا کیونکہ قول حصول اشیاء بانفسہا پر حقیقۃ واحدہ ہی کا وجود فی موضوع فی موطن اور وجود لا فی موضوع فی موطن تو ثابت ہو اور یہی اصل مقصود ہے۔ خواہ اس کا نام کچھ ہی رکھ لیا جاوے پس جو نسبت ذہن کو خارج کے ساتھ ہے اگر وہی نسبت خارج دنیا کو خارج آخرت کے ساتھ ہو اور اسی وجہ سے یہاں جو اشیاء موجود فی موضوع ہیں وہ وہاں موجود لا فی موضوع ہو جاویں تو اس میں کیا استحالہ

ہے چنانچہ اہل کشف نے اس عالم شہادت کے مقابلہ عالم غیب کے لفظ خیال وغیرہ کا اطلاق کیا بھی ہے اور اشیاء کا اس عالم غیب میں وجود اپنی موضوع ظاہر نصوص سے معلوم ہوتا ہے قولہ علیہ السلام لما خلق الله الرحم قامت فقالت هذا مقام العائذ بك من القطيعة اور بہت نصوص سے اس عالم کے بعض بھی یہی معلوم ہوتے ہیں قولہ

علیہ السلام ان البقرة وآل عمران تاتیان یوم القیامة کانهما غمامتان او غیایتان او فرقان من طیر وكقوله علیه السلام یؤتی بالدنیا یوم القیمة فی صورة عجوز شمطاء. چنانچہ اسی تشکل خاص کے اعتبار سے اس عالم کا لقب اصطلاح میں عالم مثال رکھا گیا ہے نیز الشاہ ولی اللہ فی الحجۃ البالغۃ ورد فیہ احادیث کثیرۃ اور مولانا جلال الدین محقق الدوانی نے اپنے رسالہ زوراء اور اس کے حواشی میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے عبارتہا۔

(تنبیہ) کانك فیما قرع سمعك من هذه المقدمات اطلعت علی حقیقة الانطباق بین العوالم علی حقیقة العوالم بل انكشف علیك اسرار غامضة فی حقیقة المبداء والمعاد وتیسر علیك مشاهدة الواحدة الحقیقی فی الكثرات من غیر شوب ممازجة ولا انفصال وتسلقت به الی حقائق ما انباء عنه لسان النبوات من ظهور الاخلاق والاعمال فی المواطن المعادیة بصور الاجساد وكیفیة وزن الاعمال وسر حشر الافراد بصور الاخلاق الغالبة علیهم واطلعت علی سر قوله تعالیٰ وان جهنم لمحیطة بالکفرین وقوله تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یا کلون فی بطونهم ناراً وقول الخاتم لفاتح علیه وعلیٰ اله افضل الصلوة والتحیة الذین یشربون فی انیة الذهب والفضة انما یجرجرون فی بطونهم نار جهنم وقوله علیه الصلوة والسلام ان الجنة قیعان وان غراسها سبحان الله وبحمده الی غیر ذلك من

غوامض الحکم والاسرار الا لہیۃ وعلمت ان جمیع ذلک علی الحقیقۃ لا علی المجاز والتاویل کماانتھی الیہ نظر بعض الواقلین فی الفحص عن الحقائق بطریق البحث فانہ تصور ظاھراً کما لا یخفی (شک و تحقیق) لعلک تقول کیف یکون العرض بعینہ ھوا لجواھر وکیف یکون العین والمعنی واحد والحال ان الحقائق متخالفۃ بذ وانھا منقول قد لوحنا الیک ان الحقیقۃ غیر الصورۃ فانھا فی حدہ انھا وصواقۃ عاریتہ عن جمیع الصور التی تبخلی بھا لکنھا تظھر فی صورۃ تارۃوفی غیرھا اخری والصورتان متغا یراتان قطعا لکن الحقیقۃ المتجلیۃ فی الصور تین بحسب اختلاف المومنین شیٔ واحد.

(تشبیہ) ما اشبہ ذالک بما یقولہ اصل الحکمۃ النظریۃ ان الجواھر باعتبار وجودھا فی الذھن اعراض قائمۃ بہ محتاجۃ الیہ ثم ھی فی الخارج قائمۃ بانفسھا مستغنیہ عن غیرھا فاذا اعتقدت ان حقیقتہ تظھر فی موطن بصورۃ عرفیہ محتاجۃ فی اخربصورۃ مستغنیۃ مستقلۃ فاجعل ذالک ثانیاً لک لکسر بہ صولۃ بنو طبعک عنہ فی بذ والنظر حق یاتیک الیقین وتتصعد الافق المبین. انتھی بقدر الضرورۃ.

پس اس تقریر سے جواب ہو گیا استدلال علی امتناع نقل الاعمال بامتناع نقل الاعراض کا اور اسی سے مستدل کی دوسری دلیل عقلی یعنی عدم بقاء اعراض اور دلیل نقلی یعنی من جاء بالحسنۃ الایۃ کا جواب بھی مستفاد ہو گیا کہ بلسان غلام اس سے بوجہ ظہور کے تعرض نہیں کیا گیا عدم بقاء اعراض کا تو جواب یہ ہوا کہ اگر یہ عدم بقاء مان لیا جائے گو اس پر کوئی دلیل صحیح قوی قائم نہیں ہوئی مگر ماننے کی تقدیر پر وہ عدم بقاء در صورت عرض کے عرض ہونے کے ہے اور اگر عجز و صدور دوسرے عالم میں بصورت جوہر یہ منتقل ہو جاوے تو پھر بقاء میں کیا امتناع ہے اور استدلال بآیۃ کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تفسیر مان بھی لی جاوے تو جب یہ عمل بھی جوہر بن گیا تو وہ بھی یہ اس پر بھی

مثل روح حسن کے صادق آتا ہے۔

یہ تقریر ان اشعار تک کی ہے وقت محشر ہر عرض را صورتے ست الخ آگے تنویر دعویٰ امکان مذکور کیلئے چند امثلہ اشیاء جوہریہ متصورہ فی الذہن کی ہیں جو ذہن میں فی موضوع اور خارج میں لافی موضوع ہیں اس شعر تک ۔ گرچہ شاخ و برگ نقش الخ اور پھر مضمون مذکور پہ ایک نظیر کی تفریع بطور جملہ معترضہ کے ہے گو وہ اس کی مثال نہیں پس مرے کہ مغز الخ آگے شعر نقل اعراض الخ میں یہ بیان کیا ہے کہ عرض موجود فی مرتبۃ العلم جس طرح کبھی خارج میں جوہر ہو جاتا ہے کما ذکر اسی طرح کبھی عرض بھی رہتا ہے چنانچہ یہ حث و مقال کہ پہلے سے ذہن میں تھا اور عرض تھا بعد نقل کے خارج میں بھی عرض ہی رہا اور دوسرے مصرعہ میں پھر ایک نظیر عرض فی مرتبۃ العلم کی جوہریت فی الخارج کی بیان کی نقل اعراض است ایں شیر و شغال۔ اور نظیر اس لئے کہا گیا کہ مراد اس مصرعہ میں وجود فی مرتبۃ العلم الالٰہی ہے اور وہ عرض ہونے سے منزہ ہے لتنزہ عن الامکان اسی طرح اسکے بعد کے شعر جملہ عالم خود عرض بود ند الخ میں اسی مرتبہ علم الٰہی میں تمام عالم کے کالعرض ہونے کو بتلایا پس یہ بھی نظیر ہے آگے شعر ایں عرضہا از چہ زائید میں اختلاف موطن سے جواہر کا عرض ہونا اور عرض کا جواہر ہونا بتلاتے ہیں اس طرح سے کہ اعراض موجودہ فی الدنیا عالم مثال میں صور جوہریہ تھے وہو معنی قولہ ایں عرضہا از چہ زائید از صور کما ذکرہ قبل من الشیخ ولی اللّٰہ اور صور جوہریہ موجود فی الدنیا علم الٰہی میں کالعرض تھے وہو معنی قولہ ویں صور ہم از چہ زائید از فکر اور شعر ایں جہاں یک فکر تست اسی مصرعہ ثانیہ کی شرح ہے اور یہ احکام مذکورہ فی الاشعار القریبہ وجود قبل عالم الدنیا کے متعلق تھے۔ آگے وجود بعد الدنیا کے بھی احکام کہ اس میں سے اعظم عرض کا جوہر ہوتا ہے مذکور ہیں اس شعر میں اول الیٰ قولہ بعد مات اور اسکے اعظم ہونے کے سبب یہاں ذکر میں اس کی تخصیص کی گئی آگے تمام مقام کا خلاصہ کہ کبھی جوہر سے عرض اور کبھی عرض سے جوہر ظاہر ہوتا ہے اس شعر میں فرماتے ہیں ایں عرض با جوہر الخ

تہذیب المقام و تقریب المرام الی عامۃ الافہام: اگر انصاف سے غور کیا جاوے تو عرض کا جوہر ہو جانا جسکا کہ تقریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے اس سے زیادہ بعید نہیں ہے کہ جوہر عرض ہو جاوے اور حصول الجواہر فی الاذہان میں شب و روز اس کے وقوع کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو پھر آخرت میں اسکا وقوع کیا مستبعد ہے سو یہاں حصول فی الذہن کے وقت جواہر سے لباس مادے کی منسلخ ہو کر وہ موجود فی موضوع ہو جاتا ہے وہاں وزن وغیرہ کے وقت عرض پر مادہ ملبوس ہو کر وہ موجود لافی موضوع ہو جاوے تو اس میں کیا تعجب اور بعد ہے اور راز اس میں یہ کہا جاوے گا کہ جوہریت اور عرضیت ذاتیات سے نہیں ہیں منجملہ کیفیات ظہور حقیقت کے ہیں اور حکماء کا مقولات عشرہ کو اجناس عالیہ ماننا کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ اب اسکی مسلم ہے خاص کر جب کہ ان کے اکابر خود اسکی تصریح کرتے ہیں کہ عرض عام اور جنس میں اسی طرح خاصہ اور فصل میں فرق کرنا بہت دشوار ہے۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی ممارسۃ من الفنون و نیز بعض محققین مثنوی نے اس کی اس طرح تصریح کی ہے۔ تحقیق مقام آن ست کہ جوہریت و عرضیت از ذاتیات حقائق نیست۔

اور مولانا بحر العلوم نے بھی اپنے حواشی میں اسکی تائید کی ہے اور یہ سوال کہ عرض کا جوہر ہونا کسی طرح اسکو عقل قبول نہیں کرتی دوسرے سوال سے معارض ہے کہ جوہر کا عرض ہو جانا باوجود روز و شب کے وقوع کے آج تک عقل اسکی کنہ کو نہیں سمجھ سکی واللہ مجھ کو تو جب اس میں غور کرتا ہوں حیرت ہوتی ہے کہ الٰہی اس قیام الصورۃ بالذہن و اتصاف الذہن بالصورۃ کی کیا حقیقت ہے اور کیا کیفیت ہے اور اس حال و محل یعنی صورت و ذہن میں کیا علاقہ ہو جاتا ہے اور اس حلول سے ذہن میں کیا تاثر ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت موجودہ فی الاعیان میں تجرد عن المواد کا کیسے تغیر ہو جاتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر شب و روز کے وقوع سے اس حیرت کی طرف التفات نہیں ہوتا گو کیفیت و حقیقت نہ جاننے کا اعتراف سب کو ہے چنانچہ آج تک یہ طے نہ

چوں ز خشم آتش تو در دلہا زدی	مایہ نار جہنم آمدی
آتش اینجا چوں مردم سوز بود	آنچہ از وے زاد مرد افروز بود
آتش تو قصد مردم می کند	نار کزوے زاد بر مردم زند
آں سخنہائے چو مار و کژدمت	مار و کژدم گشت و می گیرد دمت

(توجیہ آخر)۔ اگر باوجود اس قدر بسط وایضاح کے اب بھی کسی کی عقل اس جوہریت اعراض کو قبول نہ کرے تو وہ نقل اعمال کی دوسری توجیہ اس طرح سے سمجھ لے کہ یہ اعمال گو ظاہرا اعراض ہیں مگر واقع میں وہ جواہر ہیں جیسے اور بھی بعض اشیاء ایسی ہیں کہ ان کو بہت عقلاء نے اعراض سمجھا مگر دوسرے عقلاء نے ان کے جوہر ہونے کا دعویٰ کیا۔ جیسے قدماء میں کیفیت شم میں اختلاف ہے کہ آیا ہوا کیفیت مشموم سے متکیف ہو کر شامہ کی مدرک ہوتی ہے یا مشموم سے کچھ اجزاء منفصل ہو کر شامہ تک پہنچتے ہیں یا اب متاخرین میں بعض فلاسفر نے نور شمس وغیرہ کو جس کو اب تک عرض کہا جاتا تھا۔ جوہر مانا ہے۔

پس اسی طرح ممکن ہے کہ جب آدمی سے کوئی طاعت یا معصیت صادر ہوتی ہو فوراً اس عامل سے کچھ اجزاء جوہریہ غیر مبصرہ للعامہ طیبہ یا خبیثہ حاملہ لکیفیۃ العمل منفصل ہو کر دوسرے کسی عالم میں کسی طریق سے منتقل ہو جاتے ہیں اور وہ وہاں بصور مناسبہ محفوظ رہتے ہوں اور قیامت میں وہی معروض اور موزوں ہو جاویں اور بعض اہل کشف سے جو منقول ہے کہ انہوں نے غسالہ میں سے پانی نکلتا ہوا دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ ان قطرات میں مجھ کو زنا کا نقشہ نظر آتا ہے۔ سو عجب نہیں کہ اس میں پانی میں ان ہی اجزاء میں سے بعض اجزاء موجود ہوں اور وہ ہیئت زنائیہ ان اجزاء میں حال ہو اور اسی طرح انکو مکشوف ہو گئے ہوں اور میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے قولہ تعالیٰ ووجدوا ما عملوا حاضرا کی تفسیر میں سنا ہے کہ ہر عمل کی ہیئت بھی قیامت میں نظر آوے گی۔ مثلاً چور چوری کرتا ہوا نظر آوے گا زانی زنا کرتا ہوا سو عجب نہیں

کہ وہی اجزاء اس ہیئت سے نظر آویں اور ان اجزاء کی شکل عامل کی سی ہو اور اہل محشر کے بصر میں خاصیت خردبین کی پیدا ہو جاوے کہ وہ اجزاء خوب بڑے بڑے ہو کر اس عامل کے برابر جثہ میں نظر آوے واللہ اعلم اور اس توجیہ کی بناء پر مولانا کے کلام میں انکو اعراض سے تعبیر کرنا باعتبار زعم اہل ظاہر کے ہو گا۔

(افادہ) چونکہ یہ کیفیت عرض اعمال کی یعنی ان کا صور جوہریہ میں اوفق بظواہر الکتاب والسنة ہے اس لئے اس قول کو ارضی الاقوال کہا گیا جیسا رسالہ کا تسمیہ اس پر دال ہے۔ وللہ الحمد علی ماعلم والھم۔

ضمیمہ نمبر ۴

محاسن اسلام و قرآن کے متعلق غیر قوموں کی شہادتیں

جو اس مصرعہ کے مصداق ہیں الفضل ماشھدت بہ الاعداء

(الف) منقول از اخبار وکیل ۱۸ء جون ۱۹۱۳ء

اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت: جرمنی کے مشہور علمی رسالہ "دی بائف" میں نامور جرمن فاضل اور مستشرق علامہ جوائیم وی یولف نے اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت پر ایک نہایت قابل قدر مضمون لکھا ہے جس کی نقل ذیل میں ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ دین اسلام کے اصول و عقائد و قواعد کو اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی مانند ظاہر ہو جاتی ہے کہ موجودہ مسلمان انکی پابندی سے کوسوں دور ہیں اور اگر مسلمانوں میں کوئی ایسی اولوالعزم روح پردہ غیب سے شہود میں آئے جو ان کو از سر نو اسلام کے اصلی اور صحیح مرکز پر لے آئے تو اس میں کلام نہیں کہ انکی قوت کا طرہ افتخار آسمان تک جا پہنچے اور سیاسی اعتبار سے نہ سہی اخلاقی اجتماعی اور علمی پہلو سے وہ دنیا کی بساط پر ایک نہایت اہم مہرہ بن سکتے ہیں مجھے اس وقت

اسلام کی سیاسی اہمیت سے سروکار نہیں بلکہ میں صرف اس کے ایک خاص پہلو پر بحث کرنا چاہتا ہوں جس پر اس وقت تک شاید کسی یورپین نے غور نہیں کیا۔ یہ پہلو ان احکام و قوانین سے تعلق رکھتا ہے جو قرآن کریم نے حفظان صحت اور تندرستی کے متعلق اپنے ماننے والوں پر فرض کئے ہیں میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین کی تمام کتب سماوی پر قرآن کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے اگر ہم شاندار مگر سادہ واجبات و فرائض حفظان صحت پر نظر کریں جو قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں اور پھر اس امر پر غور کریں کہ ان کی پابندی کرنے والوں کو جنت الفردوس کے مستحق قرار دینے میں اس کی کیا حکمت ہے تو ہم پر روشن ہو جائے گا کہ اگر یہ صحیفہ آسمانی اور کلام ربانی ساکنان ایشیا کو نہ ملتا تو ایشیاء کا سا دلربا آفرین خطہ زمین یورپ کے حق میں اور بھی بلاخیز ہو گیا ہوتا۔ اسلام نے صفائی اور پاکیزگی اور پاکبازی کی صاف و صریح ہدایات کو نافذ کر کے جراثیم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچا دیا ہے غسل اور وضو کے واجبات نہایت دور اندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں۔

غسل میں تمام جسم اور وضو میں ان اعضاء کا پاک صاف کرنا ضروری ہے جو عام کاروبار یا چلنے پھرنے میں کھلے رہتے ہیں منہ کو صاف کرنا اور دانتوں کو مسواک کرنا ناک کے اندرونی گرد و غبار وغیرہ کو دور کرنا یہ تمام حفظ صحت کے لوازم ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آب رواں کا استعمال ہے جو فی الواقع جراثیم کے وجود سے پاک ہوتا ہے حضرت محمد ﷺ نے لحم خنزیر میں اور بعض ممنوع جانوروں کے اندر امراض ہیضہ و تاں فالیں وغیرہ کا خطرہ دریافت کر لیا تھا حیوانات کے ذبح کرنے کا جو طریقہ شارع اسلام نے تلقین کیا ہے وہ بہت ضروری اور اہم ہے گرمی اور حدت جانوروں کے خون میں مواد فاسد پیدا کرتی اور ہزارہا ایسی بیماریوں کا باعث ہوتی ہے جو نسل انسانی کے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے ایسے بیمار جانوروں کے جراثیم پیدا کر دیتا ہے اس لئے ذبح کرنے کے عمل میں جانور کے خون کا کثرت سے خارج ہونا لازمی ہے غسل اور وضو سے جو صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور حفظ صحت کی ان دو شرطوں کے بعد تیسری اہم اور قابل قدر شرط ورزش

کا ملی چیز وہی ہے جو خالص بھی ہو۔ بہر حال اسلامی تعلیمات کی یہ بڑی فضیلت اور منزلت اظہر من الشمس ہے بالخصوص اقتصادی اجتماعی و اقوام کے لحاظ سے اس کے اصول اور بھی قابل قدر اور لائق تحسین ہیں اس موقع پر یہ سوال قدرتاً دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں میں اسلام عملی صورت میں آجکل کہیں بھی موجود نہیں ہے اور اسکی بگڑی ہوئی ہیئت نے اپنے پیروں کو تنزل اور ضلالت و جہالت کے عمیق غار میں دھکیل دیا ہے تو آخر ان کا انجام کیا ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی ہونا چاہیے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو ان قوموں کا جواب مسلمان کہلاتی ہے کیا حشر ہو سکتا تھا اور ان ہی قوموں پر کیا منحصر ہے ہمیں خود اپنی نسبت یہ سوال کرنا چاہیے کہ اگر اسلامی تہذیب دنیا میں جلوہ فگن نہ ہوتی تو ہماری کیا کیفیت ہوتی آئیں احسان مندی کی رو سے ہم پر واجب ہے کہ عربی علوم و فنون نے ہمارے علوم و فنون پر جو حیرت انگیز اثر ڈالا ہے اس کو فراموش نہ کریں اگر عربوں نے فلسفہ ارسطو کا اپنی زبان سے ترجمہ نہ کیا ہوتا اور پھر عربوں کی معرکۃ الآراء تالیفات و تصانیف لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر ہم تک نہ آئی ہوتیں تو ہمیں اس فلسفہ کی اصل یونانی کتابوں کے حصول سے بہت مدت پیشتر ہی اسکا علم کیونکر ہو سکتا چند سو سال قبل ہی کا زمانہ لیجئے یورپ کے تشنگان علوم کا چشمہ شیریں اندلس کے عربی اسلامی دار العلوم تھے اور سچ پوچھو تو آج بھی جب کہ اسلام روبہ تنزل ہے ہم اسلام کے سیاسی علوم سے بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔ فقط۔

(ب) منقول از اخبار مدینہ بجنور ۹۔ مارچ ۱۹۱۹ء ج ۹۔

پیغمبر اسلام سے ایک جرمنی ڈاکٹر کی عقیدت: جرمن کے مشہور ڈاکٹر کوخ نے ایک مضمون اخبار الصحت میں لکھا تھا جس کا اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ تاکہ یہ ظاہر ہو کہ حدیث شریف کی جو تعلیم ہے وہ اسکی معقول ہے کہ ہر ایک سلیم الفطرت انسان خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو اسکو قبول کرے گا۔

ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے کہ جس وقت سے مجھ کو نوشادر کا داء الکلب کے لئے تیر بہدف علاج ہونا دریافت ہو گیا ہے اس وقت سے میں عظیم الشان نبی (یعنی محمد ﷺ کی خاص طور پر قدر و منزلت کرتا ہوں اس انکشاف کی راہ میں مجھ کو انہیں کے مبارک قول کی شمع نور نے روشنی دکھائی میں نے ان کی وہ حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈالے اس کو سات بار دھو ڈالو چھ مرتبہ پانی سے اور ایک مرتبہ مٹی سے یہ حدیث دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ محمد (ﷺ) جیسے عظیم الشان پیغمبر کی شان میں فضول گوئی نہیں ہو سکتی۔ ضرور اس میں کوئی مفید راز ہے۔ اور میں نے مٹی کے عنصروں کی کیمیائی تحلیل کر کے ہر ایک عنصر کا داء الکلب میں الگ استعمال شروع کیا۔ اخیر میں نوشادر کے تجربہ کی نوبت آتے ہی مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اس مرض کا یہی علاج ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مٹی سے برتن دھونے کی رغبت کیوں دلائی اس کی وجہ یہ ہے کہ نوشادر ہمیشہ مٹی میں موجود رہتا ہے اور اگر آپ نے محض نوشادر ہی سے برتن دھونے کی ہدایت فرمائی تو بسا اوقات اس کا ملنا غیر ممکن ہوتا اس لئے مٹی جو ہر وقت اور ہر جگہ پائی جاتی ہے برتنوں کی صفائی کیلئے بہترین ذریعہ صفائی تھا اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کی حدیث الحمی من فیح جهنم فاطفروا حرها بالماء پر اطباء ہنسا کرتے تھے حالانکہ آپ کی غرض اس ارشاد سے یہ تھی کہ صفراوی بخار کا علاج آب سرد سے کرو چنانچہ اب تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ بخار کا علاج صرف ٹھنڈا پانی ہی نہیں ہے بلکہ بر قاب ہے غرض کہ آنحضرت ﷺ کی بہت سی حدیثیں فن طب کی جان اور اصل الاصول ہیں اور تحقیق و تفتیش انکی صداقت کاملہ کا اظہار کرتی ہے۔ میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا اور کہتا ہوں انکی صداقت کاملہ کا اظہار کرتی ہے میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا اور کہتا ہوں کہ ابتدائے آفرینش آدم سے اب تک کوئی طبیب و حکیم دنیا میں آپ کا ہم پلہ پیدا نہیں ہوا۔

اللهم صلی علیٰ محمد و علیٰ ال محمد وبارك وسلم

(ج) منقول از اخبار وحدت ۲۔ فروری ۱۹۲۵ء ۲۱ ج ۲۔

قرآن تمام آسمانی کتابوں میں بہترین کتاب ہے

ڈاکٹر موریس نے جو فرانس کے نامور اہل علم مستشرق اور ماہر علوم عربیہ ہیں اور جنہوں نے گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا اپنے ایک مضمون میں جو "لا بارول فرانس رومان" میں شائع ہوا تھا ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جوابات دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ قرآن کیا ہے؟ قرآن اگر کوئی ایسی منقبت ہو سکتی ہے جس پر تمیں کروڑ (چالیس کروڑ مولف) انسان فخر کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں اس میں آسمان و زمین کے بنانے والے کی حمد و ثنا بھری ہے خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے جس نے چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق رہنمائی کی ہے (پیام آمین)

(د) منقول از اخبار وحدت ۸۔ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲۔

مسٹر آرنلڈ ہاٹ نے اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۱۹ء میں لکھا ہے۔

"وہ اسباق جو ہم عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے یہودیوں کے توسط سے سیکھتے ہیں (نصف یورپ ایک یہودی یعنی جناب مسیح اور بقیہ نصف ایک یہودن یعنی جناب مریم کی پرستش کرتا ہے) ہمیں بنی نوع انسان کیساتھ انسانیت سے پیش آنا اور تمام لوگوں کے خیالات کا احترام کرنا سکھاتے ہیں لیکن قرآن نے جس کو ایک ساربان کے فرزند نے لکھا مسلمانوں کو نہ صرف زبردست جنگ آرائی سکھائی بلکہ پرائیویٹ زندگی میں ہمدردی' خیرات' فیاضی' شجاعت اور مسلمان نوازی کا سبق پڑھایا۔

(د) منقول از اخبار صدق ۸۔ فروری ۱۹۲۶ء ج ۲۔

پادری کنیف نے لکھا ہے کہ توریت، زبور، انجیل، قرآن پڑھ میں نے دیکھے ہیں۔ مگر قرآن کتاب کل جس میں پر وار (حکمت سماوی کا آب ہے ۱۳) توریت، زبور، انجیل اور دیگر وتمام پڑھ کر دیکھے نے قرآن شریف کی تاثیل کیوں اور اصیفان کتب کی کتاب نغر آنی اور کتاب ایمان دینی کی کتاب قرآن (اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی ملاقات سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے قرآن شریف ہی ہے)

(ر) منقول از اخبار صدق ۸۔ فروری ۱۹۲۶ء ج ۲۔

پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن ایم اے ایم بی نے اپنی تالیفات والے لٹریری ہسٹری آف پرشیا (تاریخ ادبیات ایران) میں ژند اوستا اور قرآن پر غور کرتا اور اس کے مفہوم و معانی کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں میرے دل میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی جاتی ہے لیکن ژند اوستا کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ اسے علم لسانیات یا تحقیق معانی یا اسی قسم کے دیگر اغراض کے لئے پڑھا جائے طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہو جاتا ہے۔

(ز) منقول از اخبار صدق ۸۔ فروری ۱۹۲۶ء ج ۲۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۶ صفحہ ۹۹ میں لکھا ہے۔ قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں۔ مظاہر قدرت تاریخ الہامات نبیوں کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے۔ بالخصوص حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔ بت پرستی اور مخلوقات کی پرستش کو (جیسا کہ جناب مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجا جاتا ہے) بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

(ح) منقول از اخبار صدق ۸۔ فروری ۱۹۲۶ء ج ۲۔

ڈاکٹر کینن آئزک ٹیلر نے ۱۸۷۷ء میں بحیثیت صدر نشین کلیسائے انگلستان ایک تقریر کی تھی جو اسی زمانہ میں لندن ٹائمز میں شائع ہوئی تھی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان بہت جلد جان جاتا ہے اس کو سیکھے جو بتاتا ہے کہ صاف کپڑے پہنو اور صفائی سے رہو جو حکم دیتا ہے کہ استقلال و استقامت لازمی فرض ہے۔ بے شبہ دین اسلام کے تمام اصول ارفع ہیں اور اس کی خصوصیات شائستگی اور تمدن سکھلاتی ہے۔

(ط) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ مارچ ۔

"ہربرٹ لیکچرز" میں یہ فقرات موجود ہیں۔ اسلامی قانون قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے اور زیادہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ اسے ان اصول کی تعلیم و انجام دہی کی زبردست حمائل میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے خلقی احکام کا مجموعہ ہے جن فضائل و اعمال کی اس میں ہدایت کی گئی ہے وہ ایسے برگزیدہ اور شائستہ ہیں کہ کسی مشہور مسیحی نفیس کی ہدایتیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(ی) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ مارچ ۔

مسٹر راڈول جس نے قرآن شریف کا ترجمہ شائع کیا۔ لکھتا ہے جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے لیکن فوراً ہمیں مسخر کر لیتی۔ متحیر بناتی اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین و اغراض کے عفیف عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین کی نہایت درفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پر زور اثر دکھاتی رہے گی۔

تمت

رسالہ بتما مہا تمت الجلد الثالث الذی بتمامہ ثم اصل الکتاب و نحمدہ اللہ الذی عندہ ام الکتاب واللہ عندہ حسن الثواب وزمان الختام. اول شہر اللہ محرم الحرام ۱۳۳۵ ھ سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ العظام والصحابۃ الکرام مدی اللیالی والایام. ابداً ابداً لا انقضاء ولا انصرام. فقط۔